2

فتاوىٰ علمیّہ

المعروف

توضیح الاحکام

تالیف

حافظ زبیر علی زئی

مکتبہ اسلامیہ



❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

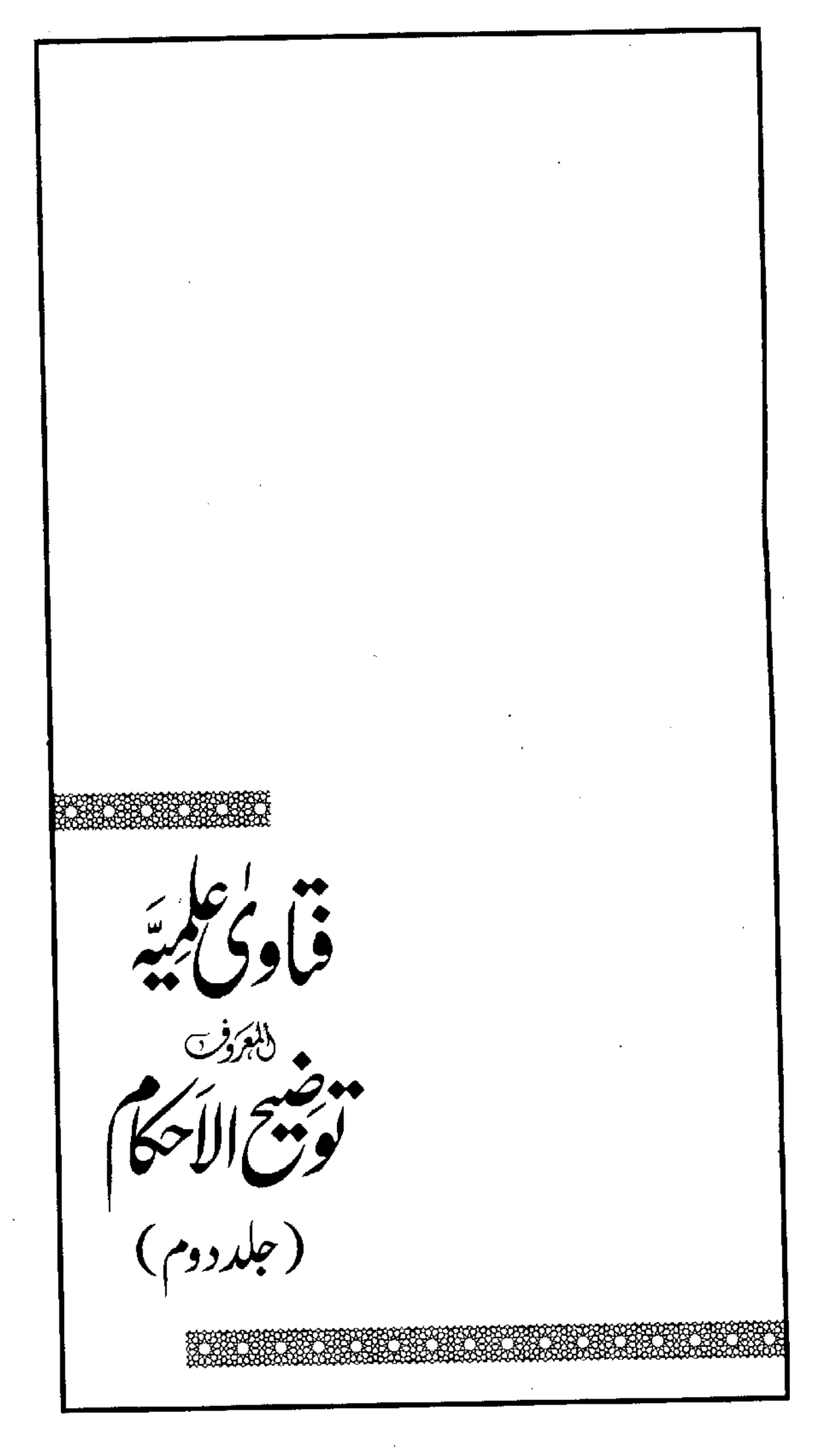
اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com



فتاویٰ علمیہ
المعروف
توضیح الاحکام
(جلد دوم)

فتاویٰ علمیہ

المعروف

توضیح الاحکام

(جلد دوم)

تالیف
حافظ زبیر علی زئی

مکتبہ اسلامیہ

ناشر ---------------- محمد سرور عاصم

کمپوزنگ -------- مکتبۃ الحدیث

اشاعت ------------ مارچ 2010ء

قیمت ----------------

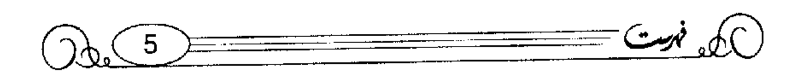


بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973

بیسمنٹ اٹلس بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

مکتبۃ الحدیث حضرو اٹک فون: 057-2310571

E-mail:maktabaislamiapk@gmail.com



فہرست

توحید وسنت کے مسائل

نماز سے متعلق مسائل

روزوں سے متعلق مسائل

اعتکاف کے مسائل

عشر وزکوۃ کے مسائل

حج وعمرہ سے متعلق مسائل

قربانی وعقیقہ سے متعلق مسائل

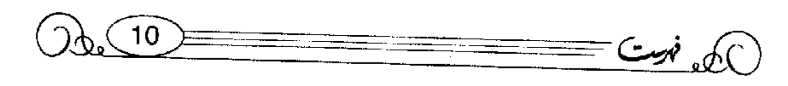
نکاح وطلاق اور رضاعت سے متعلق مسائل

جہاد سے متعلق مسائل

معاملات اور خرید وفروخت کے مسائل

وراثت سے متعلق مسائل

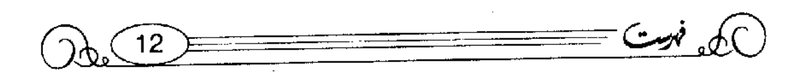
اخلاق وآداب سے متعلق مسائل



فضائل ومناقب

قرآن سے متعلق مسائل

اصول، ضوابط وتذکرۃ الراوی



تحقیق وتنقید

تخریج الروایات اور ان کا حکم

متفرق مسائل

حرفِ اول

الحمد للّٰه رب العلمین و الصّلوٰة والسّلام علٰی رسوله الأمین، أمابعد:

علم عطیہ الٰہی ہے اور اسے تحریر، تقریر وتدریس کے ذریعے سے اطراف واکناف میں عام کرنے کے لئے ہمہ وقت مصروف رہنا چاہئے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِيَذَّكَّرَ اُولُو الْاَلْبَابِ ﴾ یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لئے پیغام ہے کہ اس کے ذریعے سے وہ ہوشیار کردیئے جائیں اور بخوبی معلوم کرلیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے تاکہ عقلمند لوگ سوچ لیں۔ (ابراہیم:۵۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بلّغوا عني ولو آية .)) میری حدیث (لوگوں تک) پہنچادو اگرچہ وہ ایک آیت (ٹکڑا) ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح بخاری:۳۴۶۱)

نیز فرمایا: ((نضر اللّٰه امرءًا سمع منا حديثًا فحفظه حتى يبلّغه ...))

اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اسے یاد رکھا تاآنکہ اسے (دوسروں تک) پہنچائے۔

(سنن ابی داود: ۳۶۶۰، سنن ترمذی: ۲۶۵۶، وصححہ ابن حبان: ۷۲-۷۳)

دین میں تفقہ کا حاصل ہونا فضلِ الٰہی ہے اور جو اس منزل تک پہنچ جاتا ہے، اس کا شمار بہترین لوگوں میں ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((من يرد اللّٰه به خيرًا يفقهه في الدين .)) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے دین کا فہم عطا کرتا ہے۔ (صحیح بخاری:۷۱، صحیح مسلم:۱۰۳۷)

جس طرح علم کی نشرواشاعت ضروری اور باعثِ فضیلت ہے، اسی طرح اسے قصداً چھپانا مذموم اور گناہِ عظیم ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ (البقرہ:۱۵۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**من سئل عن علم فكتمه ألجمه الله بلجام من نار يوم القيامة .**)) جس سے علم کی بات پوچھی گئی اور اس نے اسے (بتانے کے بجائے) چھپا لیا تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اسے آگ کی لگام دے گا۔

(سنن ابی داود: ۳۶۵۸، سنن ترمذی: ۲۶۴۹ وصححہ ابن حبان: ۹۵)

علمائے کرام سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات کتابی شکل میں شائع کرنا ایک معروف ومقبول سلسلہ ہے، جو تفہیمِ دین کے لئے لائقِ ستائش کاوش ہے۔

''فتاویٰ علمیہ المعروف توضیح الاحکام'' (جلد دوم) اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں عقائد وعبادات کے علاوہ ایسے سوالات کے جوابات بھی قلمبند ہیں، جنھیں عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے کیونکہ وہ مشقت طلب اور ذخیرۂ کتب کو کھنگالنے کے متقاضی ہوتے ہیں۔

تحقیق وتنقید کے تحت کچھ ایسے مسائل بھی زیرِ بحث آئے ہیں جو شاید بعض لوگوں پر ناگوار گزریں لیکن احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا یہی تقاضا ہے۔

حرفِ آخر کے طور پر میں اپنے استاذِ محترم فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت وعافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ اسی طرح کے علمی وتحقیقی امور سرانجام دینے کے لئے کمربستہ رہیں۔ (آمین)

حافظ ندیم ظہیر

جامعہ اہل الحدیث حضرو۔ اٹک

(۲۷/ دسمبر ۲۰۰۹ء)

تقدیم

الحمد للّٰه ربّ العالمین والصّلٰوۃ والسّلام علٰی رسول اللّٰه محمد ﷺ : الصادق الأمین ورضي اللّٰه عن أصحابه و أهل بیته أجمعین ورحمة اللّٰه علی التابعین بإحسان و من تبعهم من السلف الصالحین ، أما بعد:

کتاب اللہ (قرآن مجید) کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنت (حدیث) شرعی حجت اور برہان قطعی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وإنما کان الذي أوتیت وحیًا أوحاه اللّٰه إلي .))

مجھے جو دیا گیا ہے وہ وحی ہے جسے اللہ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری:۴۹۸۱، صحیح مسلم:۱۵۲)

آپ ﷺ نے فرمایا:

پس میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمھیں قبروں میں آزمایا جاتا ہے.....(صحیح بخاری:۸۶)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((ألا إني أوتیت الکتاب و مثله معه .))

سن لو! مجھے کتاب کی مثل (وحی حدیث) عطا کی گئی ہے۔

(مسند احمد ۴/۱۳۰۔۱۳۱ ح ۱۷۱۷۴، وسندہ صحیح، سنن ابی داود:۴۶۰۴)

معلوم ہوا کہ قرآن کی طرح سنت (حدیث) بھی حجت اور وحی ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا:'' أو بوحي غیر متلو '' یا اس وحی سے جو غیر متلو ہے۔

(فتح الباری ۴/۱۵ تحت ح ۱۸۱۴)

یعنی حدیث وہ وحی (خفی) ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔

نیز دیکھئے الاحکام لابن حزم (۲/۵۰۹) اور الاحکام للآمدی (۳/۱۶۲)

مشہور ثقہ فقیہ عابد تابعی امام حسان بن عطیہ المحاربی الدمشقی رحمہ اللہ (متوفی بین ۱۲۰۔۱۳۰ھ)

نے فرمایا: ''كان جبريل ينزل على رسول الله ﷺ بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن و يعلمه إياه كما يعلمه القرآن .''

جبریل (علیہ السلام) رسول اللہ ﷺ کے پاس سنت (حدیث) لے کر (ایسے) نازل ہوتے جیسے قرآن لے کر نازل ہوتے تھے اور وہ آپ کو جس طرح قرآن سکھاتے، اُسی طرح یہ (سنت/حدیث) بھی سکھاتے تھے۔ (کتاب السنہ للامام محمد بن نصر المروزی:۱۰۲، وسندہ صحیح)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام حسان بن عطیہ تابعی کے نزدیک سنت وحی ہے اور حدیث وسنت ایک ہی چیز کے دونام ہیں۔

یاد رہے کہ یہ بات باسند صحیح ثابت نہیں کہ حسان بن عطیہ الشامی رحمہ اللہ تقدیر کے منکر تھے لہٰذا بعض علماء کا اُن پر قدری ہونے کا الزام توثیقِ اجماعی یا جمہور کی توثیق کے مقابلے میں قابلِ سماعت نہیں ہے۔

آج کل بعض لوگ حدیث وسنت میں فرق کرتے ہیں اور زبانِ حال سے یہ کہتے ہیں کہ باپ دادا سے چلے آئے طریقے کو سنت کہتے ہیں اور حدیث وہ ہے جس کی روایت حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔

ہمارے علم کے مطابق یہ فرق سلف صالحین اور متاخر علماء میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں ہے۔ (نیز دیکھئے علمی مقالات ج ۲ص ۲۹۰)

مشہور ثقہ امام عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷ھ) نے فرمایا:

(امام) مالک سے وضو میں پاؤں کی انگلیوں کے خلال کے بارے میں سوال کیا گیا تو میں نے انھیں (یہ) فرماتے ہوئے سنا: ''ليس ذلك على الناس''

لوگوں پر یہ (ضروری یا سنت) نہیں ہے۔

پھر میں نے آپ (امام مالک) کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ جب لوگ کم ہوگئے تو میں نے کہا:

''عندنا في ذلك سنة'' ہمارے پاس اس کے بارے میں ایک سنت (حدیث) ہے۔

انھوں نے فرمایا: ''وما هي'' اور وہ (سنت) کیا ہے؟

میں نے کہا: ہمیں لیث بن سعد، ابنِ لہیعہ اور عمرو بن الحارث (تینوں) نے یزید بن عمرو المعافری سے حدیث بیان کی، انھوں نے ابوعبدالرحمٰن الحبلی سے، انھوں نے مستورد بن شداد القرشی (رضی اللہ عنہ) سے، انھوں نے فرمایا: ''رأیت رسول اللّٰہ ﷺ یدلك بخنصرہ ما بین أصابع رجلیہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ اپنی چھوٹی انگلی کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں کے درمیان رگڑ (یعنی خلال کر) رہے تھے۔

توانھوں (امام مالک رحمہ اللہ) نے فرمایا: ''إن ھذا الحدیث حسن و ما سمعت بہ قط إلا الساعۃ ''بے شک یہ حدیث حسن (اچھی) ہے اور میں نے اسے اس وقت سے پہلے کبھی نہیں سنا۔

پھر اس کے بعد جب آپ سے اس (مسئلے) کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ انگلیوں کے خلال کا حکم دیتے تھے۔

(کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۱ ص ۳۱۔۳۲ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۷۶۔۷۷، احمد بن عبدالرحمٰن بن وھب بن مسلم المصری صدوق من رجال صحیح مسلم، حسن الحدیث وثقہ الجمہور)

اس اثر سے صاف ظاہر ہے کہ امام عبداللہ بن وھب اور امام مالک دونوں حدیث اور سنت کو ایک سمجھتے تھے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔

محدثین کرام مثلاً امام ابوداود وغیرہ نے اپنی حدیث کی کتابوں کے نام: سنن رکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ محدثین کے نزدیک حجیت کے لحاظ سے حدیث اور سنت مترادف یعنی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

میرے علم کے مطابق سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی (کذاب دجال) نے حدیث اور سنت میں فرق کیا، مرزا قادیانی نے لکھا ہے:

''یہ دھوکہ نہ لگے۔ کہ سنت اور حدیث ایک چیز ہے۔ کیونکہ حدیث تو سو ڈیڑھ سو برس کے بعد جمع کی گئی۔ مگر سنت کا قرآن شریف کے ساتھ ہی وجود تھا۔''

(کشتی نوح ص ۸۲، دوسرا نسخہ ص ۵۶، تیسرا نسخہ ص ۶۳، روحانی خزائن ج ۱۹ ص ۶۱)

منکرینِ حدیث نے حدیث اور سنت میں فرق کرنے والے اس نظریے کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور دن رات اسے سادہ لوح مسلمانوں میں پھیلانے میں مصروف ہوگئے۔

مرزا قادیانی اور منکرینِ حدیث کے رد کے لئے گذشتہ حوالے کافی ہیں لیکن بطورِ فائدہ عرض ہے کہ اشرف علی تھانوی دیوبندی نے کہا:

''اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تم لوگوں میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو کبھی نہ بھٹکو گے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن، دوسرے نبی کی سنّت یعنی حدیث۔'' (بہشتی زیور ص ۵۹۷، حصہ ہفتم ص ۳۱، قرآن وحدیث کے حکم پر چلنا)

پیر محمد کرم شاہ بھیروی بریلوی نے عنوان لکھا:

''عہدِ فاروقی میں تعلیمِ سُنّت کا انتظام''

اور پھر اس عنوان کے تحت لکھا:

''عہدِ فاروقی میں تو احادیثِ نبوی کی نشر و اشاعت کا اس قدر اہتمام کیا گیا جس کے لئے ساری امت ان کی شرمندۂ احسان ہے۔'' (سُنّت خیر الانام طبع اگست ۱۹۹۱ء ص ۱۱۴)

عبارتِ مذکورہ میں حجیت کے لحاظ سے سنت اور حدیث ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

پیر کرم شاہ نے مزید لکھا ہے:

''علمِ اصول میں سنت کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے اس قول اور اس فعل اور اس تقریر کو جو ان امُور سے نہ ہوں جن کا تعلق طبیعتِ انسانی کے ساتھ ہے۔'' (سُنّت خیر الانام ص ۱۸۱)

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ'' ثم نزل القرآن فعلموا من القرآن و علموا من السنة '' (صحیح مسلم: ۱۴۳)

اس کا ترجمہ کرتے ہوئے غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے:

''پھر قرآن نازل ہوا، اور لوگوں نے قرآن اور حدیث کا علم حاصل کیا''

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۱۱ ح ۲۷۵)

اس عبارت میں سعیدی صاحب نے سنت کا ترجمہ حدیث کیا ہے۔

توضیح الاحکام میں کتاب اللہ (قرآن مجید) سنتِ رسول اللہ ﷺ (احادیث صحیحہ و حسنہ) اور صحیح و ثابت اجماعِ اُمت سے بطورِ حجت استدلال کیا گیا ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق ہر جگہ فہم سلف صالحین کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا يجمع اللّٰه أمتي علىٰ ضلالة أبدًا و يد اللّٰه على الجماعة .))

اللہ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت (اجماع) پر ہے۔

(المستدرک للحاکم ۱/۱۱۶ ح ۳۹۹ وسندہ صحیح)

اور فرمایا: ((لن تجتمع أمتي على الضلالة أبدًا فعليكم بالجماعة فإن يد اللّٰه على الجماعة .)) میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی لہٰذا تم جماعت (اجماع) کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲/۴۴۷ ح ۱۳۶۲۳، وسندہ حسن)

ان احادیث سے اجماعِ امت کا حجت ہونا صاف ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران . و إذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر .))

اگر حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے پھر اس کی بات صحیح ہو تو اُسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے پھر اسے غلطی لگے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

(صحیح بخاری: ۷۳۵۲، صحیح مسلم: ۱۷۱۶، دارالسلام: ۴۴۸۷)

اس حدیث سے صراحتاً ثابت ہوا کہ حاکم کے لئے غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کرنا جائز ہے اور اشارتاً علماء کے لئے اجتہاد کا جواز ثابت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا:

"سأقول فيها بجهد رأيي فإن كان صوابًا فمن اللّٰه وحده لا شريك له و إن كان خطاءً فمني و من الشيطان و اللّٰه و رسوله منه براء"

میں اس کے بارے میں اپنی رائے کے اجتہاد سے کہوں گا پھر اگر یہ صحیح ہوا تو اللہ وحدہ

لاشریک لہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔ (سنن النسائی ۶/۱۲۲ ح ۳۳۶۰ وسندہ صحیح، وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۲۶۳، الاحسان: ۴۰۸۹/۴۱۰۱، والحاکم علیٰ شرط مسلم ۲/۱۸۰ ح ۲۷۳۷ ووافقہ الذہبی)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح بن الحارث رحمہ اللہ سے جو فرمایا تھا، اُس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرو۔

۲: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (حدیث) کے مطابق فیصلہ کرو۔

۳: پھر جس پر لوگوں کا اجماع ہو، اُس کے مطابق فیصلہ کرو۔

۴: جو بات کتاب اللہ، سنت اور اجماع میں نہ ملے تو اجتہاد کرو یا نہ کرو اور نہ کرنا تمھارے لئے بہتر ہے۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۴۰ ح ۲۲۹۸۰ وسندہ صحیح، المختارۃ للضیاء المقدسی ۱/۲۳۸ ح ۱۴۴، علمی مقالات ج ۲ ص ۵۴۷)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کتاب اللہ، پھر سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر آثارِ ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فیصلہ کرتے تھے اور اگر کوئی مسئلہ ان سے نہ ملتا تو پھر اپنی رائے سے اجتہاد کرتے تھے۔ (دیکھئے الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی ۱/۲۰۳ وسندہ صحیح)

ان دلائل و آثار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اضطراری حالت میں اجتہاد کرنا جائز ہے لیکن یاد رہے کہ اس اجتہاد کو دائمی قانون کی حیثیت حاصل نہیں بلکہ یہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے۔

اجتہاد کی کئی اقسام ہیں، مثلاً:

۱: آثارِ سلف صالحین سے استدلال

۲: صحیح قیاس

۳: مصالح مرسلہ

۴: اولیٰ و غیر اولیٰ

۵: اور مفہوم وغیرہ

راقم الحروف نے اپنے فتاویٰ وتحقیقات میں کتاب وسنت اور اجماع کے بعد آثارِ سلف صالحین سے استدلال کیا ہے تا کہ متجددین، محرفین، ملحدین اور اہلِ بدعت کے ٹیڑھے راستوں سے بچتے ہوئے اہلِ سنت کے سلف صالحین کا فہم اور صحیح منہج معلوم و برتر ہو جائے۔

والحمد لله

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) نے فرمایا: ''**کانوا یرون أنه علی الطریق ما کان علی الأثر .**'' اگلے علماء (یعنی صحابہ کرام اور کبار تابعین عظام) یہ سمجھتے تھے کہ جو شخص متبع آثار ہو (یعنی قرآن وسنت اور متفقہ آثارِ سلف صالحین پر قائم ہو) تو وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہے۔ (مسند الدارمی ۱/۵۳۔۵۴ ح ۱۴۲، وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ کتاب وسنت اور اجماع کے صریح خلاف ہر اجتہاد اور ہر رائے مردود ہے۔

ابراہیم بن یزید النخعی رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے حدیث کے مقابلے میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) کا قول پیش کیا تو انھوں نے فرمایا:

رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں تم سعید بن جبیر کے قول کو کیا کرو گے؟!

(الاحکام لابن حزم ۶/۲۹۳ وسندہ صحیح)

فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے اور کتاب وسنت کا ہر وقت احترام کرنا چاہئے۔

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ کے شاگرد ابو سلمہ منصور بن سلمہ بن عبدالعزیز الخزاعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۰ھ) نے فرمایا:

(امام) مالک بن انس (المدنی رحمہ اللہ) جب حدیث بیان کرنے کے لئے (گھر سے) باہر آتے تو نماز والا وضو کرتے، اچھے کپڑے پہنتے، ٹوپی (سر پر) رکھتے اور اپنی داڑھی کی کنگھی کرتے تھے۔

اس کے بارے میں جب آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: اس طرح میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تعظیم (یعنی احترام) کرتا ہوں۔ (کتاب الصلوٰۃ للامام محمد بن نصر المروزی: ۷۳۱ وسندہ صحیح، المحدث الفاصل بین الراوی والواعی: ۸۳۰، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ۹۰۳)

امام معمر بن راشد الازدی البصری الیمنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۴ھ) نے اپنے استاذ قتادہ بن دعامہ (ثقہ تابعی) کے بارے میں فرمایا:

قتادہ (رحمہ اللہ) اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں بغیر وضو کے بیان کی جائیں۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب: ۹۷۵ وسندہ صحیح)

غور کریں کہ سلف صالحین کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی احادیث کا کتنا احترام تھا اور یہی اہلِ سنت کا منہج ہے لیکن بہت سے گمراہ اور اہل بدعت صحیح احادیث کا انکار کرتے اور مذاق اُڑاتے ہیں۔ واللّٰہ من ورائهم محیط

توضیح الاحکام کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، جوکہ پہلی جلد کا تتمہ ہے۔

ماہنامہ شہادت اسلام آباد، مجلّہ الحدیث حضرو اور تحقیقی جوابات کا یہ مجموعہ دوبارہ کمپوزنگ کروا کر مراجعت اور مناسب مقامات پر حک واضافہ اور اصلاح کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے لہٰذا اب سوال جواب اور توضیح الاحکام کا یہی مطبوعہ ایڈیشن معتبر وراجح ہے۔

اس تقدیم کے آخر میں عرض ہے کہ توضیح الاحکام کی اس (دوسری) جلد اور راقم الحروف کی دوسری کتابوں وتحریرات میں اگر کوئی غلطی ہے تو اس کا ذمہ دار میں ہوں اور ہر وقت رجوع کرنے لئے تیار ہوں۔ ان شاء اللہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حافظ ندیم ظہیر حفظہ اللہ اور تمام اُن ساتھیوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے اس کتاب کی نشر واشاعت میں تعاون کیا ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

مدرسہ اہل الحدیث حضرو۔ اٹک

(۲۷/ دسمبر ۲۰۰۹ء)

کیا اہلِ حدیث نام صحیح ہے؟

سوال ہم اہلحدیث کیوں ہیں؟ ہم مسلمین (مسلمان) کیوں نہیں ہیں؟ کیا کوئی صحابی اہلحدیث تھا؟ یا اس نے اپنا نام اہلحدیث رکھا ہو؟ دلائل سے واضح کریں ہم اہلحدیث کیوں ہیں؟ (جزاکم اللہ خیراً) یہ سوال ''جماعت المسلمین'' (فرقہ مسعودیہ) کی طرف سے ہے اور بخاری کی حدیث بھی پیش کی ہے کہ جماعت المسلمین اور اس کے امام کو لازم پکڑو۔

(اُم خالد، کامرہ کینٹ)

الجواب ''مسلمین'' مسلم کی جمع ہے اور بالاجماع مسلم مسلمان و مطیع و فرمان بردار کو کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے بہت سے نام اور القاب ہیں۔ مثلاً مہاجرین، انصار، صحابہ، وتابعین وغیرہ، ایک صحیح حدیث میں آیا ہے:

((فادعوا بدعوى الله الذي سماكم المسلمين المؤمنين عبا د الله.))

پس پکارو، اللہ کی پکار کے ساتھ جس نے تمھارے نام مسلمین، مومنین (اور) عباد اللہ رکھے ہیں۔ (سنن ترمذی (۲۸۶۳) وقال: ''حسن صحیح غریب'' وصححہ ابن حبان (موارد ۱۲۲۲۔۱۵۵۰) والحاکم (۱/ ۱۱۷، ۱۱۸، ۲۳۶، ۴۲۱، ۴۲۲) ووافقہ الذہبی)

اس کی سند صحیح ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔

موسیٰ بن خلف ابوخلف عن یحییٰ بن ابی کثیر......الخ کی روایت میں آیا ہے:

((فادعوا المسلمين بأسمائهم بما سماهم الله عزوجل المسلمين المؤمنين عباد الله عزوجل.))

مسلمانوں کو ان کے ناموں مسلمین، مومنین (اور) عباد اللہ عزوجل سے پکارو جو کہ اللہ عزوجل نے ان کے نام رکھے ہیں۔

(مسند احمد ۴/ ۱۳۰ ح ۱۷۳۰۲ واللفظ لہ ۴/ ۲۰۲ ح ۱۷۹۵۳، وسندہ حسن)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ اس کے ایک راوی ابوخلف موسیٰ بن خلف ہیں

جو جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہیں لہٰذا صدوق حسن الحدیث ہیں۔

مسند احمد (۵/۲۴۴ ح ۲۳۲۹۸) میں اس کا ایک صحیح شاہد یعنی تائید والی روایت بھی ہے، لہٰذا روایتِ مذکورہ بالکل صحیح ہے۔ والحمدللہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اور بھی نام ہیں لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ "ہمارا نام صرف ایک: مسلم" ہے، غلط اور باطل ہے۔

صحیح مسلم کے مقدمے میں مشہور تابعی محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول لکھا ہوا ہے کہ

"فینظر إلٰی أھل السنة فیؤخذ حدیثھم"

پس اہل سنت کی طرف دیکھا جاتا تھا اور ان کی حدیث قبول کی جاتی تھی۔

(باب ۵ حدیث نمبر ۲۷ ترقیم دارالسلام)

اس قول کے راویوں اور امام مسلم کی رضامندی سے یہ قول موجود ہے۔ صحیح مسلم ہزاروں لاکھوں علماء نے پڑھی ہے مگر کسی نے اس قول پر اعتراض نہیں کیا کہ مسلمانوں کا نام اہل سنت غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اہل سنت نام صحیح ہے۔

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ طائفۂ منصورہ ہمیشہ غالب رہے گا۔ اس کی تشریح میں امام بخاری فرماتے ہیں: "یعني أھل الحدیث"

یعنی اس سے مراد اہل الحدیث ہیں۔ (مسألۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب ص ۴۷ وسندہ صحیح)

امام بخاری کے استاد علی بن عبداللہ المدینی ایسی روایت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"ھم أھل الحدیث" وہ اہل الحدیث ہیں۔

(سنن الترمذی، ابواب الفتن باب ماجاء فی الائمۃ المضلین ح ۲۲۲۹ نسخہ عارضۃ الاحوذی: ۹/۷۴ وسندہ صحیح)

امام قتیبہ بن سعید نے فرمایا:

"إذا رأیت الرجل یحب أھل الحدیث ...... فإنه علی السنة" إلخ

اگر تو کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ اہل الحدیث سے محبت کرتا ہے تو (سمجھ لے کہ) وہ شخص سنت پر (چل رہا) ہے۔ (شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص ۱۳۴ ح ۱۴۳ وسندہ صحیح)

احمد بن سنان الواسطی نے فرمایا:

"ليس في الدنيا مبتدع إلا وهو يبغض أهل الحديث"

دنیا میں کوئی بھی ایسا بدعتی نہیں ہے جو کہ اہل الحدیث سے بغض نہیں رکھتا۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۴ وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

"إن لم تكن هذه الطائفة المنصورة أصحاب الحديث فلا أدري من هم۔"

اگر اس طائفۂ منصورہ سے مراد اصحاب الحدیث نہیں ہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۲ وصححہ ابن حجر فی فتح الباری ۲۵۰/۱۳)

حفص بن غیاث نے اصحاب الحدیث کے بارے میں کہا:

"هم خير أهل الدنيا" یہ دنیا میں بہترین لوگ ہیں۔

(معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۳ وسندہ صحیح)

امام شافعی فرماتے ہیں:

"إذا رأيت رجلاً من أصحاب الحديث فكأني رأيت النبي ﷺ حيًا"

جب میں اصحاب الحدیث میں سے کسی شخص کو دیکھتا ہوں، تو گویا میں نبی ﷺ کو زندہ دیکھتا ہوں۔ (شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص ۹۴ ح ۸۵ وسندہ صحیح)

المحدث الصدوق امام ابن قتیبہ الدینوری (متوفی ۲۷۶ھ) نے ایک کتاب لکھی ہے:

"تأويل مختلف الحديث في الرد على أعداء أهل الحديث"

اس کتاب میں انھوں نے "اہل الحدیث" کے اعداء (دشمنوں) کا زبردست رد کیا ہے۔

یہ تمام اقوال محدثین کے درمیان بلا انکار و بلا اعتراض شائع وذائع اور مشہور ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ "اہل الحدیث" نام کے جائز وصحیح ہونے پر ائمۂ مسلمین کا اجماع ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ امتِ مسلمہ گمراہی پر اجماع نہیں کر سکتی۔

قال رسول الله ﷺ: ((لا يجمع الله أمتي أو قال: هذه الأمة على الضلالة

أبدًا ويد الله على الجماعة))

اللہ میری امت کو ۔ یا فرمایا اس امت کو گمراہی پر کبھی جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت (اجماع) پر ہے۔ (المستدرک ۱/۱۱۶ ح ۳۹۸، ۳۹۹ وسندہ صحیح)

ان چند دلائل مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مسلمین کا صفاتی نام اور لقب اہل الحدیث واہل السنۃ بھی ہے اور یہی گروہ طائفۂ منصورہ ہے۔

اہل الحدیث کے دو ہی مفہوم ممکن ہیں:

① صحیح العقیدہ محدثین کرام

② صحیح العقیدہ عوام جو محدثین کے منہج پر ان کی اقتداء بادلیل کرتے ہیں۔

دیکھئے: مقدمۃ الفرقۃ الجدیدہ (ص ۱۹) ومجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (۴/۹۵)

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ طائفۂ منصورہ جنت میں جائے گا کیونکہ یہ اہل حق ہیں تو کیا صرف محدثین کرام ہی جنت میں جائیں گے اور ان کے عوام باہر دروازے پر ہی رہ جائیں گے؟

معلوم ہوا کہ طائفۂ منصورہ میں محدثین اور ان کے عوام دونوں ہی شامل ہیں۔ قرآن وحدیث کو اپنی عقل سے سمجھنے والے اور منکرِ اجماع مسعود احمد بی ایس سی تکفیری نے لکھا ہے:

''ہم بھی محدثین کو اہل الحدیث کہتے ہیں۔ زبیر صاحب کا مذکورہ بالا قول ہماری تائید ہے نہ کہ تردید۔'' (الجماعۃ القدیمہ بجواب الفرقۃ الجدیدہ ص ۵)

حدیث بیان کرنے والوں کو محدثین کہتے ہیں۔ یہ عوام المسلمین کو بھی معلوم ہے صحابہ وتابعین نے احادیث بیان کی ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ صحابہ وتابعین سب محدثین (اہل الحدیث) تھے۔

مسعود صاحب پر ایک نئی ''وحی'' نازل ہوئی ہے، وہ متکبرانہ اعلان کرتے ہیں کہ ''محدثین تو گزر گئے اب تو وہ لوگ رہ گئے ہیں جو ان کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔''

(الجماعۃ القدیمہ ص ۲۹)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے برادر محترم ڈاکٹر ابو جابر الدامانوی فرماتے ہیں:

''گویا موصوف کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اسی طرح محدثین کا سلسلہ بھی کسی خاص محدث پر ختم ہو چکا ہے اور اب قیامت تک کوئی محدث پیدا نہیں ہوگا اور اب جو بھی آئے گا وہ صرف ناقل ہی ہوگا۔ جس طرح لوگوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا۔ کسی نے بارہ کے بعد ائمہ کا سلسلہ ختم کر دیا۔ موصوف کا خیال ہوگا کہ اسی طرح محدثین کی آمد کا سلسلہ بھی اب ختم ہو چکا ہے لیکن اس سلسلہ میں انھوں نے کسی دلیل کا ذکر نہیں کیا، اقوال الرجال تو ویسے ہی موصوف کی نگاہ میں قابل التفات نہیں ہیں البتہ اپنے ہی قول کو انھوں نے اس سلسلہ میں حجت مانا ہے۔ حالانکہ جو لوگ بھی فن حدیث کے ساتھ شغف رکھتے ہیں ان کا شمار محدثین کے زمرے میں ہوتا ہے''۔

(خلاصۃ الفرقۃ الجدیدہ ص ۵۵)

صحیح بخاری (۷۰۸۴) والی حدیث: ''تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ''

جماعت المسلمین اور اس کے امام کو لازم پکڑو۔

اس حدیث پر امام بخاری کے لکھے ہوئے باب ''کیف الأمر إذا لم تکن جماعة'' کی تشریح میں حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں:

''والمعنی ما الذي یفعل المسلم في حال الإختلاف من قبل أن یقع الإجماع علی خلیفة'' اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ایک خلیفہ پر اجماع ہونے سے پہلے حالتِ اختلاف میں مسلمان کیا کرے؟ (فتح الباری ۱۳/۳۵ ح ۷۰۸۴)

عینی حنفی لکھتے ہیں:

''وحاصل معنی الترجمة أنه إذا وقع اختلاف ولم یکن خلیفة فکیف یفعل المسلم من قبل أن یقع الإجتماع علی خلیفة'' اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اختلاف ہو جائے اور خلیفہ نہ ہو تو خلیفہ پر اجماع سے پہلے مسلمان کیا کرے گا؟

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۳ کتاب الفتن)

''جماعة'' کی تشریح میں قسطلانی لکھتے ہیں:

''مجتمعون علٰی خلیفة'' ایک خلیفہ پر جمع ہونے والے۔(ارشاد الساری ج ۱۰ ص ۱۸۳)

ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (متوفی ٦٥٦ ھ) لکھتے ہیں:

''یعني:أنه متی اجتمع المسلمون علٰی إمام فلا یخرج علیه وإن جار کما تقدم و کما فی الروایة الأخریٰ:فاسمع و أطع ، وعلٰی هذا فتشهد مع أئمة الجور الصلوات والجماعات والجهاد والحج وتجتنب معاصیهم ولا یطاعنون فیها'' یعنی: جب بھی تمام مسلمان کسی امام (خلیفہ) پر جمع ہو جائیں تو اس کے خلاف خروج نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ ظالم ہو، جیسا کہ گزر چکا ہے اور جیسا کہ دوسری روایت میں آیا ہے: پس سنو اور اطاعت کرو (اگرچہ وہ تمھاری پیٹھ پر مارے) اس حدیث کی رُو سے نمازیں، جماعتیں، جہاد اور حج (وغیرہ) ظالم حکمرانوں کے ساتھ مل کر ادا کی جاتی ہیں۔ اُن کے گناہوں سے اجتناب کیا جاتا ہے اور ان پر طعن نہیں کیا جاتا۔

(المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۴ ص ۵۷)

قرطبی مزید فرماتے ہیں:

''فلو بایع أهل الحل والعقد لواحد موصوف بشروط الإمامة لا نعقدت له الخلافة وحرمت علٰی کل أحد المخالفة''

پس اگر (تمام) اہلِ حل وعقد امامت کے کسی مستحق کی بیعت کرلیں تو اس کی خلافت قائم ہو جاتی ہے اور ہر ایک پر اس کی مخالفت حرام ہو جاتی ہے۔ (المفہم ج ۴ ص ۵۷، ۵۸)

شارحینِ حدیث کی ان تشریحات سے معلوم ہوا کہ جماعت المسلمین اور ان کے امام سے مراد خلافت اور خلیفہ ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فإن لم تجد یومئذ خلیفة فاهرب حتی تموت)) إلخ

پس اگر تو اُس دن خلیفہ نہ پائے تو موت تک کے لئے بھاگ جا۔

(سنن ابی داود: ۴۲۴۷ وصحیح ابی عوانہ ۴/۶ ۴۷۶ وسندہ حسن، صخر بن بدر وثقہ ابن حبان وابوعوانہ وسبیع بن خالد وثقہ العجلی وابن حبان وللحدیث شواہد)

ایک اہم فائدہ: ابن بطال القرطبی (متوفی ۴۴۹ھ) نے کہا:

"فإذا لم يكن لهم إمام فافترق أهل الإسلام أحزابًا فواجب اعتزال تلك الفرق كلها"

پس جب ان لوگوں کا امام (خلیفہ) نہ ہو اور اہلِ اسلام احزاب (پارٹیوں) میں بٹ جائیں تو ان تمام فرقوں سے دُور ہو جانا واجب (فرض) ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ۱۰/۳۲)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث سے دو قسم کے لوگوں نے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے:

۱) وہ لوگ جنھوں نے "جماعت المسلمین" کے نام سے ایک کاغذی پارٹی (حزب) بنائی اور ایک عام آدمی اس کا امام بن گیا حالانکہ یہ پارٹی خلافتِ مسلمین نہیں ہے اور اس کا نام نہاد امام خلیفہ نہیں ہے۔

۲) وہ لوگ جنھوں نے ایک کاغذی خلیفہ بنایا جس کے پاس نہ فوج ہے اور نہ کوئی طاقت اس کاغذی خلیفہ کا ایک انچ زمین پر قبضہ نہیں ہے۔ اس خلیفہ نے نہ کفار سے جہاد کیا، نہ شرعی حدود کا نفاذ کیا، اسے خلیفہ کہنا خلافت کے ساتھ مذاق ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت: ۳۰ کی تشریح میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"وقد استدل القرطبي وغيره بهٰذه الآية علٰى وجوب نصب الخليفة ليفصل بين الناس فيما يختلفون فيه ويقطع تنازعهم وينتصر لمظلومهم من ظالمهم ويقيم الحدود ويزجر عن تعاطي الفواحش"

قرطبی وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ قائم کرنا واجب ہے تاکہ لوگوں کے درمیان اختلافات میں فیصلہ کرے اور جھگڑے ختم کر دے۔ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کرے، حدود کا نفاذ کرے اور بے حیائی، فحاشی کے کاموں سے روکے۔

(تفسیر ابن کثیر ۱/۲۰۴)

قاضی ابو یعلیٰ محمد بن الحسین الفراء اور قاضی علی بن محمد بن حبیب الماوردی نے بھی خلیفہ کے لئے جہاد، سیاست اور اقامتِ حدود کو شرط قرار دیا ہے۔ دیکھئے الاحکام السلطانیہ (ص ۲۲) والاحکام السلطانیہ للماوردی (ص ۶) اور ماہنامہ الحدیث: ۲۲ ص ۳۹

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: ''**ولأن المسلمين لابدّ لهم من إمام يقوم بتنفيذ أحكامهم وإقامة حدودهم وسدّ ثغورهم وتجهيز جيوشهم وأخذ صدقاتهم** ...'' مسلمانوں کا ایسا امام (خلیفہ) ہونا ضروری ہے جو احکام نافذ کرے، حدود قائم کرے، سرحدوں کی حفاظت کرے، لشکر تیار کرے اور لوگوں سے صدقات (قوت کے ساتھ) وصول کرے۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۴۶)

علمائے کرام کی ان تشریحات کے سراسر خلاف ایک کاغذی خلیفہ بنانا جو اپنے گھر میں شرعی حدود قائم کرنے سے عاجز ہو اور اپنے گھر کی دیواروں کی حفاظت نہ کر سکتا ہو (وغیرہ) ان لوگوں کا کام ہے جو اُمتِ مسلمہ میں فرقہ پرستی اور باطل نظریات کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے: ((**من مات وليس له إمام مات ميتة جاهلية**))
جو شخص فوت ہو جائے اور اس کی گردن میں امام (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ (السنہ لابن ابی عاصم: ۱۰۵۷، وسندہ حسن، نیز دیکھئے صحیح مسلم: ۱۸۵۱)

اس کی تشریح میں امام احمد فرماتے ہیں: ''**تدري ما الإمام؟ الذي يجتمع المسلمون عليه، كلهم يقول: هذا إمام، فهذا معناه**''
تجھے پتا ہے کہ (اس حدیث میں) امام کسے کہتے ہیں؟ جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو جائے۔ ہر آدمی یہی کہے کہ یہ امام (خلیفہ) ہے، یہ ہے اس حدیث کا معنی۔

(سوالات ابن ہانی ص ۱۸۵ فقرہ: ۲۰۱۱، السنۃ للخلال ص ۸۱ فقرہ: ۱۰، المسند من مسائل الامام احمد، ق: ۱، بحوالہ الامامۃ العظمیٰ عند اہل السنۃ والجماعۃ ص ۲۱۷)

مختصر یہ کہ امام اور جماعت المسلمین والی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض

الناس کا کاغذی جماعتیں اور کاغذی امیر بنانا بالکل غلط ہے اور سلف صالحین کے فہم کے سراسر خلاف ہے۔

بعض لوگ ''اہلِ حدیث'' نام سے بہت چڑتے ہیں اور عوام الناس میں یہ مشہور کرنے کی سعی نامراد کرتے ہیں کہ ''یہ نام فرقہ وارانہ ہے چونکہ ہم مسلمان ہیں لہٰذا ہمیں مسلمان ہی کہلانا چاہئے'' لہٰذا ہم نے اپنے اسلاف، محدثین اور ائمۂ کرام سے متعدد دلائل پیش کئے ہیں کہ اہلِ حدیث کہلانا نہ صرف جائز ہے بلکہ پسندیدہ بھی ہے اور یہی طائفۂ منصورہ ہے۔

(دیکھئے علمی مقالات ج ۱ص ۱۶۱۔۱۷۴) [الحدیث:۲۹]

عیسائیوں کے تین سوالات اور ان کے جوابات

سوال ایک عیسائی نے کچھ سوال دیئے ہیں اور کہا ہے کہ اگر آپ میرے سوالوں کے جواب دے دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

(پہلا سوال:) عیسیٰ علیہ السلام ماں کی گود میں بولے۔ (آپ کے) نبی (ﷺ) نہیں بولے۔ ثابت ہوا عیسیٰ بڑے ہیں۔ (ایک سائل)

الجواب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی کنواری والدہ سیدہ مریم علیہا السلام پر یہودیوں کی طرف سے زنا کی تہمت لگی کیونکہ وہ چند دن کا چھوٹا سا ننھا بچہ گود میں لے کر آ گئی تھیں۔ اب ضروری تھا کہ اس تہمت کا مضبوط اور محیر العقول طریقے سے جواب دیا جائے لہٰذا سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اس حالتِ معصومیت میں کلام اور اپنی نبوت کا اعلان کر کے اپنی ماں کی بے گناہی ثابت کر دی۔

ہمارے نبی محمد ﷺ کی والدۂ محترمہ اور والد بزرگوار سب لوگوں کو معلوم تھے، آپ کی والدہ پر کوئی تہمت نہیں لگی تھی لہٰذا ایسی صفائی کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ معصوم بچہ گود میں گواہی دے کر آپ کی والدہ کی براءت ثابت کر دے۔ گواہی اور براءت کی وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں تہمت اور اعتراض ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ گود میں معصوم بچے کا بولنا افضلیت کی دلیل نہیں ورنہ یہ ثابت ہے کہ جریج راہب کی براءت کے لئے معصوم بچہ بولا تھا۔ کیا جریج راہب کے سامنے بولنے والے بچے کو اُن انبیاء مثلاً سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا یعقوب علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت دی جائے گی جن کا ماں کی گود میں بولنا ثابت نہیں ہے؟ معلوم ہوا کہ سائل کے سوال کی بنیاد ہی غلط ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے تمام سچے رسولوں پر ایمان لانا فرض ہے۔ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے رسول اور بندے ہیں، اسی طرح سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول اور بندے ہیں۔

رسول کی فضیلت کی اصل بنیاد رسالت ہوتی ہے۔ ہمارے رسول کی رسالت ان کی اپنی مادری زبان میں قرآنِ مجید کی صورت میں دنیا میں موجود ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت یعنی انجیل ان کی مادری زبان میں کہیں موجود نہیں ہے۔ پولس کے پیروکار عیسائیوں کا یونانی زبان میں متی، مرقس، لُوقا اور یوحنا کی بے سند انجیلیں پیش کرنا کئی وجہ سے غلط ہے:

① سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی مادری زبان یونانی نہیں بلکہ آرامی تھی۔

② متی کی طرف منسوب انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ ''یسوع نے وہاں سے آگے بڑھ کر متی نام ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اس سے کہا میرے پیچھے ہو لے۔ وہ اُٹھ کر اُسکے پیچھے ہولیا۔'' (متی باب ۹ فقرہ: ۹، پرانا اور نیا عہد نامہ، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ص ۱۱، ۱۲، نیز دیکھئے کلامِ مقدس کا عہد عتیق و جدید، سوسائٹی آف سینٹ پال روما ۱۹۵۸ء ص ۱۳)

معلوم ہوا کہ متی کی طرف منسوب انجیل کا مصنف متی نہیں ہے یا پھر متی سے اس کے راوی کا نام معلوم نہیں ہے۔

③ مرقس اور لُوقا دونوں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد و حواری نہیں ہیں۔ یوحنا اور پطرس دونوں اَن پڑھ تھے۔ دیکھئے اعمال ب ۴ فقرہ: ۱۳، عہد نامۂ جدید ص ۱۱۱

معلوم ہوا کہ یوحنا کی انجیل بھی یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس کا راوی مجہول ہے اور اس انجیل کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ "یہ وُہی شاگرد ہے جو اِن باتوں کی گواہی دیتا ہے اور جس نے اِنکو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اُس کی گواہی سچی ہے"

(یوحنا ب۲۱ فقرہ:۲۴، عہد نامۂ جدید ص ۱۰۷) !

④ مسلمانوں کے پاس اپنے نبی کی سیرت اور اقوال صحیح متصل سندوں کے ساتھ موجود ہیں لیکن پولسی عیسائیوں کے پاس سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت صحیح متصل سند سے موجود نہیں ہے۔

تنبیہ: پولس نے لکھا ہے: "مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا..." (گلتیوں کے نام پولس کا خط ب۳ فقرہ:۱۳، عہد نامۂ جدید ص ۱۸۰)

اس عبارت میں پولس نے دو باتیں لکھی ہیں:

اول: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر لعنتی کا فتویٰ (العیاذ باللہ)

یاد رہے کہ مسلمانوں کے نزدیک کوئی نبی لعنتی نہیں تھا بلکہ سب انبیاء اور رسول ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور افضل ترین انسان تھے۔

دوم: شریعت سے چھڑایا جانا

اس کے برعکس متی کی طرف منسوب انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلیگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔"

(ب۵ فقرہ:۱۷، ۱۸، عہد نامۂ جدید ص ۸)

اس ساری بحث سے معلوم ہوا کہ سائل نے جس چیز کو بڑائی کی بنیاد بنایا ہے وہ درست نہیں اور جو امور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی افضلیت پر دلالت کرتے ہیں انھیں نظر انداز کر دیا ہے۔

سوال (دوسرا سوال: آپ کے) نبی (ﷺ) کا معراج کے موقع پر سینہ چاک کیا گیا اور عیسیٰ کا نہیں کیا گیا تو نبی میں غلطیاں تھیں عیسیٰ میں نہیں۔ (ایک سائل)

الجواب اگر سفر بہت لمبا اور عظیم الشان ہو تو اس کے لئے خاص تیاریاں ہوتی ہیں۔ ہمارے نبی کریم محمد ﷺ کا سفرِ معراج ایسا عظیم الشان سفر ہے کہ آپ سات آسمانوں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو نچلے آسمان پر اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ اس عظیم سفر کے لئے یہ عظیم تیاری کروائی گئی۔

یاد رہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا سینہ دو فرشتوں نے آپ کے بچپن میں چاک کر کے پانی (آبِ زمزم) سے دھویا تھا اور اس پر ختمِ نبوت کی مہر لگا دی تھی۔

(دیکھئے مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۸۴ ح ۱۷۶۴۸، وسندہ حسن، نیز دیکھئے صحیح مسلم: ۱۶۳)

آپ آخری نبی (خاتم النبیین) اور رحمۃ للعالمین تھے اس لئے آپ کے بچپن میں فرشتوں (جبرائیل علیہ السلام وغیرہ) نے آپ کا سینہ دھویا تھا تا کہ آپ کے دل میں کسی نیک انسان کے لئے کوئی غصہ اور نفرت نہ ہو پھر لمبے سفر پر اس کی تجدید کرا دی گئی۔ یہ ظاہر ہے کہ جس کا سینہ اُس کے بچپن میں ہی فرشتوں نے دھو کر صاف و شفاف کر دیا تھا وہ انسان بلا شک و شبہ اُس انسان سے افضل ہے جس کا سینہ دھویا نہیں گیا۔ اس سے بھی آخری نبی کی افضلیت ہی ثابت ہو رہی ہے۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر نبی معصوم اور پاک ہوتا ہے، اس سے کسی قسم کی غلطی کا صدور نہیں ہوتا جس غلطی سے حد یا فسق لازم آئے۔ اجتہادی لغزش اگر ثابت ہو تو علیحدہ بات ہے جس کا ایک اجر ضرور ملتا ہے۔ اس کے برعکس پولسی عیسائیوں کا انبیاء اور رسولوں کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ درج ذیل عبارت میں اس کے کچھ نمونے پیشِ خدمت ہیں:

مثال اول:

پولسی عیسائیوں کی کتاب سلاطین میں لکھا ہوا ہے: ''کیونکہ جب سلیمان بُڈھا ہو گیا تو اُسکی بیویوں نے اُسکے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اُس کا دل خداوند اپنے خدا

کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اُسکے باپ داؤد کا دل تھا۔ کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے نفرتی مِلکوم کی پیروی کرنے لگا۔ اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اُس نے خداوند کی پُوری پیروی نہ کی جیسی اُسکے باپ داؤد نے کی تھی۔"

(سلاطین اب ۱۱فقرہ:۴تا۶،عہد نامۂ قدیم ص ۳۴۰)

عبارتِ مذکورہ میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کو غیر اللہ کی عبادت کرنے والا یعنی مشرک قرار دیا گیا ہے حالانکہ وہ سچے موحد رسول تھے اور شرک وکفر سے بے حد وحساب دُور تھے۔

مثال دوم: عیسائیوں اور یہودیوں کی کتاب خروج میں لکھا ہوا ہے کہ "اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اُترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہوکر اُس سے کہنے لگے کہ اُٹھ ہمارے لئے دیوتا بنادے جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو ملکِ مصر سے نکالکر لایا کیا ہوگیا۔ ہارون نے اُن سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں سونے کی بالیاں ہیں اُنکو اُتار کر میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ سب لوگ اُنکے کانوں سے سونے کی بالیاں اُتار اُتار کر اُنکو ہارون کے پاس لے آئے۔ اور اُس نے اُنکو اُنکے ہاتھوں سے لیکر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی۔ تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملکِ مصر سے نکالکر لایا۔ یہ دیکھ کر ہارون نے اُسکے آگے ایک قربانگاہ بنائی اور اُس نے اِعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی۔ اور دوسرے دن صبح سویرے اُٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گذرانیں۔ پھر اُن لوگوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور اُٹھکر کھیل کود میں لگ گئے۔"

(خروج باب ۳۲ فقرہ:۱تا۶،عہد نامۂ قدیم ص ۸۴)

عبارتِ مذکورہ میں سیدنا ہارون علیہ السلام کو بت بنانے والا اور بُت کی عبادت کرنے والا بنا کر پیش کیا گیا ہے حالانکہ سیدنا ہارون علیہ السلام اللہ کے سچے نبی اور موحد تھے۔ آپ شرک اور بت پرستی سے بے حد دُور تھے۔

مثال سوم: سموئیل نامی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ "اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر

سے اُٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اُس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اُس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ اِلعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتّی اوریاہ کی بیوی ہے۔ اور داؤد نے لوگ بھیجکر اُسے بلالیا۔ وہ اُسکے پاس آئی اور اُس نے اُس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی)۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہوگئی....''

(سموئیل ۲ ب ۱۱ الفقرہ: ۲ تا ۵، عہد نامہ قدیم ص ۳۰۲)

اس عبارت میں سیدنا داود علیہ السلام سچے رسول اور نبی کو اوریاہ نامی آدمی کی بیوی سے زنا کرنے والا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ سیدنا داود علیہ السلام اس تہمت سے بالکل بری اور پاک ہیں۔

تین خداؤں کا عقیدہ رکھنے والے اور پولس کو رسول ماننے والے عیسائیوں نے اپنی ان ''الہامی آسمانی'' عبارات میں سیدنا ہارون علیہ السلام، سیدنا داود علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جھوٹ بولتے ہوئے ایسی غلطیاں گھڑ رکھی ہیں جن کا صدور عام نیک آدمی سے بھی نہیں ہوتا جبکہ نبی و رسول کے بارے میں تو ایسی غلطیوں کا تصور بھی محال اور ناممکن ہے۔

سوال (تیسرا اور آخری سوال: آپ کے) نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نکاح کون سی شریعت پر ہوا اور کس نے پڑھایا؟ (ایک سائل)

الجواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے بعض اہلِ عرب دینِ ابراہیمی پر تھے اور بعض اس کے ساتھ ساتھ شرک و کفر میں پھنسے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح دینِ ابراہیمی پر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اور بعد دونوں زمانوں میں شرک، کفر اور گناہوں سے مکمل معصوم اور بے حد و حساب دُور تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کے چچا سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کی شادی کروائی تھی۔ دیکھئے امام محمد بن اسحاق بن یسار المدنی (متوفی ۱۵۱ھ) کی کتاب ''السیرۃ النبویۃ'' (ص ۱۳۰)

تنبیہ: نکاح میں ایجاب و قبول، حق مہر، ولی اور گواہوں کی موجودگی اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو غیر مسلم لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں تو اُن کے سابقہ نکاح دوبارہ نہیں

پڑھائے جاتے۔

پولس کو رسول ماننے والے عیسائیوں کے تین سوالات کے جوابات سے فارغ ہونے کے بعد اب ہمارے تین سوالات پیشِ خدمت ہیں اور عیسائیوں سے چاہے کیتھولک ہوں، آرتھوڈوکس ہوں یا پروٹسٹنٹ، سوالات کے مطابق جوابات کا مطالبہ ہے:

پہلا سوال: کرنتھیوں کے نام پولس کے پہلے خط میں لکھا ہوا ہے: ''کیونکہ خُدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت سے زیادہ حکمت والی ہے اور خُدا کی کمزوری آدمیوں کے زور سے زیادہ زور آور ہے۔'' (کرنتھیوں: اب الفقرہ: ۲۵، عہد نامۂ جدید ص ۱۵۴)

کیا عیسائیوں کے نزدیک خدا کی ذات میں بیوقوفی اور کمزوری پائی جاتی ہے؟

دوسرا سوال: پولسی عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر پھانسی دی گئی تھی، اسی سلسلے میں پولس لکھتا ہے: ''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔''

(گلتیوں کے نام پولس کا خط باب ۳ فقرہ: ۱۳، عہد نامۂ جدید ص ۱۸۰)

کیا سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بارے میں لعنتی کا لفظ استعمال کرنا صحیح ہے؟

تیسرا سوال: عیسائیوں کے نزدیک الہامی آسمانی کتاب ''پیدائش'' میں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ ''خداوند ممرے کے بلوطوں میں اُسے نظر آیا اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھا تھا۔ اور اُس نے اپنی آنکھیں اُٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ تین مرد اُسکے سامنے کھڑے ہیں۔ وہ اُن کو دیکھ کر خیمہ کے دروازہ سے اُن سے ملنے کو دوڑا اور زمین تک جُھکا۔ اور کہنے لگا کہ اَے میرے خداوند اگر مجھ پر آپ نے کرم کی نظر کی ہے تو اپنے خادِم کے پاس سے چلے نہ جائیں۔ بلکہ تھوڑا سا پانی لایا جائے اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اُس درخت کے نیچے آرام کریں۔ میں کچھ روٹی لاتا ہوں۔ آپ تازہ دم ہو جائیں۔ تب آگے بڑھیں کیونکہ آپ اِسی لئے اپنے خادم کے ہاں آئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا جیسا تُو نے کہا ہے وَیسا ہی کر۔ اور ابرہام ڈیرے میں سارہ کے پاس دَوڑا گیا اور کہا کہ

تین پیمانہ باریک آٹا جلد لے اور اُسے گوندھ کر پھلکے بنا۔ اور ابرہام گلہ کی طرف دوڑا اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لا کر ایک جوان کو دِیا اور اُس نے جلدی جلدی اُسے تیار کیا۔ پھر اُس نے مکھن اور دُودھ اور اُس بچھڑے کو جو اُس نے پکوایا تھا لیکر اُن کے سامنے رکھا اور آپ اُن کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور اُنہوں نے کھایا۔ پھر اُنہوں نے اُس سے پوچھا کہ تیری بیوی سارہ کہاں ہے؟ اُس نے کہا وہ ڈیرے میں ہے۔ تب اُس نے کہا میں پھر موسم بہار میں تیرے پاس آؤنگا اور دیکھ تیری بیوی سارہ کے بیٹا ہوگا۔ اُسکے پیچھے ڈیرے کا دروازہ تھا۔ سارہ وہاں سے سُن رہی تھی۔ اور ابرہام اور سارہ ضعیف اور بڑی عُمر کے تھے اور سارہ کی وہ حالت نہیں رہی تھی جو عورتوں کی ہوتی ہے۔ تب سارہ نے اپنے دِل میں ہنس کر کہا کیا اِس قدر عُمر رسیدہ ہونے پر بھی میرے لِئے شادمانی ہوسکتی ہے حالانکہ میرا خاوند بھی ضعیف ہے؟۔ پھر خُداوند نے ابرہام سے کہا کہ سارہ کیوں یہ کہکر ہنسی کہ کیا میرے جو اَیسی بُڑھیا ہوگئی ہُوں واقعی بیٹا ہوگا؟ کیا خُداوند کے نزدیک کوئی بات مُشکل ہے؟ موسمِ بہار میں مُعیّن وقت پر مَیں تیرے پاس پھر آؤنگا اور سارہ کے بیٹا ہوگا۔ تب سارہ اِنکار کرگئی کہ مَیں نہیں ہنسی کیونکہ وہ ڈرتی تھی۔ پر اُس نے کہا نہیں تُو ضرور ہنسی تھی۔

تب وہ مرد وہاں سے اُٹھے اور اُنہوں نے سدوم کا رُخ کِیا اور ابرہام اُنکو رُخصت کرنے کو اُنکے ساتھ ہو لِیا۔ اور خُداوند نے کہا کہ جو کُچھ مَیں کرنے کو ہُوں کیا اُسے ابرہام سے پوشیدہ رکھوں؟۔ ابرہام سے تو یقیناً ایک بڑی اور زبردست قوم پَیدا ہوگی اور زمین کی سب قومیں اُسکے وسیلہ سے برکت پائینگی۔ کیونکہ مَیں جانتا ہُوں کہ وہ اپنے بیٹوں اور گھرانے کو جو اُسکے پیچھے رہ جائینگے وصیت کریگا کہ وہ خداوند کی راہ میں قائم رہ کر عدل اور اِنصاف کریں تاکہ جو کچھ خُداوند نے ابرہام کے حق میں فرمایا ہے اُسے پورا کرے۔ پھر خُداوند نے فرمایا چونکہ سدوم اور عمورہ کا شور بڑھ گیا اور اُنکا جُرم نہایت سنگین ہوگیا ہے۔ اسلئے مَیں اب جا کر دیکھونگا کہ کیا اُنہوں نے سراسر وَیسا ہی کیا ہے جَیسا شور میرے کان تک پہنچا ہے اور اگر نہیں کِیا تو مَیں معلوم کرلُونگا۔ سو وہ مرد وہاں سے مُڑے اور سدوم کی

طرف چلے پر ابرہام خُداوند کے حضور کھڑا ہی رہا۔ تب ابرہام نے نزدیک جا کر کہا کیا تُو نیک کو بد کے ساتھ ہلاک کریگا؟۔ شاید اُس شہر میں پچاس راستباز ہوں۔ کیا تُو اُسے ہلاک کریگا اور اُن پچاس راستبازوں کی خاطر جو اُس میں ہوں اُس مقام کو نہ چھوڑیگا؟۔ ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کے ساتھ مار ڈالے اور نیک بد کے برابر ہو جائیں۔ یہ تجھ سے بعید ہے۔ کیا تمام دُنیا کا اِنصاف کرنے والا اِنصاف نہ کریگا؟۔ اور خداوند نے فرمایا کہ اگر مجھے سدوم میں شہر کے اندر پچاس راستباز مِلیں تو مَیں اُنکی خاطر اُس مقام کو چھوڑ دُونگا۔" (مسیحی: کتاب مقدس، بائبل یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ ص ۱۷ پیدائش باب ۱۸ فقرہ: ۱ تا ۲۶، شائع کردہ: بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور)

عرض ہے کہ کیا خدا کو معلوم نہیں تھا کہ سدوم اور عمورہ والے نہایت سنگین جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں؟ اور کیا خدا تعالیٰ تحقیق کرنے کے لئے خود جاتا ہے؟ یہ کیسا خدا ہے جو عیسائیوں کے نزدیک دودھ، مکھن، گوشت اور روٹیاں کھالیتا ہے؟

اگر ان سوالوں کے جوابات آپ لوگوں کے پاس نہیں ہیں تو آپ کس دلیل سے عہد نامۂ قدیم و عہد نامۂ جدید کے عیسائی مروجہ مطبوعہ نسخوں کو آسمانی و الہامی قرار دیتے ہیں؟

وما علینا إلا البلاغ (۱۰/ فروری ۲۰۰۸ء) [الحدیث: ۴۸]

بڑا شیطان ابلیس: جنوں میں سے ہے

سوال ابلیس جن تھا یا فرشتہ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

(ابوعبداللہ۔ گوجرانوالہ)

الجواب ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنوں

میں سے تھا، پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ (الکہف:۵۰)

اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ الدہلوی نے لکھا:

"ویادکن چون گفتیم برفرشتگاں سجدہ کنید آدم را پس سجدہ کردند مگر ابلیس بود از جن پس بیرون شد از فرمان پروردگار خود" (ص ۳۶۱)

شاہ عبدالقادر دہلوی نے لکھا: "اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو، سجدہ کرو آدم کو، تو سجدہ کر پڑے مگر ابلیس۔ تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے۔" (ص ۳۶۱)

اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے لکھا: "اور جبکہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم سے عدول کیا۔ (بیان القرآن ج۶ ص ۱۲۴)

احمد رضا خان بریلوی نے لکھا: "اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے کہ قوم جن سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا۔" (ص ۴۷۹)

پیر محمد کرم شاہ بھیروی بریلوی نے لکھا: "اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ قوم جن سے تھا۔ سو اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی" (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۴)

اس آیت کریمہ سے صاف ثابت ہوا کہ ابلیس (بڑا شیطان) جنات میں سے تھا۔

پیر محمد کرم شاہ بھیروی نے لکھا: "ان الفاظ سے یہ بتا دیا کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا۔"

(ضیاء القرآن ج ۳ ص ۳۴ حاشیہ: ۷۵)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خلقت الملائكة من نور وخلق إبليس من نار السموم وخلق آدم عليه السلام مما قد وصف لكم .))

فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور ابلیس کو جھلسانے والی آگ کے سیاہی مائل تیز شعلے سے

پیدا کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو اس (مٹی) سے پیدا کیا گیا ہے جس کی حالت تمھارے سامنے بیان کر دی گئی ہے۔

(کتاب التوحید لابن مندہ ج ۱ ص ۲۰۸ ح ۷۳، نیز دیکھئے صحیح مسلم: ۲۹۹۶ [۷۴۹۵])

مشہور تابعی حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ما كان إبليس من الملائكة طرفة عين قط وإنه لأصل الجن كما أن آدم عليه السلام أصل الإنس'' ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ جس طرح آدم علیہ السلام انسانوں کی اصل (ابتدا) ہیں اسی طرح ابلیس جنوں کی اصل (ابتدا) ہے۔ (تفسیر طبری ۱۷۹/۱، ۱۷۰/۱۵ وصححہ ابن کثیر فی تفسیرہ ۲۲۲/۴، الکہف: ۵۰، کتاب العظمۃ لابی الشیخ ۱۶۸۱/۵ ح ۱۱۲۹، وسندہ صحیح)

اس تحقیق کے مقابلے میں درج ذیل علماء کے نزدیک ابلیس ملائکہ (فرشتوں) میں سے تھا۔

۱: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''كان إبليس إسمه عزازيل وكان من أشرف الملائكة من ذوي الأربعة الأجنحة ثم أبلس بعد'' ابلیس کا نام عزازیل تھا وہ چار پروں والے بلند رتبہ ملائکہ (فرشتوں) میں سے تھا پھر اس کے بعد وہ ابلیس (شیطان) بن گیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ۸۴/۱ ح ۳۶۱ وسندہ صحیح)

۲: قتادہ (تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: ابلیس ملائکہ (فرشتوں) کے اس قبیلے میں سے تھا جسے جن کہتے ہیں۔ (تفسیر عبدالرزاق: ۱۶۸۷، وسندہ صحیح، تفسیر طبری ۱۷۸/۱، ۱۷۹، ۱۷۰/۱۵، وسندہ صحیح)

۳: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ

''جعل إبليس على ملك سماء الدنيا وكان من قبيلة من الملائكة يقال لهم الجن وإنما سموا الجن لأنهم خزان الجنة وكان إبليس مع ملكه خازناً'' ابلیس کو آسمانِ دنیا کی بادشاہی پر مقرر کیا گیا اور وہ فرشتوں کے ایک قبیلے میں سے تھا جنھیں جن کہتے ہیں اور انھیں اس لئے جن کہا گیا کہ وہ جنت کے خزانچی ہیں اور ابلیس اپنی بادشاہت کے ساتھ خزانچی بھی تھا۔

(تفسیر ابن جریر الطبری ۱/۱۷۸، وسندہ حسن، اسباط بن نصر حسن الحدیث)

اگر سلف صالحین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو کتاب وسنت اور راجح کو ترجیح ہوگی۔

اس مسئلے میں راجح یہی ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں بلکہ جنوں میں سے ہے۔

ترجیح کے چند دلائل درج ذیل ہیں:

① قرآنِ مجید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا۔

② حدیث میں ابلیس کی پیدائش آگ سے بیان کی گئی ہے۔

③ فرشتوں کی اولاد (نسل) نہیں ہوتی جب کہ ابلیس کی اولاد ہے۔ (دیکھئے سورۃ الکہف: ۵۰)

④ فرشتے ملائکہ ہونے کی صورت میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جب کہ ابلیس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

⑤ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا ان کے پاس کوئی صریح دلیل نہیں ہے بلکہ ان کا قول اہلِ کتاب (اسرائیلیات) سے ماخوذ ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ابلیس (شیطان) جنات میں سے ہے۔

اس تحقیق کے بعد بین الاقوامی شہرت یافتہ مکتبہ دارالسلام کی مطبوعہ کتاب ''اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی ونقلی جواب'' پڑھنے کا موقع ملا جس میں ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک نے منکرینِ اسلام کے سوالات اور اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ انتہائی بہترین اور مدلل کتاب ہے۔

اس کتاب سے ابلیس کے بارے میں سوال وجواب بشکریہ مکتبہ دارالسلام پیشِ خدمت ہے:

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک سے پوچھا گیا:

''قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا لیکن سورۂ کہف میں فرمایا گیا ہے کہ ابلیس ایک جن تھا۔ کیا یہ بات قرآن میں تضاد کو ظاہر نہیں کرتی؟''

تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا:

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آدم وابلیس کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ﴾
ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، سوان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

(البقرة:۳۴)

اس بات کا تذکرہ حسب ذیل آیات میں بھی کیا گیا ہے:

☆ سورۂ اعراف کی آیت: ۱۱

☆ سورۂ حجر کی آیات: ۲۷۔۳۱

☆ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت: ۶۱

☆ سورۂ طٰہٰ کی آیت: ۱۱۶

☆ سورۂ صٓ کی آیت: ۷۱۔۷۴

لیکن (۱۸) ویں سورۃ الکہف کی آیت: ۵۰ کہتی ہے:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنوں میں سے تھا۔ پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔''

تغلیب کا کلیہ

سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیت کے پہلے حصے سے ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا۔ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی گرامر میں ایک کلیہ تغلیب کے نام سے معروف ہے جس کے مطابق اگر اکثریت سے خطاب کیا جارہا ہو تو اقلیت بھی خود بخود اس میں شامل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر میں 100 طالب علموں پر مشتمل ایک ایسی کلاس سے خطاب کررہا ہوں جس میں لڑکوں کی تعداد 99 ہے اور لڑکی صرف ایک ہے، اور میں عربی زبان میں یہ کہتا ہوں کہ سب لڑکے کھڑے ہوجائیں تو اس کا اطلاق لڑکی پر بھی ہوگا۔ مجھے

الگ طور پر اس سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اسی طرح قرآن کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا تو ابلیس بھی وہاں موجود تھا، تاہم اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ اس کا ذکر الگ سے کیا جاتا، لہٰذا سورۂ بقرہ اور دیگر سورتوں کی عبارت کے مطابق ابلیس فرشتہ ہو یا نہ ہو لیکن 18 ویں سورۃ الکہف کی پچاسویں آیت کے مطابق ابلیس ایک جن تھا۔ قرآن کریم میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا۔ سو قرآن کریم میں اس حوالے سے کوئی تضاد نہیں۔

ارادہ واختیار جنوں کو ملا، فرشتوں کو نہیں

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جنوں کو ارادہ واختیار دیا گیا ہے اور وہ چاہیں تو اطاعت سے انکار بھی کر سکتے ہیں، لیکن فرشتوں کو ارادہ واختیار نہیں دیا گیا اور وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت بجالاتے ہیں، لہٰذا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی فرشتہ اللہ کی نافرمانی بھی کر سکتا ہے۔ اس حقیقت سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ ابلیس ایک جن تھا، فرشتہ نہیں تھا۔'' (اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی ونقلی جواب ص ۲۲۱-۲۲۳)

[الحدیث:۳۴]

تمام گروہوں سے علیحدگی اور اہلِ حق سے وابستگی

سوال جماعت اہلِ حدیث کے اندر مختلف گروہ ہیں۔ آپ کے خیال میں ان میں سے کون سا گروہ بہتر ہے؟ تاکہ اس میں شامل ہوا جائے یا نہ ہوا جائے۔ (ایک سائل)

الجواب تمام گروہوں سے علیحدہ رہ کر مسلک اہل حدیث پر عمل پیرا ہو کر اس کی دعوت دنیا میں پھیلائیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۵ ص ۲ [۱۸/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

[الحدیث:۴۳]

لو لاك ما خلقت الأفلاك

سوال کیا یہ بات صحیح ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ وضاحت فرمائیں۔ (محمد ندیم سلفی، سرکلر روڈ راولپنڈی)

الجواب بعض الناس یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**لولاك لما خلقت الأفلاك**'' (اے نبی!) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمان (وزمین) پیدا نہ کرتا۔

اس جملے کا کوئی ثبوت حدیث کی کسی کتاب میں باسند موجود نہیں ہے۔ اس بے سند جملے کو شیخ حسن بن محمد الصغانی (متوفی ۶۵۰ھ) نے ''موضوع'' یعنی من گھڑت قرار دیا۔ دیکھئے موضوعات الصغانی (۷۸) وتذکرۃ الموضوعات (ص ۸۶) لمحمد طاہر الفتنی الہندی (متوفی ۹۸۶ھ) الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للشوکانی (ص ۳۲۶) الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ لملا علی القاری الحنفی (۳۸۵) کشف الخفاء للعجلونی (۲۱۲۳) اور الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ لعبد الحئی اللکنوی (ص ۴۰)

تنبیہ: عجلونی اور ملا علی قاری نے حسن الصغانی سے اس جملے کا ''موضوع'' ہونا نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''**معناه صحيح**'' یعنی اس (موضوع روایت کا) معنی صحیح ہے۔!

عرض ہے کہ جب یہ روایت باطل، من گھڑت اور اللہ و رسول پر افتراء ہے تو کس دلیل سے اس کے معنی کو صحیح کہا گیا ہے؟

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ ''**أتاني جبريل فقال: يا محمد! لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار**'' میرے پاس جبریل آئے تو کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں (جہنم کی) آگ پیدا نہ کرتا۔ (الاسرار المرفوعۃ ص ۲۸۸)

یہ روایت کنز العمال (۴۳۱/۱۱ ح ۳۲۰۲۵) اور کشف الخفاء (۴۵/۱ ح ۹۱) میں بحوالہ دیلمی عن ابن عباس (ابن عمر) منقول ہے۔ دیلمی (متوفی ۵۰۹ھ) کی کتاب فردوس الاخبار میں

یہ روایت بلا سند و بلا حوالہ مذکور ہے۔ (۳۳۸/۵ ح ۸۰۹۵)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی بے سند و بے حوالہ ہونے کی وجہ سے موضوع و مردود ہے۔

محدث احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال (متوفی ۳۱۱ھ) نے بغیر کسی سند و حوالے کے نقل کیا ہے کہ "یا محمد! لو لاك ما خلقت آدم"

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا۔ (السنۃ ص ۲۳۷ ح ۲۷۳)

یہ روایت بھی بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع و مردود ہے۔

ملا علی قاری نے ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ "لو لاك ما خلقت الدنيا"

اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا پیدا نہ کی جاتی یا میں دنیا پیدا نہ کرتا۔ (الاسرار المرفوعۃ ص ۲۸۸)

ابن عساکر والی روایت تاریخ دمشق (۲۹۶/۳، ۲۹۷) کتاب الموضوعات لابن الجوزی (۲۸۸/۱، ۲۸۹) اور اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للسیوطی (۲۷۲/۱) میں موجود ہے۔ ابن جوزی نے کہا: "هذا حديث موضوع لا شك فيه ، وفي إسناده مجهولان وضعفاء فمن الضعفاء أبو السُّكين و إبراهيم بن اليسع ، قال الدارقطني :أبو السكين ضعيف، وإبراهيم ويحيى البصري متروكان ، قال أحمد بن الحنبل :خرقت أحاديث يحيى البصري وقال الفلاس :كان كذابًا يحدث أحاديث موضوعة وقال الدارقطني :متروك"

(کتاب الموضوعات نسخہ محققہ ج ۲ ص ۱۹ ح ۵۴۹ نسخہ قدیمہ ۲۸۹/۱، ۲۹۰)

یعنی (ابن جوزی کے نزدیک) یہ حدیث بلا شک وشبہ موضوع ہے اور اس کے تین راوی ابو السکین، ابراہیم بن الیسع اور یحییٰ البصری مجروح ہیں۔ ملخصاً

سیوطی نے کہا: "موضوع" یہ روایت موضوع ہے۔ (اللآلی المصنوعۃ ۲۷۲/۱)

اس کا راوی خلیل بن مرہ بھی ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۱۷۵۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ "ولو لا محمد ما خلقتك"

(اے آدم!) اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

(المستدرک للحاکم ۲/۶۱۵ ح ۴۲۲۸ وقال: "ھٰذا حدیث صحیح الإسناد")

اس روایت کو اگر چہ حاکم نے صحیح الاسناد کہا ہے لیکن یہ روایت کئی وجہ سے موضوع ہے:

۱: حافظ ذہبی نے کہا: "بل موضوع وعبدالرحمٰن واہٍ" بلکہ یہ روایت موضوع ہے اور عبدالرحمٰن (بن زید بن اسلم) سخت کمزور راوی ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ ص ۶۷۲)

۲: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں خود حاکم لکھتے ہیں: "روی عن أبیہ أحادیث موضوعة لا یخفٰی علٰی من تأملھا من أھل الصنعة أن الحمل فیھا علیہ" اس نے اپنے ابا (زید بن اسلم) سے موضوع حدیثیں بیان کی ہیں۔ حدیث کا علم جاننے والوں پر یہ مخفی نہیں ہے کہ ان موضوع روایات کی وجہ یہ شخص بذاتِ خود ہے۔

(المدخل الی الصحیح ص ۱۵۴ رقم: ۹۷)

یعنی اس نے اپنے باپ پر جھوٹ بولتے ہوئے حدیثیں گھڑی ہیں۔

تنبیہ: مستدرک والی روایت بھی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ــــ بشرطِ صحت ــــ اپنے باپ ہی سے بیان کرتا ہے۔

۳: عبداللہ بن مسلم الفہری نامعلوم (مجہول) ہے یا وہ عبداللہ بن مسلم بن رشید (مشہور کذاب) ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (ج ۳ ص ۳۵۹، ۳۶۰ طبعہ جدیدہ ج ۴ ص ۱۶۱، ۱۶۲)

معلوم ہوا کہ اس موضوع روایت کو حاکم کا "صحیح الإسناد" کہنا ان کی غلطی ہے۔

مستدرک کی ایک دوسری روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "فلولا محمد ما خلقت آدم ولولا محمد ما خلقت الجنة ولا النار"

اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں آدم (علیہ السلام) کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم پیدا نہ کرتا۔ (۲/۶۱۵ ح ۴۲۲۷ وقال: ھٰذا حدیث صحیح الاسناد)

یہ روایت کئی وجہ سے موضوع اور مردود ہے:

۱: حافظ ذہبی نے کہا: "أظنہ موضوعًا علٰی سعید" میں سمجھتا ہوں کہ یہ روایت سعید (بن ابی عروبہ) کی طرف مکذوباً منسوب کی گئی ہے۔ (تلخیص المستدرک ۲/۶۷۱)

۲: عمرو بن اوس مجہول ہے۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۲۴۶/۳ ولسان المیزان ۳۵۴/۴)

۳: سعید بن ابی عروبہ مختلط ہیں۔

۴: سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ دونوں مدلس ہیں۔ اگر یہ روایت ان سے ثابت بھی ہوتی تو مردود تھی۔

۵: طبقات ابی الشیخ الاصبہانی (۲۸۷/۳ ح ۴۹۴) میں جندل بن والق کی سند سے یہ روایت " ثنا محمد بن عمر المحاربي عن سعيد بن أوس الأنصاري عن سعيد بن أبي عروبة ... " إلخ کی سند سے مروی ہے۔ اس میں محمد بن عمر مجہول ہے جس نے عمرو بن اوس کو سعید بن اوس سے بدل دیا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: لولاك ما خلقت الأفلاك اور اس مفہوم کی ساری روایات موضوع اور باطل ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

(الذاریٰت:۵۶)

وما علینا إلا البلاغ (۱۰/ جنوری ۲۰۰۷ء) [الحدیث:۳۶]

قیامت کے دن لوگوں کو کس نام سے پکارا جائے گا؟

سوال کیا قیامت کے دن لوگوں کو اُن کی ماؤں کے ناموں سے پکارا جائے گا؟ تحقیق سے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (حبیب محمد، بیاڑ)

الجواب المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَدْعُوا النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأُمَّهَاتِهِمْ سَتْرًا مِنْهُ عَلٰى عِبَادِهِ))

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن اُن کی ماؤں (کے نام) سے پکارے گا تاکہ اس کے بندوں کی پردہ پوشی رہے۔ (اللآلی المصنوعۃ للسیوطی ۴۴۹/۲ نقله عن الطبراني)

یہ روایت المعجم الکبیر (۱۲۲/۱۱ ح ۱۱۲۴۲) وتفسیر ابن کثیر (۴۳/۸ دوسرا نسخہ ۳۳۱/۴

بحوالہ الطبر انی) ومجمع الزوائد (۱۰/۳۵۹ بحوالہ طبرانی) میں " بأسمائهم " کے لفظ سے ہے یعنی لوگوں کو اُن کے ناموں سے پکارا جائے گا۔" بأسمائهم "ہو یا " بأمهاتهم " روایت ایک ہی ہے اور اس کا راوی ابوحذیفہ اسحاق بن بشر متروک ہے۔

(دیکھئے مجمع الزوائد ۱۰/۳۵۹ و میزان الاعتدال ۱/۱۸۴۔۱۸۶ و لسان المیزان ۱/۳۵۴۔۳۵۵)

امام دارقطنی نے کہا:" كذاب متروك. " (کتاب الضعفاء والمتروکین:۹۲)

حافظ ابن حبان نے کہا:"كان يضع الحديث على الثقات "(المجروحین ۱/۱۳۵)

محمد بن عمر الدرابجردی النیسابوری نے اسحاق بن بشر کو ثقہ کہا ہے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۸/۱۳۱)

محمد بن عمر خود مجہول ہے لہٰذا مجہول الحال شخص کی یہ توثیق محدثین کرام کی شدید جروح کے مقابلے میں سرے سے مردود ہے۔ حافظ ذہبی نے اس توثیق کو ناقابلِ التفات یعنی مردود قرار دیا ہے۔

دیکھئے میزان الاعتدال (۱/۱۸۵)

نتیجہ: یہ روایت اسحاق بن بشر کذاب کی وجہ سے موضوع ہے۔ سیوطی نے ایک دوسری روایت بحوالہ ابن عدی لکھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يُدْعَى النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأُمَّهَاتِهِمْ سَتراً مِّنَ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ))

لوگوں کو قیامت کے دن اُن کی ماؤں (کے نام) سے پکارا جائے گا، اللہ ان پر پردہ ڈالے گا۔

(اللآلی المصنوعۃ ۲/۴۴۹، الکامل لابن عدی ۱/۳۳۶ دوسرا نسخہ ۱/۵۵۸)

اس روایت کا راوی اسحاق بن ابراہیم الطبری منکر الحدیث ہے۔

(الکامل لابن عدی ۱/۵۵۸ و کتاب الضعفاء والمتروکین للدارقطنی:۹۸)

ابن حبان نے کہا:"منكر الحديث جداً ، يأتي على الثقات الأشياء الموضوعات لايحل كتابة حديثه إلا على جهة التعجب " (المجروحین ۱/۱۳۸)

حاکم نیشاپوری نے کہا: " روى عن مالك وابن عيينة والفضيل بن عياض

وعبدالله بن الوليد العدني أحاديث موضوعة" (المدخل الی الصحیح ص ۱۱۹)

معلوم ہوا کہ یہ سند اسحاق بن ابراہیم الطبری کی وجہ سے موضوع ہے۔ ان موضوع روایتوں کے مقابلے میں صحیح بخاری میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّ الْغَادِرَ يُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ)) قیامت کے دن غداری کرنے والے کے لئے جھنڈا نصب کیا جائے گا۔ کہا جائے گا کہ یہ فلاں (مرد) کے بیٹے فلاں کی غداری ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب باب مایدعی الناس بآبائھم ح ۶۱۷۷)

معلوم ہوا کہ قیامت کے دن لوگوں کو اُن کے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۶]

جہنم کا سانس: گرمی اور سردی؟

سوال موسم گرما میں مری وسوات میں سردی ہوتی ہے۔ دنیا میں ایسے ملک بھی ہیں جہاں چھ ماہ رات اور چھ ماہ دن ہوتا ہے۔ کچھ ملک ایسے بھی ہیں جہاں گرمی پڑتی ہی نہیں (اور کچھ ایسے ہیں جہاں سردی نہیں ہوتی) ان واقعات کی روشنی میں وضاحت کریں کہ چھ ماہ کے بعد جہنم سانس نکالتی ہے اس وجہ سے گرمی پڑتی ہے۔ (ثناء اللہ مکی)

الجواب جس حدیث میں آیا ہے کہ جہنم سانس باہر نکالتی ہے تو گرمی زیادہ ہو جاتی ہے بالکل صحیح حدیث ہے، اسے امام بخاری (۵۳۷) امام مسلم (۶۱۷) امام مالک (الموطا ۱۶/۱ ح ۲۷) امام شافعی (کتاب الام ص ۵۸ ح ۱۱۳) اور امام احمد بن حنبل (المسند ۲۳۸/۲ ح ۷۲۴۶) وغیرہم نے متعدد سندوں کے ساتھ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے شواہد صحیفہ ہمام بن منبہ (ح ۱۰۸) وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔ گرمی کی شدت کا جہنم میں سے ہونا دیگر صحابہ کرام مثلاً سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ (صحیح البخاری: ۵۳۸) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری: ۵۳۵ و صحیح مسلم: ۶۱۶) اور سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ (السنن الکبریٰ للنسائی ۴۶۵/۱ ح ۱۴۹۰) وغیرہم سے مروی ہے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مجاز پر محمول ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث حقیقت پر محمول ہے۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۵ھ) لکھتے ہیں: "ولکلا القولین وجه یطول الاعتلال له ۔ واللہ الموفق للصواب" یعنی یہ دونوں اقوال واضح مفہوم رکھتے ہیں جن پر بحث طوالت کا باعث ہے اور اللہ حق (ماننے) کی توفیق دینے والا ہے۔ (التمہید ۱۹/۱۱۷)

اگر اس حدیث کا حقیقی معنی مراد لیا جائے تو زمین پر شدید گرمی (جہنم کی) آگ کے تنفس کی وجہ سے ہوتی ہے جس کی کیفیت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ باقی رہے وہ علاقے جہاں اس دوران میں بھی سردی ہوتی ہے تو یہ استثنائی صورتیں اور موانع موجود ہیں۔ مثلاً سخت گرمی کے دوران میں جب بارش ہو جائے تو موسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے اسی طرح اونچے پہاڑ، گھنے درخت اور برف ان موانع میں سے ہیں جن کی وجہ سے گرمی کی شدت کم ہو جاتی ہے۔

استثنائی صورتوں کی وجہ سے اصول نہیں بدلتے۔ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا﴾

بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے پیدا کیا، ہم اسے آزمانا چاہتے ہیں۔ پس ہم نے اسے سننے والا (اور) دیکھنے والا بنایا ہے۔ (سورۃ الدھر:۲)

حالانکہ بہت سے لوگ بہرے یا اندھے بھی پیدا ہوتے ہیں اور ساری زندگی بہرے یا اندھے ہی رہتے ہیں۔

جس طرح اس آیت کریمہ میں تخصیص اور استثنائی صورت موجود ہے، اسی طرح آگ کے سانس والی حدیث میں استثناء اور تخصیص موجود ہے۔ واللہ اعلم [الحدیث:١٦]

قرآن مجید زمین پر رکھنا!

سوال کیا قرآن مجید زمین پر رکھنا جائز ہے؟ (حافظ فردوس حضروی)

الجواب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "أتى نفر من يهود ، فدعوا

رسول الله ﷺ إلى القفّ فأتاهم في بيت المدراس ، فقالوا: يا أبا القاسم! إن رجلا منا زنى بامرأة فاحكم بينهم فوضعوا لرسول الله ﷺ وسادةً فجلس عليها ، ثم قال: ((ائتوني بالتوراة)) فأتي بها، فنزع الوسادة من تحته ووضع التوراة عليها.... إلخ " یہود کا ایک گروہ آیا۔انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کی (ایک وادی) قف کی طرف بلایا۔ آپ ﷺ ان کے پاس ان کے مدرسہ (مدراس) میں تشریف لے گئے۔ انھوں نے کہا: اے ابوالقاسم! ہم میں سے ایک آدمی نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے آپ ان میں فیصلہ کریں۔انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک تکیہ رکھا، آپ ﷺ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا: میرے پاس تورات لے آؤ۔ پھر تورات لائی گئی تو آپ نے تکیہ نیچے سے نکالا اور تورات کو اس پر رکھا۔

(سنن ابی داود مع عون المعبود ج ۴ ص ۲۶۴ ح ۴۴۴۹)

اس حدیث کی سند حسن ہے۔اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔سوائے ہشام بن سعد کے، ان پر جرح بھی ہے لیکن میری تحقیق میں وہ جمہور محدثین کے نزدیک صدوق وموثق ہیں جیسا کہ میں نے سنن ابی داود کے حاشیہ "نیل المقصود" (ح ۴۹۷) اور التعلیق علیٰ تہذیب التہذیب میں ثابت کیا ہے لہٰذا ان کی حدیث حسن ہے۔

حافظ ذہبی اور امام عجلی دونوں نے فرمایا: "حسن الحدیث" (الکاشف ۱۹۶/۳، تاریخ العجلی: ۱۵۱۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور آسمانی کتابوں کو زمین پر نہیں رکھنا چاہئے بلکہ ہر ممکن احترام کرتے ہوئے انھیں کسی بلند اور پاک جگہ پر رکھنا چاہئے۔

[شہادت، مئی ۱۹۹۹ء]

قبلے کی طرف پاؤں کر کے سونا

سوال کیا قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سونا یا قبلے کی طرف پاؤں کر کے بیٹھنا منع ہے؟ (محمد صدیق، ایبٹ آباد)

الجواب اس کی ممانعت کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ مگر عرفِ عام میں یہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جان بوجھ کر، بغیر کسی عذر کے، قبلہ کی طرف پاؤں نہ کیے جائیں۔ جائز امور میں، عرف عام کا خیال رکھنا مستحسن امر ہے۔ ((لو لا حدثان قومك لهدمت الكعبة)) وغیرہ احادیث اس کی دلیل ہیں۔ غالباً اسی عرفِ عام کی وجہ سے بعض علماء نے اس فعل کو مکروہ قرار دیا ہے۔ مثلاً دیکھئے نفع المفتی والسائل لعبد الحئ الکھنوی (ص ۵۸) فتاویٰ سراجیہ (ص ۷۲) اور رد المحتار (ص ۳۳۸، ۳۳۹) وغیرہ۔

[شہادت، مئی ۲۰۰۱ء]

سوال کیا قبلہ کی طرف چہرہ کر کے سونا حدیث سے ثابت ہے یا جس طرف مرضی منہ کر لیا جائے؟ (محمد صدیق، ایبٹ آباد)

الجواب دائیں طرف کروٹ کر کے سونا تو صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری (کتاب الوضوء باب فضل من بات علی الوضوء ح ۲۴۷) اور صحیح مسلم (کتاب الذکر والدعاء باب الدعاء عند النوم ح ۲۷۱۰)

تاہم میرے علم کے مطابق کسی صحیح حدیث میں قبلہ رو ہو کر سونے کا ذکر نہیں۔ لہٰذا قبلہ رو ہو کر سونا یا نہ سونا دونوں طرح جائز ہے۔ (واللہ اعلم) [شہادت، مئی ۲۰۰۱ء]

جنتی بیویاں اپنے جنتی شوہروں کے ساتھ ہوں گی

سوال ایک شخص کہتا ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے بعد اگر کوئی میاں بیوی دونوں جنت چلے جائیں تو وہ دونوں ساتھ نہیں رہیں گے علیحدہ علیحدہ رہیں گے۔ اور دنیا والی عورت قطعاً اس دنیا والے شوہر کو نہیں ملے گی حتیٰ کہ نبی علیہ السلام کی بیویاں بھی ساتھ نہیں رہیں گی جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دنیا کی بیوی جنت میں خاوند کو ملے گی یا نبی علیہ السلام کی بیویاں انکو ملیں گی تو وہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیتوں کا منکر ہے یعنی وہ منکر قرآن ہیں:

بقرہ آیت ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۸۶، (آل) عمران ۲۵، ۳۰، ۱۹۵، نساء ۳۲، ۱۲۴، ابراہیم ۵۱،

نحل ۹۷، المومن ۴۰، الصّٰفّٰت ۴۹، رحمٰن ۵٦، واقعہ ۳۶، وغیرہ وغیرہ

اس کے علاوہ بھی قرآن کی آیات ہیں لیکن میں نے مختصر لکھ دی۔ اور کہتا ہے کہ وہاں ایسی بیویاں ہوں گی جن کو ہاتھ تک نہیں لگا ہوگا۔ کہتا ہے کہ مندرجہ بالا آیتوں میں تخصیص ہے کہ ساتھ نہیں رہے گی بیوی کا عمل زیادہ ہو جائے تو پھر بیوی کو کیا ملے گا۔ لہٰذا آیتوں کی مخالفت لازم آتی ہے۔؟ (طارق شاہ جدون، کراچی)

الجواب قرآن مجید کی جن آیات کا اس شخص نے ذکر کیا ہے ان میں سے کسی ایک آیت میں بھی مجھے یہ مسئلہ نہیں ملا کہ اگر میاں بیوی دونوں جنت میں چلے جائیں تو بیوی اپنے شوہر کو نہیں ملے گی۔ آپ اس شخص سے مطالبہ کریں کہ وہ ایک آیت مع متن اور ترجمہ لکھے جس سے اس کا یہ مزعومہ مسئلہ صاف ثابت ہوتا ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ﴾

تم اور تمھاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (الزخرف: ۷۰، الکتاب ص ۲۹۸)

﴿وَاَزْوَاجُكُمْ﴾ زوجاتكم (تفسیر الجلالین ص ۶۵۴)

اگر مخاطبین مرد ہوں تو ازواج سے مراد زوجات (بیویاں) ہیں اور اگر خطاب عورتوں سے ہو تو ہر عورت کا زوج (شوہر) مراد ہے۔

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہے کہ اہلِ ایمان جنتیوں کا ''میاں بیوی'' والا رشتہ جنت میں بھی قائم رہے گا۔ جن آیات میں آیا ہے کہ انھیں نہ کسی جن نے چھوا ہوگا اور نہ کسی انسان نے تو اس سے دو باتیں مراد ہیں:

اول: یہ جنتی حوریں ہیں۔ دیکھئے سورۃ الرحمٰن آیت: ۷۲ تا ۷۴، اور یہی راجح ہے۔

دوم: یہ دنیا کی عورتیں ہیں جنھیں دوبارہ زندہ کرنے کے بعد جنتیوں کے لئے اعلیٰ طریقے پر تیار کیا جائے گا۔ مشہور تابعی امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''هنّ من نساء أهل الدنيا خلقهن الله في الخلق الآخر... '' وہ دنیا کی عورتیں ہیں جنھیں اللہ دوسری (بہترین) خلقت پر پیدا فرمائے گا.... (البعث والنشور للبیہقی: ۳۷۸ وسندہ صحیح)

امام ابویعلیٰ الموصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدثنا إسماعيل بن عبدالله القرشي :ثنا أبو المليح عن ميمون بن مهران قال: خطب معاوية أم الدرداء رضي الله عنها فأبت أن تتزوجه ، قالت: سمعت أبا الدرداء رضي الله عنه يقول قال رسول الله ﷺ :((المرأة لآخر أزواجها .)) ولست أريد بأبي الدرداء بدلاً .''

ہمیں اسماعیل بن عبداللہ (بن خالد الرقی) القرشی نے حدیث بیان کی: ہمیں ابوالملیح (الحسن بن عمر الرقی) نے حدیث بیان کی، وہ میمون بن مہران سے بیان کرتے ہیں کہ معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) نے ام الدرداء رحمہا اللہ کو شادی کا پیغام بھیجا تو انھوں نے ان کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا، ام الدرداء نے فرمایا: میں نے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت اپنے آخری شوہر کے ساتھ ہوگی۔ اور میں ابوالدرداء کے بدلے میں کسی اور کو نہیں چاہتی۔ (المطالب العالیہ: ۱۷۳۱، وسندہ حسن، اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری وقال: ''هذا الإسناد رجاله ثقات'' نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی ۲۷۵/۳ ح ۱۲۸۱)

تنبیہ: ابویعلیٰ کی سند کے ساتھ یہ روایت تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۱۶/۷۴) میں بھی موجود ہے۔ اس میں ام المجتبیٰ فاطمہ بنت ناصر العلویہ کا مقام (میری تحقیق میں) صدق ہے اور باقی سند صحیح ہے۔ اس کی اور بھی کئی سندیں ہیں۔

امام ابویعلیٰ کی بیان کردہ اس حدیث کی سند حسن ہے اور راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

① اسماعیل بن عبداللہ بن خالد بن یزید العبدری الرقی السکری القرشی: امام دارقطنی نے کہا: ثقہ (تاریخ بغداد ۲۶۲/۶ وسندہ صحیح، تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۹۵/۸)

ابوحاتم الرازی نے کہا: صدوق [وہ سچا ہے] (الجرح والتعدیل ۱۸۱/۲)

ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۱۰۱/۸)

حافظ ذہبی نے کہا: ''الشيخ الفقيه العالم ... وكان صاحبَ حديثٍ واتقان''

شیخ فقیہ عالم... اور آپ حدیث والے اور متقن (ثقہ) تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲۸/۱۲)

اور کہا: ''قاضي دمشق فصدوق يتجهم'' قاضی دمشق، سچے تھے، جہمی تھے۔

(میزان الاعتدال ۲۳۶/۱)

الضیاء المقدسی نے المختارہ میں ان سے حدیث لی ہے۔ (ج ۳ ص ۳۸۵ ح ۱۱۷۹)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: "صدوق رُمي لرایٔ جهم"

سچے ہیں، آپ پر جہمیت کا الزام ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۵۶)

اس کا رد کرتے ہوئے تحریر تقریب التہذیب (۱۳۵/۱) میں لکھا ہوا ہے:

"بل ثقة .إلخ" بلکہ وہ ثقہ ہیں۔

جہمیت کے الزام کا ذکر ابوالحسن علی بن الحسن بن علان الحرانی الحافظ نے کیا ہے۔ اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ ابن ابی دواد المعتزلی نے انھیں شام کا قاضی بنایا تھا جیسا کہ محمد بن فیض الغسانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ جہمیت کا الزام کئی وجہ سے مردود ہے:

اول: یہ عقیدہ صراحت کے ساتھ اسماعیل بن عبداللہ سے ثابت نہیں ہے۔

دوم: جمہور کی توثیق کے بعد اس جرح کا کوئی وزن نہیں ہے۔

سوم: ابن ابی دواد کا کسی کو قاضی بنانا اس بات کی حتمی دلیل نہیں کہ وہ شخص ضرور ہی جہمی تھا۔

خلاصہ یہ کہ اسماعیل بن عبداللہ بن خالد الرقی حسن الحدیث ہیں۔

تنبیہ: اسماعیل بن عبداللہ بن زرارہ نے ان کی متابعت کر رکھی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۲ ابوالملیح حسن بن عمر الرقی: ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۱۲۶۶)

۳ میمون بن مہران الجزری: ثقہ فقیہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۷۰۴۹)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت حسن لذاتہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومنوں کی بیویاں جنت میں بھی ان کی ہی بیویاں ہوں گی۔

فائدہ عظیمہ: حافظ ابوالشیخ الاصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حدثنا أحمد بن إسحاق الجوهري قال: ثنا إسماعيل بن زرارة قال: ثنا أبو المليح الرقي عن ميمون بن مهران عن أم الدرداء عن أبي الدرداء أن النبي ﷺ قال: ((إن المرأة لآخر أزواجها.))"

ہمیں احمد بن اسحاق الجوہری نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں اسماعیل بن (عبداللہ بن) زرارہ نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں ابوالملیح الرقی نے حدیث بیان کی، وہ میمون بن مہران سے وہ ام الدرداء (الصغریٰ ہجیمہ رحمہا اللہ) سے وہ (سیدنا) ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ عورت اپنے آخری شوہر کے ساتھ ہوگی۔

(طبقات المحدثین باصبہان ج ۴ ص ۳۶ ح ۸۰۶)

اس حدیث کی سند حسن ہے اور اس کے راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

① احمد بن اسحاق الجوہری: شیخ ثقہ ہیں... اچھی حدیثیں بیان کرنے والے ہیں......

(طبقات المحدثین ۴/ ۳۶)

② اسماعیل بن عبداللہ بن زرارہ الرقی: صدوق ہیں، ازدی (ضعیف) نے بغیر کسی دلیل کے اُن پر کلام کیا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۵۷)

ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ (۸/ ۱۰۰)

خطیب بغدادی نے ان کے تذکرے میں دارقطنی کی توثیق نقل کی ہے۔ (۶/ ۲۶۲ ت ۳۲۹۲)

خلاصہ یہ کہ اسماعیل مذکور حسن الحدیث ہیں۔

③ ابوالملیح الرقی اور میمون بن مہران کا تذکرہ گزر چکا ہے اور ام الدرداء الصغریٰ ہجیمہ رحمہا اللہ ثقہ فقیہہ ہیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۸۷۲۸)

خلاصۃ التحقیق: یہ سند حسن لذاتہ ہے اور سابقہ حسن سند کے ساتھ مل کر صحیح لغیرہ ہے۔

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

((فأنتِ زوجتي في الدنيا والآخرة.)) پس تو دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہے۔

(صحیح ابن حبان، الاحسان: ۷۰۵۳ [۷۰۹۵] وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم ۴/ ۱۰ ح ۶۷۲۹ ووافقہ الذہبی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عائشہ (رضی اللہ عنہا کی تصویر) کو ریشم کے لباس میں لا کر فرمایا: ''هذه زوجتك في الدنيا والآخرة.'' یہ دنیا اور آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۷۰۵۲ [۷۰۹۴] وسندہ حسن)

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"إني لأعلم أنها زوجته في الدنيا والآخرة." بے شک میں جانتا ہوں کہ وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا) آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں۔ (صحیح بخاری: ۳۷۷۲)

ان صحیح دلائل کے باوجود اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جنت میں آپ کے ساتھ نہیں رہیں گی یا دنیا والی عورت قطعاً اس کے دنیا والے جنتی شوہر کو نہیں ملے گی" تو یہ شخص سخت ملحد، گمراہ، ضال مضل اور بے دین ہے۔

درج بالا تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ مردوں کو تو جنت میں اُن کی بیویاں، جنتی عورتیں اور حوریں ملیں گی۔ جبکہ جنتی عورتوں کو ان کے جنتی شوہر ملیں گے۔ جن عورتوں کے شوہر جنتی نہ ہوں گے تو انھیں جس طرح اللہ چاہے گا دوسرے جنتی انسان بطورِ شوہر ملیں گے۔

ایک اہم بات: قارئینِ کرام! دیکھیں کس طرح منکرینِ حدیث اپنے سارے لاؤ لشکر کے ساتھ قرآن کے در پردہ صحیح احادیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حملے کر رہے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ آدم اور حوا علیہما السلام کی تخلیق ایک افسانہ ہے تو کبھی کہتے ہیں کہ انسان ایک جرثومے سے ترقی کرتے ہوئے یعنی ڈارون یہودی کی خیالی تھیوری نظریۂ ارتقاء کے مطابق اس مقام تک پہنچا ہے، کبھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جنت میں آپ کے ساتھ نہیں ہوں گی۔ وغیرہ، عرض ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جنت میں آپ کی بیویاں نہیں ہوں گی تو کیا یہ اُمتیوں کی بیویاں بنیں گی؟ ازواجِ مطہرات تو اُمتیوں کی مائیں ہیں۔ ماں کس طرح بیوی بن سکتی ہے؟ جو شخص یہ کہتا ہے کہ نبی کی بیوی اور اُمتیوں کی ماں کسی اُمتی کی بیوی بنے گی تو یہ شخص کائنات کا بدترین کافر اور گستاخ ہے۔

مسلمانو! آنکھیں کھولو اور غور سے دیکھو کہ کفار، مرتدین اور منافقین کس طرح دن رات اپنے سارے وسائل کے ساتھ دینِ اسلام کی بنیادوں پر حملے کر رہے ہیں۔ کہاں ہے اللہ اور رسول سے محبت اور دینی غیرت وحمیت؟

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور صحیح حدیثوں پر حملہ کرنے والوں کا منہ بند کرنا اور اُن کا قلع قمع کرنا اس

دور میں اہم ترین فریضہ ہے۔قربان جائیں! امیر المومنین ہارون الرشید العباسی رحمہ اللہ کے، جب ایک شخص نے بیوقوفی سے ایک حدیث پر اعتراض کر دیا تو عباسی خلیفہ نے فرمایا: بعض ملحدین نے اُسے یہ کلام بتایا ہے۔

(تاریخ بغداد ۵/۲۴۴ وسندہ صحیح، کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۱۸۱، ۱۸۲، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ ہارون الرشید اُس شخص کو ملحد (کافر) سمجھتے تھے جو حدیث پر اعتراض کرے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''فكل من لم يناظر أهل الالحاد والبدع مناظرة تقطع دابرهم ، لم يكن أعطى الإسلام حقه ولا وفّى بموجب العلم والإيمان ولاحصل بكلامه شفاء الصدور وطمأنينة النفوس ولا أفاد كلامه العلم واليقين .''

ہر وہ شخص (عالم جس کے پاس متعلقہ علم ہے) جو ملحدین ومبتدعین سے مناظرہ کر کے ان کی جڑیں نہیں کاٹتا تو اس نے اسلام کا حق ادا نہیں کیا اور نہ علم وایمان کے واجبات کو پورا کیا ہے، اس کے کلام سے سینوں کو شفاء اور دلوں کو اطمینان حاصل نہیں ہوا اور نہ اس کا کلام علم ویقین کا فائدہ دیتا ہے۔ (درء تعارض العقل والنقل ج ۱ ص ۳۵۷)

وما علینا إلا البلاغ (۲/ جنوری ۲۰۰۸ء) [الحدیث: ۴۶]

امام بخاری کی قبر کے وسیلے سے دعا

سوال درج ذیل عبارت کی وضاحت درکار ہے:

قسطلانی نے ''ارشاد الساری'' میں نقل کیا ابو علی حافظ سے، انھوں نے کہا مجھ کو خبر دی ابو الفتح نصر ابن الحسن سمرقندی نے جب وہ آئے ہمارے پاس ۴۶۴ھ میں کہ سمرقند میں ایک مرتبہ بارش کا قحط ہوا لوگوں نے پانی کے لئے کئی بار دعا کی پر پانی نہ پڑا۔ آخر ایک نیک شخص آئے قاضی سمرقند کے پاس اور ان سے کہا: میں تم کو ایک اچھی صلاح دینا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا: بیان کرو۔ وہ شخص بولے: تم سب لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر امام بخاری کی

قبر پر جاؤ اور وہاں جا کر اللہ سے دعا کرو، شاید اللہ جل جلالہ ہم کو پانی عطا فرمائے۔ یہ سن کر قاضی نے کہا: تمھاری رائے بہت خوب ہے اور قاضی سب لوگوں کو ساتھ لے کر امام بخاری کی قبر پر گیا۔ اور لوگ وہاں روئے اور صاحبِ قبر کے وسیلہ سے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت شدت کا پانی برسانا شروع کیا یہاں تک کہ شدت بارش سے سات روز تک لوگ خرتنگ سے نکل نہ سکے۔

حوالہ: تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری شریف (علامہ وحید الزمان) جلد اول (دیباچہ) صفحہ ۶۴۔ نعمانی کتب خانہ، لاہور، ضیاء احسان پبلشرز (۱۹۹۰)

اس واقعہ کی تحقیق وتخریج اپنے ماہنامہ ''الحدیث'' میں شائع کردیں یا بذریعہ ڈاک مجھے ارسال فرمادیں۔ جزاک اللہ خیراً (خالد اقبال سوہدروی)

الجواب روایتِ مذکورہ احمد بن محمد القسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) کی کتاب ارشاد الساری (ج ۱ ص ۳۹) میں موجود ہے لیکن قسطلانی سے لے کر ابو علی الحافظ تک سند نامعلوم ہے۔

ابو علی الحافظ کون ہے؟ اس کا بھی کوئی اتا پتا نہیں ہے۔ یاد رہے کہ یہاں ابو علی الحافظ النیسابوری مراد نہیں ہیں جو کہ حاکم وغیرہ کے استاد تھے۔ وہ تو ابو الفتح نصر بن الحسن السمرقندی کے دور سے بہت پہلے فوت ہوگئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ امام بخاری کی قبر کے پاس بارش کی دعا والا یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔

(۲۳/ اپریل ۲۰۰۷ء) [الحدیث: ۳۸]

خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت

سوال اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت کی ہے، قطع نظر اس کے وہ کہے کہ خواب میں فلاں بشارت یا فلاں وعید سنائی ہے جس کے جھوٹ ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس کے علاوہ بھی کوئی شخص ویسے ہی

حضور ﷺ کوخواب میں دیکھنے کا دعویٰ کرے تو کیا اس کی تصدیق کی جائے گی۔اس کے باوجود کہ وہ شخص احادیث کے مطابق نبی ﷺ کا حلیہ جانتا ہو اور ویسا ہی بیان کرے، اس سلسلے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے کہ ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے سچ دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔'' (صحیح بخاری:۶۹۹۶،صحیح مسلم:۱/۲۲۶۷)

حالانکہ ایک اور حدیث میں اس طرح ہے:''جس نے مجھے خواب میں دیکھا، وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا۔'' (صحیح بخاری:۶۹۹۳،صحیح مسلم:۶/۲۲۶۶)

حدیث میں ایک صحابی کا واقعہ بھی ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کوخواب میں دیکھا کہ وہ نبی ﷺ کی پیشانی پر سجدہ کر رہے ہیں پھر اس خواب کا تذکرہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا خواب سچ کرو اور حضور ﷺ لیٹ گئے اور صحابی نے آپ ﷺ کی پیشانی پر سجدہ کیا وراب چونکہ کوئی شخص خواب میں دیدارِ رسول ﷺ کرنے والا بیداری میں دیدار نہیں کرسکتا تو یہ حکم کہ ''شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا'' کیا صرف حیاتِ رسول ﷺ تک تھا؟ اور کیا شیطان اب حضور ﷺ جیسی نہیں تو آپ ﷺ سے ملتی جلتی صورت اختیار کر کے نہیں آسکتا؟ کیونکہ جس طرح حضور ﷺ کا مکمل حلیہ احادیث میں موجود ہے اور اگر اسی طرح کسی شخص کا حلیہ تین مصوروں کو بالکل ایک جیسا بتایا جائے لیکن ان تینوں مصوروں کی تصویریں ایک دوسرے سے کچھ مختلف ہوں تو کیا شیطان بھی اس شخص، جسے حدیث کے مطابق حضور ﷺ کا مکمل حلیہ معلوم ہو، کو حضور ﷺ سے ملتی جلتی صورت بنا کر دھوکہ نہیں دے سکتا؟ اگر ایسا نہیں تو جس شخص نے ایمان کی حالت میں حضور ﷺ کا دیدار کیا، کیا وہ صحابیٔ رسول نہیں کہلائے گا؟ (طارق علی بروھی، کراچی)

الجواب یہ صحیح ہے کہ انسان نبی کریم ﷺ کا نیند میں دیدار کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ آپ ﷺ کو آپ کی اپنی اصلی صورت میں دیکھے۔چونکہ ہمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں کہ رؤیت کا دعویدار مصیب ہے یا مخطی لہٰذا ہم اس کے دعویٰ رؤیت کے بارے میں سکوت کرتے ہیں بشرطیکہ اس کا بیان کردہ خواب کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو اور وہ شخص صحیح

العقیدہ ہو۔

رہا یہ مسئلہ کہ جو شخص آپ ﷺ کو خواب میں دیکھے وہ عنقریب بیداری میں دیکھے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جنت میں آپ ﷺ کا دیدار کرے گا۔ واللہ اعلم

عربی علماء کے فتاویٰ میں ہے کہ ''لأنه يحتمل أن المراد بأنه :فسيراني يوم القيامة و يحتمل أن المراد :فسيرى تأويله ''اس کا احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو: وہ مجھے قیامت کے دن دیکھے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو: وہ اس کی تاویل دیکھ لے گا۔ (فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء ج ۲ ص ۶۷، بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ)

یاد رہے کہ دنیا میں اب نبی کریم ﷺ کی زیارت بیداری میں ناممکن (اور کسی دلیل سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے محال) ہے۔

دیکھئے فتاویٰ دار الافتاء سعودی عرب (ج ۲ ص ۱۷۷، ۱۷۸)

آپ نے پیشانی پر سجدے والی جو حدیث ذکر کی ہے اسے امام احمد (۲۱۴/۵ ح ۲۱۸۶۴) وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ صحیح ابن حبان (الاحسان: ۱۰۵۷، دوسرا نسخہ: ۱۴۹۷) میں اس کا ایک شاہد بھی ہے اور دوسری سندیں بھی اس کی مؤید ہیں لہٰذا یہ روایت مضطرب نہیں بلکہ صحیح ہے۔ دیکھئے اضواء المصابیح (۴۶۲۴)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے ہدایۃ الرواۃ (۳۰۶/۴ ح ۴۵۴۸) والحمد للہ

[شہادت، فروری ۲۰۰۰ء]

خواب میں نبی کریم ﷺ کا دیدار ممکن ہے

سوال آپ نے لکھا ہے کہ ''یاد رہے کہ اس فانی دنیا میں نبی کریم ﷺ کا دیدار ہونا کسی صحیح حدیث یا آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ اگر اس طرح دیدار ہوتا تو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کو ضرور ہوتا، مگر کسی سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں آیا۔ رہے اہلِ تصوف اور اہلِ خرافات کے دعوے تو علمی میدان میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔''

(ماہنامہ الحدیث:۶۲ص۱۱)

اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ کیا خواب میں نبی ﷺ کا دیدار ممکن نہیں ہے؟

(اعظم السبارکی)

الجواب اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں عالمِ بیداری میں نبی ﷺ کا دیدار کسی صحیح حدیث یا آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے لہٰذا شعرانی وغیرہ قسم کے مبتدعین جو دعوے کرتے رہے ہیں، وہ سارے دعوے غلط اور باطل ہیں، علمی و تحقیقی میدان میں اُن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا: بیداری میں نبی ﷺ کی رُویت محال (ناممکن) ہے۔ (التحذیر من البدع لابن باز ص ۱۸، الرؤی والاحلام فی سیرة خیر الانام لاسامة بن کمال ص ۹۸)

رہا عالمِ خواب اور نیند میں نبی ﷺ کا دیدار ہونا تو یہ بالکل صحیح اور برحق ہے، بشرطیکہ دیدار کا دعویٰ کرنے والا ثقہ اور اہلِ حق میں سے ہو، اُس نے نبی ﷺ کو آپ کی صورتِ مبارکہ پر ہی دیکھا ہو اور یہ خواب دلائلِ شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ راقم الحروف نے کافی عرصہ پہلے لکھا تھا: ''رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی اپنی صورت پر دیکھا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو خواب میں جو دیکھا تو یہ بالکل صحیح ہے وہ آپ ﷺ کی صورت مبارک پہچانتے تھے۔ ان کے بعد جو بھی دیکھنے کا دعویٰ کرے گا تو اگر اس کا عقیدہ صحیح ہے تو پھر اس کے خواب کو قرآن و حدیث وفہم سلف صالحین پر پیش کیا جائے گا، ورنہ ایسے خوابوں سے دوسرے لوگوں پر حجت قائم کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شکل مبارک میں شیطان لعین ہرگز نہیں آ سکتا مگر کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ شیطان جھوٹ نہیں بول سکتا اور کسی دوسری شکل میں آ کر کذب بیانی سے اسے کسی مومن اور صالح شخص کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔

بیداری میں دیکھنے کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں: ① جس نے عہدِ نبوی میں آپ ﷺ

کوخواب میں دیکھا تو وہ پھر بیداری میں بھی ضرور دیکھے گا لہٰذا یہ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص ہے۔ ② اگر اس حدیث کو عام سمجھا جائے تو پھر دیکھنے والا قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھے گا۔'' (دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۴۰ص ۱۲۔۱۳)

فی الحال تین خواب پیشِ خدمت ہیں، جن کی سندیں بھی صحیح ہیں اور خواب دیکھنے والے ثقہ بلکہ فوق الثقہ تھے:

۱: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا۔ دیکھئے مسند احمد (۲۴۲/۱ وسندہ حسن لذاتہ) اور ماہنامہ الحدیث (عدد ۱۰ ص ۱۴۔۱۶)

۲: مشہور ثقہ امام ابوجعفر احمد بن اسحاق بن بہلول نے فرمایا: میں اہلِ عراق کے مذہب پر (یعنی تارکِ رفع یدین) تھا پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ پہلی تکبیر، رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اُٹھا کر رفع یدین کرتے تھے۔

(سنن الدارقطنی ۲۹۳/۱ ح ۱۱۱۲، وسندہ صحیح)

۳: حافظ الضیاء المقدسی نے فرمایا کہ میں نے حافظ عبدالغنی (بن عبدالواحد بن علی المقدسی رحمہ اللہ) کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، میں آپ کے پیچھے چل رہا تھا اور میرے اور آپ کے درمیان ایک دوسرا آدمی تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۶۹/۲۱)

بہت سے لوگ جھوٹے خواب اور باطل روایات بھی بیان کرتے ہیں، مثلاً محمد زکریا دیوبندی نے لکھا ہے:

''حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ باہر جا رہا تھا۔ میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ جب وہ قدم اٹھاتا ہے یا رکھتا ہے تو یوں کہتا ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ. میں نے اس سے پوچھا کیا کسی علمی دلیل سے تیرا یہ عمل ہے؟ (یا محض اپنی رائے سے) اس نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ...... میں نے پوچھا یہ دُرود کیا چیز ہے؟ اس نے کہا' میں اپنی ماں کے ساتھ حج کو گیا تھا۔ میری ماں وہیں رہ گئی (یعنی مرگئی) اس کا منہ کالا ہو گیا اور اس کا پیٹ پھول گیا جس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ کوئی بہت بڑا سخت گناہ ہوا ہے۔ اس سے میں نے اللہ جل شانہ، کی طرف دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ تہامہ (حجاز) سے ایک ابر آیا اس سے ایک آدمی ظاہر ہوا۔

اس نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے منہ پر پھیرا جس سے وہ بالکل روشن ہوگیا اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو ورم بالکل جاتا رہا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں کہ میری اور میری ماں کی مصیبت کو آپ نے دور کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں میں نے عرض کیا مجھے کوئی وصیت کیجئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی قدم رکھا کرے یا اُٹھایا کرے تو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ. پڑھا کر۔ (نزہتہ)'' (فضائلِ درود ص۱۲۲۔۱۲۳، تبلیغی نصاب ص۷۹۳، ۷۹۴)

یہ بالکل جھوٹی حکایت ہے (چاہے اس سے خواب مراد ہو یا عالمِ بیداری کا واقعہ جس میں نبی ﷺ کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ آپ نے غیر عورت کے چہرے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اتنے شرم و حیا والے تھے کہ آپ نے اپنی ساری زندگی میں کسی غیر عورت سے ہاتھ تک نہیں ملایا تھا۔ یہ حکایت نزہۃ المجالس نامی کتاب میں نہیں ملی اور اگر اس کتاب میں مل بھی جائے تو بھی باطل ہے۔ عبدالرحمٰن صفوری (متوفی ۸۹۴ھ) کی (بے سند روایات والی) کتاب: ''نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس'' ناقابلِ اعتماد کتاب ہے۔ برہان الدین محدث دمشق نے اس کتاب کو پڑھنے سے منع کیا اور جلال الدین سیوطی نے اس کے مطالعے کو حرام قرار دیا۔ دیکھئے کتاب: کتب حذر منھا العلماء (ج۲ ص۱۹)

تنبیہ: اس قسم کا ایک ضعیف و مردود واقعہ ایک مرد میت کے بارے میں ابن ابی الدنیا کی کتاب المنامات (ح۱۱۸) میں لکھا ہوا ہے لیکن غیر عورت کے بارے میں اس طرح کا کوئی واقعہ کہیں بھی نہیں ملا اور نہ ابونعیم کی کسی کتاب میں اس کا کوئی نام ونشان ہے۔

(۷/ستمبر ۲۰۰۹ء) [الحدیث: ٦٦]

اہلِ بیت اور تطہیر

سوال قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کے اہلِ بیت کو پاک کردیا ہے۔ تو اس پاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ اس آیت کو بنیاد بنا کر ائمہ معصومین کا عقیدہ گھڑا گیا ہے اور اس بارے میں ایک حدیث بیان کی جاتی ہے جسے حدیث سراء کہا جاتا ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ (سید عبدالناصر، ضلع مردان)

الجواب سورۃ الاحزاب کی آیت: ۳۳، کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نزلت في نساء النبي ﷺ" یعنی یہ آیت نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں خاص طور پر نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم وتفسیر ابن کثیر ۳/۴۹۱)

اس کی سند "حسن" ہے۔ اس کے راوی عکرمہ رحمہ اللہ اس بات پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار تھے کہ اس آیت سے مراد ازواجِ نبی ﷺ ہیں۔

قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ بیویاں اہلِ بیت میں شامل ہوتی ہیں۔

(دیکھئے سورۂ ہود: ۷۱ تا ۷۳)

آیت مذکورہ میں طہارۃ سے معصومین مراد لینا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے نہ تابعین اور نہ ائمہ اہلِ سنت سے ثابت ہے بلکہ تطہیر سے گناہ، شرک، شیطان، افعالِ خبیثہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے طہارت مراد ہے۔ دیکھئے احکام القرآن للقاضی ابی بکر بن العربی (ص ۴۲۹)

عقیدہ ائمۂ معصومین صرف روافض کا من گھڑت عقیدہ ہے۔

[شہادت، دسمبر ۲۰۰۱ء، نیز دیکھئے الحدیث: ۵۱]

اہلِ بیت کون ہیں؟

سوال نبی کریم ﷺ کے اہلِ بیت میں کونسے لوگ شامل ہیں؟ رافضی صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گھر والوں کو اہلِ بیت سمجھتے ہیں اور اس کے ثبوت میں آیت مباہلہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عیسائیوں سے مباہلے کے لئے اپنے اہلِ بیت کو لے آنے کا حکم دیا تو آپ ﷺ صرف سیدنا علی ﷺ اور سیدہ فاطمہ اور حضرات حسنین رضوان اللہ علیہم کو لے کر آئے تھے؟ (سید عبدالناصر، ضلع مردان)

الجواب اہلِ بیت میں آپ کی بیویاں، بیٹیاں، نواسیاں، نواسے، سب شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی ان میں شامل کیا ہے۔

[شہادت، دسمبر ۲۰۰۱ء]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

سوال ایک شخص گھر میں نماز اور پردے کے متعلق کہتا رہتا ہے، لیکن اس پر وہ کبھی عمل کرتے ہیں اور کبھی نہیں، اور گھر میں قرآن وسنت کی حکمرانی کے متعلق کہتا ہے لیکن ہوتا نہیں، کیا ایسا شخص باہر بھی دین کی اور قرآن وسنت کی حکمرانی کی بات کرسکتا ہے؟ واضح فرمائیں۔ (ظفر اقبال، شکرگڑھ)

الجواب ہر شخص کو بقدر استطاعت خیر ومعروف کا حکم دینا چاہئے۔ ہدایت تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ (التحریم:٦)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((بلغوا عني ولو آية)) میری طرف سے (جو تمھیں پہنچے اسے) پہنچادو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔ (صحیح بخاری:٣٤٦١)

کوئی شخص کسی دوسرے کا ذمہ دار نہیں ہے۔ خود عمل کرے اور دوسروں کو بھی عمل کی ترغیب دے۔

کیا مباہلہ کرنا جائز ہے؟

سوال کیا صحیح العقیدہ مسلمانوں کا اہلِ بدعت اور گمراہوں سے مباہلہ کرنا جائز ہے؟ (ایک سائل)

الجواب ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴾ پھر آپ کے پاس علم آجانے کے بعد جو شخص جھگڑا کرے تو کہہ دیں: آؤ! ہم اپنے بیٹے بلائیں اور تم اپنے، ہم اپنی عورتیں بلائیں اور تم اپنی، اور ہم اپنے اشخاص بلائیں اور تم اپنے اشخاص بلاؤ پھر ہم

مباہلہ کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ (آل عمران: ٦١)

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نجران سے دو عیسائی: عاقب اور سید آئے تا کہ آپ (ﷺ) سے مباہلہ کریں۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: مباہلہ نہ کرنا، اللہ کی قسم! اگر وہ نبی ہوا تو ہم مباہلے کے بعد کبھی فلاح میں نہیں رہیں گے اور نہ ہماری نسل باقی رہے گی۔ (دیکھئے صحیح بخاری ۴۳۸۰ ملخصاً)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ لوگ نبی ﷺ سے مباہلہ کرنے کے لئے باہر نکلتے تو واپسی پر اپنے گھر والوں اور مال میں سے کچھ بھی نہ پاتے یعنی سب کچھ تباہ ہو جاتا۔

(تفسیر عبدالرزاق ۱/۱۲۹ ح ۴۱۱ وسندہ صحیح، تفسیر ابن جریر الطبری ج ۳ ص ۲۱۲ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے مسند الامام احمد (۱/۲۴۸ ح ۲۲۲۵)

مشہور ثقہ تابعی قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے پتا چلا ہے کہ نبی ﷺ اہل نجران (کے عیسائیوں) سے مباہلہ کرنے کے لئے نکلے پھر جب انھوں (عیسائیوں) نے آپ کو دیکھا تو ڈر گئے پھر وہ (عیسائی مباہلے کے بغیر ہی) واپس چلے گئے۔

(تفسیر عبدالرزاق ۱/۱۲۹ ح ۴۰۹ وسندہ صحیح، تفسیر طبری ۳/۲۱۲ وسندہ صحیح)

اس آیت کی تشریح میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سیدنا) علی (بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) (سیدہ) فاطمہ (سیدنا) حسن اور (سیدنا) حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو بلایا اور فرمایا: ((اللھم ھؤلاء أھلي .)) اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۴۰۴، دارالسلام: ۶۲۲۰)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ اگر ضرورتِ شرعیہ ہو تو صحیح العقیدہ (اور قابلِ اعتماد، صالح) مسلمانوں کا کفار کے خلاف مباہلہ کرنا جائز ہے۔

مباہلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دو فریقوں کا باہم جمع ہو کر اللہ سے دعا کرنا کہ اے اللہ! جو ناحق پر اور جھوٹا ہے، اُسے ہلاک کر دے، تباہ و برباد کر دے، اُس پر لعنت بھیج۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ ﴾

اللہ تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ اے اہل بیت! تم سے پلیدی کو دُور کر دے۔ (الاحزاب:۳۳)

اس کی تشریح میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''نزلت في نساء النبي ﷺ خاصة''

یہ (آیت) خاص طور پر نبی ﷺ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس روایت کے راوی مشہور ثقہ تابعی عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا:'' من شاء باهلته: أنها نزلت في أزواج النبي ﷺ ''جو چاہے میں مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ یہ (آیت) نبی ﷺ کی ازواج (بیویوں) کے بارے میں نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن ابی حاتم بحوالہ تفسیر ابن کثیر ۵/۱۶۹۔۱۷۰، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ۱۱/۱۵۳، تاریخ دمشق لابن عساکر ۳/۱۱۱/۷۳، وسندہ حسن، ترجمہ ام المومنین ام حبیبہ رملۃ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا، قلت: و في تاريخ دمشق ''زيد النحوي'' والصواب: يزيد النحوي)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر شرعی ضرورت ہو تو صحیح العقیدہ اور صالح و قابلِ اعتماد مسلمان یا مسلمانوں کا اہلِ بدعت یا گمراہوں اور کفار کے خلاف مباہلہ کرنا جائز ہے لیکن یاد رہے کہ صرف نبی کا مباہلہ ایسا ہے کہ مقابلے میں آنے والے ہر شخص کی تباہی و بربادی یقینی ہے، جبکہ اُمتیوں کے مباہلے میں یہ بات نہیں ہوتی لہٰذا بہتر ہے کہ مباہلہ نہ کیا جائے۔

محدث برہان الدین البقاعی نے لکھا ہے:

ہمارے استاذ حافظ ابن حجر العسقلانی کا ابن الامین نامی ایک شخص سے ابن عربی کے بارے میں مباہلہ ہوا۔ اس آدمی نے کہا: اے اللہ! اگر ابن عربی گمراہی پر ہے تو تُو مجھ پر لعنت فرما۔

حافظ ابن حجر نے کہا: اے اللہ! اگر ابن عربی ہدایت پر ہے تو تُو مجھ پر لعنت فرما۔

وہ شخص اس مباہلے کے چند مہینے بعد رات کو اندھا ہو کر مر گیا۔

یہ واقعہ ۷۹۷ھ کو ذوالقعدہ میں ہوا تھا اور مباہلہ (تقریباً دو مہینے پہلے) رمضان میں ہوا تھا۔ (تنبیہ الغبی ص ۱۳۶۔۱۳۷، علمی مقالات ج ۲ ص ۴۷۰۔۴۷۱)

خلاصۃ التحقیق: حتی الوسع مباہلہ سے گریز کرنا چاہئے اور فقہی واجتہادی مسائل کی وجہ

سے مسلمانوں کا آپس میں مباہلہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دلائل کے ساتھ فریقِ مخالف کو سمجھانا چاہئے اور اگر اشد ضرورت ہو تو پھر کفر و اسلام کے اختلاف اور صریح و اجماعی اور سلف صالحین کے متفقہ عقیدے پر صحیح العقیدہ نیک سمجھدار اشخاص کٹر مبتدعین اور گمراہوں کے خلاف مباہلہ کر سکتے ہیں لیکن یاد رہے کہ قطعی نتیجہ صرف نبی کے مباہلے کا ہی تھا، باقی امتیوں کے مباہلے کا نتیجہ اور انجام یقینی معلوم نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(۸/ دسمبر ۲۰۰۹ء)



نماز سے متعلق مسائل

نماز کے چالیس مسائل بادلائل

سوال حافظ ظہور احمد دیوبندی حضروی نے ایک چھوٹی سی کتاب: ''چہل حدیث مسائل نماز'' لکھی ہے۔ کیا آپ نے یہ کتاب پڑھی ہے اور اگر پڑھی ہے تو اس کا جواب درکار ہے کیونکہ سادہ لوح عوام میں اسے پھیلایا جا رہا ہے؟ (مدثر جاوید، حضرو)

الجواب جی ہاں! میں نے یہ کتاب پڑھی ہے اور اس کا جواب بھی لکھ رکھا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام على رسوله الأمين : خاتم النبيين ورضي الله عن أصحابه أجمعين و رحمة الله على التابعين و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين ، أما بعد:

حافظ ظہور احمد دیوبندی حضروی نے اکابرِ دیوبند کی اندھی تقلید اور مسلکِ حق: اہلِ سنت (اہل حدیث) کے خلاف ''چہل حدیث مسائلِ نماز'' نامی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مغالطات اور دھوکے بازیوں کے علاوہ ضعیف روایات اور کثرت سے غلط استدلالات پیش کئے گئے ہیں۔ ہمارے اس تحقیقی مضمون میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ ظہور احمد کے ''دلائل'' اور شبہات کا ردِ پیشِ خدمت ہے:

بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ دیوبندی حضرات اپنے دیوبندی اکابر کی خودساختہ فقہ کے مقلد ہیں لہٰذا فقۂ حنفی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۱: اوقاتِ نماز کے سلسلے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث ہے کہ اول وقت میں نماز پڑھنا سب سے افضل عمل ہے۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۱/۱۶۹ ح ۳۲۷ وسندہ صحیح) اور میری کتاب: ہدیۃ المسلمین (ص ۲۱ ح ۵، طبع دسمبر ۲۰۰۸ء)

حدیث نمبر ۲: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ظہر کا وقت زوال سے شروع ہو کر ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۱/۱۶۸ ح ۳۲۵) اور نیموی کی آثار السنن (ح ۱۹۴،

وقال: واسنادہ حسن)

۱: امام ابوحنیفہ سے یہ بات باسند صحیح ہرگز ثابت نہیں ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے۔

۲: ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہودیوں نے آدھے دن (دوپہر) تک عمل کیا، عیسائیوں نے عصر تک عمل کیا اور مسلمانوں نے مغرب تک عمل کیا۔ مسلمانوں کا وقت کم تھا لیکن یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں اجر دوگنا ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۴۵۹ ملخصاً)

بعض الناس کا اس حدیث سے استدلال کر کے ظہر یا عصر کی نمازیں دیر سے پڑھنا کئی وجہ سے باطل ہے۔ مثلاً:

اول: مسلمانوں کا وقت یہودیوں اور عیسائیوں کے مجموعی وقت سے بہت کم ہے۔

دوم: سورج کے زوال سے لے کر ایک مثل تک کا وقت ایک مثل سے لے کر مغرب تک کے کل وقت سے کم ہوتا ہے۔ دیکھئے ھدیۃ المسلمین (ص ۲۵)

۳: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتوے ''ظہر کی نماز پڑھو جب تمھارا سایہ تمھارے مثل (برابر) ہو جائے اور عصر کی نماز پڑھو جب تمھارا سایہ تمھارے دو مثل ہو جائے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ زوال سے لے کر ایک مثل تک ظہر کی نماز پڑھ لو اور ایک مثل سے لے کر دو مثل تک عصر کی نماز پڑھ لو۔ دیکھئے التعلیق الممجد (ص ۴۱ حاشیہ: ۹)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فتوے کے آخر میں آیا ہے کہ '' **وصلّ الصبح بغبش یعنی الغلس** '' اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ۔ (موطأ امام مالک ج ۱ ص ۸ ح ۷ تحقیقی وسندہ صحیح)

دیوبندی حضرات اس فتوے کی مخالفت کر کے غیر رمضان میں صبح کی نماز روشنی میں پڑھتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ہدیۃ المسلمین (ح ٦) کا مطالعہ کریں۔

حدیث نمبر ۳: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نمازیں پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۷ ح ۵۴۲، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۵ ح ۶۲۰)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں بھی ظہر کی نماز جلدی پڑھنی چاہئے۔

سوید بن غفلہ رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا کہ ہم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے اول وقت میں نمازِ ظہر ادا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۳ ح ۳۲۷۱ وسندہ صحیح)

جن احادیث میں ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم آیا ہے، اُن کا تعلق سفر کے ساتھ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (ج ۱ ص ۷۷ ح ۵۳۹)

حدیث نمبر ۴: عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھنی چاہئے۔

دیکھئے سنن الترمذی (ج ۱ ص ۳۸۔۳۹ ح ۱۴۹، وقال: ''حدیث حسن'' وسندہ حسن)

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے، جب تک سورج سفید اور شفاف رہتا۔ (سنن ابی داود: ۴۰۸)

اس روایت کی سند دو مجہول راویوں: محمد بن یزید الیمامی اور یزید بن عبدالرحمٰن دونوں کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۲۵ ح ۷)

اگر کوئی کہے کہ امام ابوداود نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے تو عرض ہے کہ آلِ دیوبند کے نزدیک کسی حدیث پر امام ابوداود کا سکوت حجت نہیں ہے۔ مثلاً:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی پھر آپ نے صحابۂ کرام سے کہا: کیا تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو سوائے سورۂ فاتحہ کے کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(سنن ابی داود: ۸۲۳ ملخصاً)

اس حدیث پر امام ابوداود نے سکوت کیا ہے لیکن محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے اس کے راوی محمد بن اسحاق بن یسار کو ''کذاب ودجال'' لکھا ہے۔

دیکھئے احسن الکلام (ج ۲ ص ۸۴، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۹۴)

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بعض لوگوں سے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز تم سے جلدی پڑھتے تھے، جبکہ تم عصر کی نماز آپ سے جلدی پڑھتے ہو۔ (سنن الترمذی: ۱۶۱)

اس حدیث سے عصر کی نماز تاخیر سے پڑھنے پر استدلال دووجہ سے باطل ہے؟

اول: اس میں عصر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دوم: بعض لوگوں کے بارے میں یہ صراحت کہیں بھی نہیں ہے کہ وہ ظہر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے؟

صحیح اور صریح احادیث کو چھوڑ کر متشابہات اور غیر واضح روایات کے پیچھے وہی لوگ بھاگتے ہیں جو دلائلِ صحیحہ سے سراسر عاری ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۵: یہ صحیح ہے کہ نمازِ مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے لے کر شفق (سفیدی یا سرخی) کے غائب ہونے (یعنی عشاء کے دخول) تک رہتا ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں نمازِ مغرب اور شفق کا ذکر آیا ہے، اس میں نمازِ ظہر زوالِ شمس سے لے کر ایک مثل تک، اور تقریباً ایک مثل سے لے کر دو مثل تک نمازِ عصر کا ذکر آیا ہے۔ (دیکھئے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۴ وقال: رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ حسن)

حدیث کے ایک ٹکڑے سے استدلال کرنا اور دوسرے ٹکڑے کو چھپا لینا اُن لوگوں کا طریقہ ہے جنھیں ﴿ المغضوب علیھم ﴾ کہا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۶: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غروبِ آفتاب کے ساتھ نمازِ مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کا جواز صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۱۸۳، ۱۱۸۴)

حدیث نمبر ۷: یہ صحیح ہے کہ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا افضل ہے لیکن کوئی شخص عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد کسی بھی وقت یہ نماز پڑھ لے تو جائز ہے۔

حدیث نمبر ۸: سنن ابی داود کی ایک روایت میں آیا ہے کہ "**ثم کانت صلاته بعد ذلك التغلیس حتی مات ولم یعد إلی أن یسفر**" پھر آپ (ﷺ) اپنی وفات تک اندھیرے میں (صبح کی) نماز پڑھتے رہے اور (دوبارہ) روشنی میں نماز نہیں پڑھی۔

(سنن ابی داود: ۳۹۴، ولہ شاہد فی مستدرک الحاکم ۱/۱۹۰ ح ۶۸۲ فالحدیث بہ حسن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس روایت میں "نمازِ فجر کو خوب روشن کر کے پڑھو" آیا ہے، وہ منسوخ ہے۔ نیز دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ح ۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھو۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۴۵۶ وسندہ حسن)

حدیث نمبر ۹: جن احادیث میں طلوعِ شمس، دوپہر اور غروبِ شمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع کا ذکر آیا ہے، اُن کا مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں وہ نوافل نہ پڑھے جائیں، جن کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

رہی وہ نمازیں جو دلیل سے ثابت ہیں مثلاً نمازِ جنازہ، خطبۂ جمعہ کے دوران میں دو رکعتیں اور صبح کی دو سنتیں وغیرہا تو وہ ان اوقاتِ ممنوعہ میں بھی دلائلِ مخصوصہ کی وجہ سے جائز ہیں۔

حدیث نمبر ۱۰: اذان کے کلمات درج ذیل ہیں:

اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر – أشهد أن لا إله إلا اللّٰه ، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه – أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه ، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه – حي على الصلوٰة ، حي على الصلوٰة – حي على الفلاح ، حي على الفلاح – اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر – لا إله إلا اللّٰه . (سنن ابی داود: ۴۹۹ وسندہ حسن)

اقامت کے کلمات درج ذیل ہیں:

اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر – أشهد أن لا إله إلا اللّٰه – أشهد أنّ محمدًا رسول اللّٰه – حي على الصلوٰة – حي على الفلاح – قد قامت الصلوٰة ، قد قامت الصلوٰة – اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر – لا إله إلا اللّٰه . (سنن ابی داود: ۴۹۹ وسندہ حسن)

اگر اذان ترجیع (۱۹/کلمات) والی ہو تو پھر اقامت کے کلمات دہرے (۱۷/کلمات) ہیں۔ دیکھئے سنن ابی داود (۵۰۲) اور آثار السنن (۲۳۷، ۲۳۸)

جن روایات میں عام اذان اور دہری اقامت کا ذکر آیا ہے وہ سب کی سب ضعیف ہیں مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۲۳۱، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۲۰۳ ح ۲۱۱۸) کی جس روایت میں

آیا ہے کہ ''پھر اس نے اقامت کہی جس طرح اس نے اذان کہی تھی۔''

یہ روایت اعمش (مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے میری کتاب: انوار السنن فی تحقیق آثار السنن (۲۳۳) لہٰذا اس سند کو صحیح کہنا غلط ہے۔

دیوبندیوں کی اذان واقامت کا طریقہ کسی صحیح حدیث میں موجود نہیں ہے، غالباً اسی وجہ سے ظہور احمد نے اپنی اذان کا ثبوت حکیم محمد صادق سیالکوٹی (اہل حدیث) کی کتاب صلوٰۃ الرسول (ص ۱۵۳، ۱۵۴) سے پیش کیا ہے، جو اس کی دلیل ہے کہ یہ لوگ اس مسئلے میں صحیح حدیث سے خالی دامن ہیں۔ نیز دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۲ ص ۱۴۸)

حدیث نمبر ۱۱: رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے کندھوں تک رفع یدین کرتے... الخ (موطأ امام مالک، روایۃ ابن القاسم: ۵۹ تحقیقی، صحیح بخاری: ۷۳۵)

آپ ﷺ سے کانوں تک رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۸ ح ۳۹۱)

ثابت ہوا کہ کندھوں تک اور کانوں تک دونوں طرح رفع یدین پر عمل نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے۔ بعض الناس کا یہ دعویٰ کہ ''مردوں کے لئے کانوں تک ہاتھ اٹھانا اور عورتوں کے لئے کندھوں تک ہاتھ اُٹھانا سنت ہے'' بغیر دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے رفع یدین کیا، یہاں تک کہ اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے برابر لے گئے۔ الخ (سنن الدارقطنی ۱/ ۳۰۰ ح ۱۱۳۵)

زیلعی حنفی نے کہا: امام دارقطنی نے اس روایت کے بعد کہا: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (نصب الرایہ ۱/ ۳۲۰)

زیلعی کی یہ عبارت سنن دارقطنی میں نہیں ملی۔ واللہ اعلم

روایتِ مذکورہ تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: حمید الطّویل مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔

دیکھئے طبقات المدلسین (۷۱/ ۳، مرتبہ ثالثہ)

دوم: ابو خالد الاحمر مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔

دیکھئے جزء القراءۃ للبخاری بتحقیقی (۲۶۷)

سوم: حسین بن علی بن اسود العجلی پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے اور حافظ ابن عدی نے کہا: وہ حدیثیں چوری کرتا تھا۔ (دیکھئے تہذیب الکمال ۱۸۳/۲، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۷۸)

امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: "**هذا حديث كذب لا أصل له**" یہ حدیث جھوٹ ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۲۰، علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱۳۵/۱ ح ۳۷۴)

المعجم الاوسط للطبرانی (۳۰۶۳) اور کتاب الدعاء (۱۰۳۴/۲ ح ۵۰۵) میں اس روایت کا ایک شاہد (تائید والی روایت) ہے، لیکن اس کی سند میں عائذ بن شریح ضعیف ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۲۲۶/۳) اور حاشیہ (۲) نصب الرایہ (۳۲۱/۱)

یاد رہے کہ المعجم الاوسط میں غلطی سے عبید بن سریج چھپ گیا ہے، جبکہ صحیح عائذ بن شریح ہے جیسا کہ نصب الرایہ (۳۲۱/۱) اور مجمع البحرین فی زوائد المعجمین (۱۱۰/۲ ح ۷۹۸) میں لکھا ہوا ہے۔

تنبیہ: دعائے استفتاح میں ثبوت کے لحاظ سے **سبحانك اللهم ... إلخ** جائز ہے اور **اللهم باعد بيني.... إلخ** بہتر ہے۔

دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ح ۱۲) اور صحیح بخاری (ج ۱ ص ۱۰۳ ح ۷۴۴)

حدیث نمبر ۱۲: کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ مرد تو کانوں تک رفع یدین کریں اور عورتیں کندھوں یا سینے تک ہاتھ اُٹھائیں۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جس روایت میں "اور عورت اپنے سینے تک ہاتھ اُٹھائے" کے الفاظ آئے ہیں۔ (المعجم الکبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۳)

اس کی سند ام یحییٰ (مجہولہ) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی نے کہا: "اور ام یحیی مجہولہ ہیں" (تجلیاتِ صفدر ج ۲ ص ۲۲۶)

حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ نے مسجد میں محراب والی روایت کی راویہ ام یحییٰ کی توثیق کسی معتبر محدث سے پیش نہیں کی، بلکہ اُس کے مستورۃ الحال ہونے کی طرف اشارہ کر کے لکھا:

''....اور مستور الحال کی روایت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔اور جمہور علماء کے نزدیک حجت نہیں...'' (فتاویٰ اہل حدیث ج اص ۳۱۴)

ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں جمہور علماء کو ہی ترجیح حاصل ہے کہ مستور کی روایت حجت نہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح مستور الحال کی روایت کا حجت ہونا یا نہ ہونا ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی کہے کہ تابعین کے آثار بھی ہیں تو عرض ہے کہ عطاء بن ابی رباح (تابعی) نے فرمایا: ''...عورت کی ہیئت مرد کی طرح نہیں ہے، اگر وہ (عورت) اسے ترک کردے تو کوئی حرج نہیں ہے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۳۹ح ۲۷۷۴، الحدیث حضرو: ۱۳ص ۲۱)

حماد بن ابی سلیمان نے کہا: عورت کی جیسے مرضی ہو (نماز میں) بیٹھے۔

(مصنف ابن بی شیبہ ج اص ۲۷۱ح ۲۷۹۰ وسندہ صحیح)

حماد کے استاذ ابراہیم نخعی نے کہا: عورت نماز میں اس طرح بیٹھے جیسے مرد بیٹھتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۷۰ح ۲۷۸۸ وسندہ صحیح)

ام الدرداء رحمہا اللہ نماز میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں۔

(صحیح بخاری قبل ح ۸۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۷۰ح ۲۷۸۵ وسندہ قوی)

حدیث نمبر ۱۳: نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ (نماز میں) اپنا ہاتھ سینے پر رکھتے تھے۔ دیکھئے مسند احمد (۲۲۶/۵ ح ۲۲۳۱۳ وسندہ حسن، ہدیۃ المسلمین ص ۳۳ ح ۱۱)

بعض آلِ دیوبند مصنف ابن ابی شیبہ سے ''تحت السرۃ'' والی ایک روایت پیش کرتے ہیں لیکن مصنف کے قدیم مطبوعہ اور عام مخطوطہ نسخوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

دیوبندیوں کی اس ''دلیل'' کے بارے میں محمد تقی عثمانی نے کہا:

''لیکن احقر کی نظر میں اس روایت سے استدلال کمزور ہے، اوّل تو اس لئے کہ اس روایت میں ''تحت السرۃ'' کے الفاظ مصنف ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملے، اگرچہ علامہ نیمویؒ نے ''آثار السنن'' میں ''مصنف'' کے متعدد نسخوں کا حوالہ دیا ہے، کہ اُن میں یہ زیادتی

مذکور ہے، تب بھی اس زیادتی کا بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کو مشکوک ضرور بنا دیتا ہے...'' (درسِ ترمذی ج ۲ ص ۲۳)

انور شاہ کشمیری نے کہا: میں نے مصنف کے تین نسخے دیکھے ہیں، ان میں سے ایک نسخے میں بھی یہ (تحت السرة والی عبارت) نہیں ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۲۶۷ مترجماً)

معلوم ہوا کہ دیو بندیوں کے پاس ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ رہے امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ علماء کے اقوال تو ان سے استدلال دو وجہ سے غلط ہے:

اول: نبی ﷺ کی صحیح حدیث کے آجانے کے بعد، اس حدیث کے مخالف اقوال کی طرف دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دوم: مشہور تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: نماز میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ (امالی عبدالرزاق بحوالہ الفوائد لابن مندہ ج ۲ ص ۲۳۴ ح ۱۸۹۹، وسندہ صحیح)

اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ''عورتیں سینہ پر ہاتھ باندھیں اور یہ اُن کے حق میں پردہ کا باعث ہے'' تو عرض ہے کہ یہ بات کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

اول: یہ تفریق کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

دوم: یہ تفریق کسی صحابی یا تابعی سے ثابت نہیں ہے۔

سوم: یہ تفریق امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔

چہارم: اگر اپنے تقلیدی قیاس اور رائے سے پردہ ہی کرانا ہے تو اپنے عورتوں کو حکم دیں کہ وہ رکوع کے بعد بھی سینے پر ہاتھ باندھیں اور رکوع کے دوران میں بھی سینے پر ہاتھ باندھیں تاکہ مکمل پردہ ہو جائے۔!!

حدیث نمبر ۱۴: دعائے استفتاح کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھنا بھی مسنون ہے اور جہراً پڑھنا بھی ثابت ہے۔ دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۳۷ ح ۱۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھا تھا۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۱۳۷، وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۱۲ ح ۴۷۵۷)

لہٰذا دونوں طرح صحیح ہے اور اس مسئلے میں جھگڑا کرنا غلط ہے۔

حدیث نمبر ۱۵: امام ہو یا منفرد (اکیلا نمازی) دونوں کو چار رکعتوں والی نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری (۷۷۶) اور صحیح مسلم (۴۵۱) کی حدیث سے ثابت ہے۔ جبکہ اس حدیث کے سراسر برخلاف دیوبندی حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو بھی نماز ہو جائے گی۔

دیکھئے (دیوبندی) بہشتی زیور (حصہ دوم ص ۱۹، فرض نماز پڑھنے کے طریقے کا بیان، مسئلہ نمبر ۱۷، مکمل نسخہ ص ۱۶۳)

نفل ہو یا فرض، نماز اس طرح پڑھنی چاہیے جس طرح رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۶: سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: کیا تم میرے ساتھ (یعنی امام کے پیچھے) قراءت کرتے ہو؟

انھوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ بھی نہ پڑھو کیونکہ جو شخص اسے نہیں پڑھتا تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۶۴ ح ۱۲۱)

اس حدیث کے بارے میں امام بیہقی نے فرمایا: یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

تنبیہ: اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق بن یسار نہیں ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۴۱۔۴۲ ح ۱۵)

جس روایت میں آیا ہے کہ ''جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش ہو جاؤ'' وہ منسوخ (یا مخصوص منہ) ہے۔ دیکھئے میری کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج ۲ ص ۲۶۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جہری اور سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کا حکم دیا۔

دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۳۷۳ ح ۳۷۴۸ وسندہ حسن)

مزید تفصیل کے لئے میری دو کتابیں پڑھیں: نصر الباری اور الکواکب الدریہ

حدیث نمبر ۱۷: ایک روایت میں آیا ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

(موطأ ابن فرقد الشیبانی ص ۱۹۸، شرح معانی الآثار ۱/۱۴۹، فتح القدیر لابن ہمام ۱/۲۳۹)

ابن فرقد کو جمہور محدثین نے مجروح وضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۲ ص ۳۴۱۔ ۳۶۴) مثلاً اسماء الرجال کے ایک بڑے امام ابو حفص عمرو بن علی الفلاس نے فرمایا:

محمد بن الحسن، رائے والا، ضعیف ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۱، وسندہ صحیح)

شرح معانی الآثار للطحاوی (ج ۱ ص ۲۱۷) والی تمام روایات ضعیف ومردود ہیں مثلاً ایک کی سند میں قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۱ ص ۵۳۳۔ ۵۴۸)

ابن ہمام والی روایت سخت مشکوک ہونے (وغیرہ) کی وجہ سے مردود ہے۔

ضعیف روایت کو جمع تفریق کر کے قوی قرار دینا غلط ہے۔ حافظ ابن حجر نے "من کان له إمام" إلخ والی روایت کے بارے میں فرمایا: اس کی کئی سندیں ہیں... اور وہ ساری کی ساری معلول (ضعیف) ہیں۔ (التلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۳۲ ح ۳۴۵)

اس روایت کو شیخ البانی (وغیرہ) کا قوی (وغیرہ) قرار دینا غلط ہے۔

حدیث نمبر ۱۸: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے آمین بالجہر کہی۔ (سنن ابی داود: ۹۳۳ وسندہ حسن)

اس کے مقابلے میں جس روایت میں آیا ہے: "آمین کہی اور اپنی آواز آہستہ کر لی۔"

اس سے استدلال دو وجہ سے غلط ہے:

اول: یہ روایت وہم اور شذوذ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوم: اس کا تعلق جہری نمازوں سے نہیں بلکہ سری نمازوں سے ہے۔

دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ح ۱۶)

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے مقتدی اونچی آواز سے آمین کہتے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۷۸۰)

لہٰذا یہ کہنا کہ "صرف امام ہی جہر سے آمین کہے، مقتدی نہ کہیں" غلط ہے۔

بعض لوگ اس مسئلے میں غیر واضح روایات مثلاً: ''جب امام و لا الضالین کہے تو تم آمین کہو'' پیش کرتے ہیں مگر علمی میدان میں ایسے استدلال کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی جبکہ صریح مبہم پر اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے ہدیۃ المسلمین (۱۶) دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۹: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۲ ح ۷۳۶ ملخصاً)

اس کے راوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۷۳۹)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد اُن کے بیٹے سالم رحمہ اللہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (حدیث السراج ۲/ ۳۴-۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی میں آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۱۶) صحیح مسلم (۲۵۳۷)

معلوم ہوا کہ رفع یدین کو منسوخ یا متروک سمجھنا باطل ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ انھوں نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا۔ (سنن ترمذی: ۲۵۷، سنن ابی داود: ۷۴۸ وغیرہما)

اس کی سند سفیان ثوری (مدلس) کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دیکھئے میری کتاب: نور العینین اور میرا مضمون: ''امام سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ؟''

ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: ''کیونکہ اس میں سفیان مدلّس...'' (تجلیات صفدر ج ۵ ص ۴۷۰)

سرفراز خان صفدر نے کہا: ''مدلّس راوی عَنْ سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں...''

(خزائن السنن ج ۱ ص ۱)

اگر کوئی کہے کہ سفیان ثوری کی روایتیں صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مدلس کی صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں ہر روایت صحیح ہے۔ دیکھئے خزائن السنن (ج ۱ ص ۱) لیکن صحیحین کے باہر دوسری کتابوں میں اُس مدلس کے سماع کی تصریح یا

معتبر متابعت ہونا ضروری ہے۔

مدلس کی عن والی ضعیف روایت کو شیخ احمد شاکر اور البانی وغیرہما کا صحیح قرار دینا اصولِ حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

حدیث نمبر ۲۰: بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رکوع، رکوع سے قیام اور سجود وغیرہ میں اطمینان ضروری ہے۔ مثلاً دیکھئے سنن ابی داود (۸۶۳) اور ظہور احمد کی چہل حدیث (ص ۲۷) جبکہ اس کے برعکس آلِ دیوبند کے نزدیک نماز میں اعتدال واطمینان فرض نہیں ہے۔ مثلاً دیکھئے تقریر ترمذی لمحمود حسن (ص ۱۱)

حدیث نمبر ۲۱: سجدہ کو جاتے ہوئے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھنے چاہئیں اور بعد میں دونوں گھٹنے لگانے چاہئیں۔ دیکھئے سنن ابی داود (۸۴۰ وسندہ صحیح علیٰ شرط مسلم) اور مختصر صحیح نماز نبوی (ص ۱۷، فقرہ: ۲۱)

ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے۔

(سنن ابی داود: ۸۳۸، ہمارانسخہ: ۸۳۸)

اس کی سند میں ایک راوی شریک بن عبداللہ القاضی مدلس تھے۔

دیکھئے نصب الرایہ (۳/۳۳۴) اور المحلیٰ (۸/۲۶۳، ۱۰/۳۳۳)

یہ روایت عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ومردود ہے۔ ضعیف روایت کو حسن یا صحیح قرار دینا غلط ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۲: حدیث میں آیا ہے کہ سجدے میں کتے کی طرح زمین پر ہاتھ نہیں بچھانے چاہئیں۔ دیکھئے صحیح بخاری (۸۲۲)

اور کسی صحیح حدیث میں یہ بالکل نہیں آیا کہ عورتیں سجدوں میں (کتوں کی طرح) زمین پر ہاتھ بچھائیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ "جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت کا حکم سجدے میں مرد جیسا نہیں ہے۔" (مراسیل ابی داود: ۸)

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مرسل کے بارے میں امام مسلم رحمہ اللہ

نے فرمایا: ہمارے نزدیک مرسل روایات حجت نہیں ہیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم ص ۲۰ ملخصاً)

طحاوی حنفی کے ایک کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ منقطع (مرسل) کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے شرح معانی الآثار (ج ۲ ص ۱۶۴، باب الرجل یسلم فی دار الحرب وعندہ اکثر من اربع نسوۃ، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح یہ قول ثابت نہیں کہ مرسل حجت ہے۔

دیوبندی حضرات بذاتِ خود بہت سی مرسل روایات کے منکر ہیں۔ مثلاً:

طاؤس تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔

(المراسیل لابی داود: ۳۴)

اس کی سند طاؤس تک حسن لذاتہ ہے۔ سلیمان بن موسیٰ کو جمہور نے ثقہ کہا۔ دیکھئے سرفراز خان صفدر کی خزائن السنن (ج ۲ ص ۸۹) اور باقی راویوں پر بھی جرح مردود ہے۔

ظہور احمد دیوبندی نے ضعیف (مرسل) روایت کی تائید میں دو مردود روایتیں پیش کی ہیں:

اول: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت بحوالہ السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۲۲۳)

اس کا راوی ابو مطیع الحکم بن عبداللہ البلخی سخت مجروح تھا اور اسی صفحے پر امام بیہقی نے اُس پر جرح کر رکھی ہے۔ نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ۲ ص ۳۳۴۔۳۳۶)

اس کے دوسرے راوی محمد بن القاسم البلخی کا (روایت میں) ذکر حلال نہیں ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۵/۳۴۷)

تیسرا راوی عبید بن محمد السرخسی نامعلوم ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سند موضوع ہے۔

دوم: سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت بحوالہ السنن الکبریٰ (۲/۲۲۲)

اس کا راوی عطاء بن عجلان متروک ہے، بلکہ ابن معین اور فلاس وغیرہما نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۴۵۹۴)

لہٰذا یہ سند بھی موضوع ہے اور خود امام بیہقی نے بھی اس پر جرح کر رکھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو یکدم کھڑے نہ ہوتے بلکہ بیٹھ جاتے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (ج ۱ ص ۱۱۳ ح ۸۲۳) اور ہدیۃ المسلمین (ص ۴۷ ح ۱۸)

بلکہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص (جسے نماز صحیح طور پر نہیں آتی تھی) سے فرمایا: ((**ثم اسجد حتی تطمئن ساجدًا ، ثم ارفع حتی تطمئن جالسًا ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدًا ، ثم ارفع حتی تطمئن جالسًا**))

پھر سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرے، پھر اٹھ جا حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جائے، پھر (دوسرا) سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرے، پھر (دوسرے سجدے سے) اُٹھ جا حتیٰ کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے۔ (صحیح بخاری: ۶۲۵۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سجدے کے بعد بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔ اس حدیث کو ظہور احمد دیوبندی نے بحوالہ صحیح بخاری (۶۲۵۱۱ / صحیح ۶۲۵۱ ہے) نقل کیا۔ (دیکھئے چہل حدیث ص ۷۸، ۷۹) لیکن تحریف کر کے دوسرے سجدے کے بعد "**حتّی تطمئن جالسًا**" "حتیٰ کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے، کے الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔

یہ بہت بڑی خیانت ہے۔

سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے:

"**ثم كبّر فسجد ، ثم كبّر فقام ولم يتورّك**"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور سجدہ کیا، پھر سجدہ سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے اور تورک نہیں کیا۔ (سنن ابی داود: ۷۳۳)

اس روایت کی سند عیسیٰ بن عبد اللہ بن مالک (مجہول الحال) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ظہور احمد نے تحریف کر کے اس روایت میں "**ولم يتورك**" "اور تورک نہیں کیا۔

کا ترجمہ: "بیٹھے نہیں" کر دیا ہے۔ دیکھئے چہل حدیث (ص ۸۰)

یہ بہت بڑی خیانت ہے۔

فائدہ: سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس ضعیف روایت میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین کا بھی ذکر ہے، جس سے ان لوگوں کو خاص طور پر چڑ ہے۔

دیکھئے شرح معانی آثار للطحاوی (ج ا ص ۲۶۰ باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ کیف ھو؟/طبع دارالباز مکۃ المکرّمۃ) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۰۱/۲۔۱۰۲)

صحیح حدیث (معمول بہ) کو عذر پر محمول کر دینا اور ضعیف حدیث میں تحریف کرنا، کون سی عدالت کا انصاف ہے؟!

حدیث نمبر ۲۴: تشہد (اول) میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔ مثلاً دیکھئے صحیح مسلم (۱۰۴۵)

اس کو قعدۂ اولیٰ کے ساتھ خاص کرنے کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے، جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری رکعت کے تشہد میں تورک کرتے تھے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۸۲۸)

اس صحیح حدیث کے مقابلے میں شوکانی وغیرہ علماء کے نام لے کر رعب جمانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یاد رہے کہ ہر اہلِ حدیث کے ایمان وعقیدے میں یہ بات شامل ہے کہ نبی ﷺ کی حدیث پر عمل کیا جائے اور اس کے مقابلے میں ہر قول اور فعل کو چھوڑ دیا جائے۔

مرد ہو یا عورت سب کے لئے یہی طریقہ ہے کہ تشہد اول میں تورک نہ کریں اور آخری تشہد میں تورک کریں۔

حدیث نمبر ۲۵: کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ عورتیں پہلے تشہد میں تورک کریں گی۔ جامع المسانید للخوارزمی (۴۰۰/۱) اور مسند الحصکفی (!!) کی جس روایت میں آیا ہے:

عورتیں چارزانو بیٹھا کرتی تھیں، پھر انھیں حکم دیا گیا کہ وہ سرین کے بل بیٹھیں۔

(مثلاً دیکھئے چہل حدیث ص ۸۳)

اس روایت کی سند کئی وجہ سے موضوع ہے:

اول: اس کا پہلا راوی ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب البخاری الحارثی کذاب ہے۔
دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۴۹۶) اور کتاب القراءت للبیہقی (ص ۱۷۸ ح ۳۸۸، دوسرا نسخہ ص ۱۵۴)

دوم: اس کے باقی راوی مثلاً قبیصہ الطبری اور زر بن نجیح وغیرہما مجہول تھے۔

ایسی موضوع سند کو ''انتہائی درجہ کی صحیح'' کہنا ظہور احمد جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

حدیث نمبر ۲۶: حالتِ تشہد میں دائیں مٹھی بند کرنا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۳۴۶)

پہلے تشہد میں درود پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۴۹۹۔۵۰۰، سنن النسائی ۳/۲۴۱ ح ۱۷۲۱، اور مختصر صحیح نماز نبوی ص ۲۳ فقرہ: ۴۱ حاشیہ: ۴)

اور درود نہ پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ امام محمد بن اسحاق بن یسار کی بیان کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے مسند احمد (ج ۱ ص ۴۵۹ ح ۴۳۸۲ وسندہ حسن)

حدیث نمبر ۲۷: تشہد میں دعا کرتے وقت شہادت کی انگلی کو حرکت دینا (ہلاتے رہنا) صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے سنن النسائی (۱۲۶۹، وسندہ صحیح) صحیح ابن خزیمہ (۷۱۴) منتقی ابن الجارود (۲۰۸) اور صحیح ابن حبان (الاحسان: ۱۸۵۷)

جس روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اس کو ہلاتے نہیں تھے۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۹۸۹، اور السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۳۲)

اس کی سند محمد بن عجلان (مدلس راوی) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ابن عجلان کو حافظ ابن حجر نے مدلسین کے طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے الفتح المبین ص ۶۰)
محمد بن عجلان کو طحاوی نے بھی مدلس قرار دیا ہے۔
دیکھئے مشکل الآثار (طبع قدیم ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱)

اس ضعیف روایت کو صحیح سند کہنا غلط ہے۔ یاد رہے کہ ضعیف روایت مردود ہوتی ہے اور تطبیق وہاں ہوتی ہے جہاں دونوں حدیثیں صحیح ہوں۔

حدیث نمبر ۲۸: جنازے کے علاوہ عام نمازوں میں دونوں طرف سلام پھیرنا مسنون ہے۔ نیز دیکھئے سنن الترمذی (۲۹۵) اور مصنف عبدالرزاق (۲/۸۹ح ۳۱۲۸ وسندہ صحیح)

حدیث نمبر ۲۹: سجدہ سہو سلام سے پہلے بھی جائز ہے اور سلام کے بعد بھی۔
دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۸۳ ح ۳۷)

سلام سے مراد دونوں طرف سلام پھیرنا ہوتا ہے، اِلا یہ کہ تخصیص کی کوئی دلیل ہو۔
بعض الناس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''صحیح مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف سلام پھیرا جائے، یہی جمہور کا مذہب ہے۔''! (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۲۵)

اس دعوے کی کوئی دلیل کسی حدیث یا کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۳۰: فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔
دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۵۴ ح ۲۲)

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جس روایت سے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ (روایتِ مذکورہ کے لئے دیکھئے المعجم الکبیر/ قطعہ من الجزء ج ۱۲ ص ۳۷ ح ۹۰) اس کی سند فضیل بن سلیمان النمیری (ضعیف عند الجمہور) کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تنبیہ: اس راوی کی صحیحین میں تمام روایات صحیح ہیں۔ سرفراز خان صفدر کے بیٹے عبدالقدوس قارن دیوبندی نے لکھا ہے: ''جن کتب میں صحت کا التزام کیا گیا ہے ان میں راوی کی حیثیت اور ہے اگر وہی راوی کسی دوسری جگہ آجائے تو اس کی حیثیت اور ہوگی۔''

(مجذوبانہ واویلا ص ۲۴۷)

دیوبندی مفتی رشید احمد لدھیانوی نے لکھا ہے:

''نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا مروجہ طریقہ بالا جماع بدعت قبیحہ شنیعہ ہے۔''

(نمازوں کے بعد دعاء ص ۱۹، احسن الفتاویٰ ج ۱۰)

حدیث نمبر ۳۱: ایک رکعت وتر پڑھنا بھی صحیح ہے اور تین رکعت وتر پڑھنا بھی صحیح ہے۔

دیکھئے سنن ابی داود (۱۴۲۲) سنن النسائی (۱۷۱۲) اور ہدیۃ المسلمین (ص ۶۲ ح ۲۶)

سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص تین وتر پڑھنا چاہے تو تین پڑھے اور جو شخص ایک وتر پڑھنا چاہے تو ایک وتر پڑھے۔ (سنن النسائی ۳/ ۲۳۸۔۲۳۹ ح ۱۷۱۳، وسندہ صحیح)

تین رکعت وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیں پھر ایک وتر پڑھیں۔ (دیکھئے صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴ ح ۷۳۸، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۲۴۲۶، اور ہدیۃ المسلمین ص ۶۲، ۶۳)

ایک روایت میں آیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے اور سلام صرف آخری رکعت کے بعد پھیرتے تھے...'' الخ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۳۰۴ ح ۱۱۴۰)

اس روایت کی سند قتادہ مدلس کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا:

''اولاً تو یہ سند سخت ضعیف ہے کیونکہ سند میں سعید بن ابی عروبہ مختلط ہے اور قتادہ مدلس ہے۔'' (جزء رفع الیدین کا ترجمہ وتشریح ص ۲۸۹ ح ۲۹ تا ۳۱)

المستدرک (۱/ ۳۰۴ ح ۱۱۳۹) میں اس کی تائید والی روایت میں سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ دونوں ہیں اور دونوں نے عن کے ساتھ روایت کی ہے۔!!

لہٰذا یہ تائیدی روایت بھی مردود ہے۔

یہ کہنا کہ ''وتر کی دو رکعت کے بعد قعدہ اور اس میں تشہد پڑھنے کا ثبوت حدیث نمبر ۲۴ میں گزر چکا ہے'' کالا جھوٹ ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں وتر کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ ''وتر کی ایک رکعت کسی حدیث سے ثابت نہیں'' بھی بالکل جھوٹ ہے۔

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے: ''وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ وغیرہما صحابہؓ اس کے مقر اور مالکؒ، شافعیؒ واحمدؒ کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا''

(براہین قاطعہ ص ۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ح ۲۶)

حدیث نمبر ۳۲: وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھنا بھی مسنون ہے اور رکوع کے بعد بھی جائز ہے۔ رکوع سے پہلے قنوت کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۶۶۔ ۶۷ ح ۲۸)
رکوع کے بعد کے لئے دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ج ۲ ص ۱۵۵۔ ۱۵۶ ح ۱۱۰۰، وسندہ صحیح)

اس حدیث میں سیدنا اُبی بن کعب وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے کہ انھوں نے رمضان میں (رات کے قیام میں) قنوت پڑھا پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا۔

قنوتِ نازلہ پر قیاس کر کے قنوتِ وتر میں بھی دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا جائز ہے اور نہ اٹھانا بھی جائز ہے۔ دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۶۷) اور مسائل ابی داود (ص ۶۶)

حدیث نمبر ۳۳: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رات کو عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فجر تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیتے اور (آخر میں) ایک وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴ ح ۷۳۶)

آلِ دیوبند کے منظورِ نظر محمد احسن نانوتوی نے کہا:

کیونکہ نبی ﷺ نے بیس نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔ (حاشیۂ کنز الدقائق ص ۳۶ حاشیہ: ۴)

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے کہا: ''البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں'' (براہین قاطعہ ص ۸)

سہارنپوری نے مزید کہا: ''اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو بالاتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے'' (براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ

ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ رمضان میں بیس رکعات اور وتر، بغیر جماعت کے پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۴۹۶)

اس کا راوی ابراہیم بن عثمان جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ انور شاہ کاشمیری نے اس روایت کے بارے میں کہا: اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

(العرف الشذی ج۱ص۱۶۶)

ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کے بارے میں عینی حنفی نے لکھا ہے:

اسے (امام) شعبہ نے جھوٹا کہا ہے.....الخ (عمدۃ القاری ج۱۱ص۱۲۸)

محمد تقی عثمانی نے اس روایت کے بارے میں کہا:

''لیکن یہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے'' (درس ترمذی ج۳ص۳۰۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا۔

(موطأ امام مالک، روایۃ یحییٰ ج۱ص۱۱۴ح۲۴۹، آثار السنن: ۷۷۶، وقال: ''واسنادہ صحیح'')

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قولاً یا فعلاً بیس رکعات تراویح پڑھنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

ظہور احمد نے یہ جھوٹ لکھا ہے کہ ''اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تراویح کی بیس رکعات پر اجماع ہو گیا۔'' (چہل حدیث ص۱۰۳)

حالانکہ اس جھوٹے دعوے کے برعکس کسی ایک صحابی سے بھی بیس رکعات ثابت نہیں ہیں۔

جھوٹے اجماع کے رد کے لئے دیکھئے تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص۸۴-۸۷)

حدیث نمبر۳۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم ج۱ص۲۴۷ح۷۱۰)

اس صحیح حدیث کے مقابلے میں ایک دیوبندی نے لکھا ہے:

''فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہونے کی صورت میں بھی پڑھنی جائز ہیں'' (چہل حدیث ص۱۰۴)!

ابوعثمان النہدی کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس ہم فجر سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے آیا کرتے تھے جب کہ آپ نماز پڑھا رہے ہوتے، ہم مسجد کے آخر میں دو رکعت سنت پڑھ کر پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جاتے تھے۔ (شرح معانی الآثار ۱/۳۷۶، آثار السنن: ۷۲۷)

اس کی سند جعفر بن میمون (ضعیف عند الجمہور) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دیکھئے میری کتاب: انوار السنن فی تحقیق آثار السنن (مخطوط ص۱۴۶)

جعفر بن میمون کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا: وہ حدیث میں قوی نہیں ہے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ص ۵۸ فقرہ: ۲۱۵۷)

لہٰذا ''مقلد کبیر'' نیموی کا اس سند کو حسن کہنا غلط ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اقامت کے وقت دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے کنکریوں سے مارا اور فرمایا: کیا تو چار رکعتیں پڑھتا ہے؟ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۴۸۳ وسندہ صحیح)

حدیث نمبر ۳۵: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس کی صبح کی دو سنتیں رہ جائیں اور وہ فرض نماز کے بعد فوراً پڑھ لے، تو جائز ہے۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ج ۲ ص ۱۶۴ ح ۱۱۱۶) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۲۴۶۲) اور المستدرک للحاکم (۱/۲۷۴۔۲۷۵ ح ۱۰۱۷)

اسے حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے اور اس روایت پر ابن عبدالبر کی جرح مردود ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جس شخص نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں، تو اسے چاہئے کہ وہ ان کو سورج نکلنے کے بعد پڑھے۔ (سنن الترمذی: ۴۲۳، المستدرک ۱/۳۰۷ ح ۱۱۵۳)

اس کی سند قتادہ مدلس (تقدم: ۳۱) کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ومردود ہے۔

حدیث نمبر ۳۶: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر فرمایا: مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو۔ دیکھئے مختصر قیام اللیل للمقریزی (ص ۶۴ وقال: ھذا اسناد صحیح علیٰ شرط مسلم، آثار السنن: ۶۹۴ وقال: واسنادہ صحیح)

پھر بعد میں آپ نے اجازت دے دی کہ جس کی مرضی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں پڑھنا جائز ہے لیکن ضروری نہیں ہے۔

اس کے مقابلے میں جس روایت میں آیا ہے کہ ''ہر نماز کی دو اذانوں کے درمیان دو رکعت نفل ہیں سوائے مغرب کے۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۷۴)

اس کی سند حیان بن عبیداللہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حیان کے اختلاط کے لئے دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی (ج ۱ ص ۳۱۹) اور لسان المیزان (ج ۲ ص ۳۷۰، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۷۰۲)

ضعیف روایت کے ساتھ صحیح حدیث کو منسوخ قرار دینا غلط ہے۔

صحابۂ کرام سے ان رکعتوں پر عمل بھی ثابت ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۶۲۵) صحیح مسلم (۸۳۷) اور آثار السنن (۶۸۹۔۶۹۱)

حدیث نمبر ۳۷: یہ بالکل صحیح ہے کہ نمازِ جمعہ کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس پر اہلِ حدیث کا عمل ہے۔ والحمدللہ

نماز زوال کے بعد پڑھنی چاہئے لیکن خطبہ زوال کے وقت یا زوال سے پہلے بھی جائز ہے اور اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ حالتِ خطبہ میں جو شخص باہر سے مسجد میں آئے گا تو دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے گا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۱۶۶)

حدیث نمبر ۳۸: نبی ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ حق واجب ہے، سوائے چار کے: زرخرید غلام، یا عورت، یا بچہ یا مریض (المستدرک للحاکم ج۱ ص۲۸۸ ح۱۰۶۲) اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ دیہاتی اور شہری، سب پر جمعہ فرض ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۱۰۲ ح۵۰۶۸ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جو اثر آیا ہے کہ "عید اور جمعہ صرف بڑے شہر میں ہو سکتے ہیں" منسوخ یا مرجوح ہے۔

امام ابن شہاب الزہری نے فرمایا: چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھو۔

(مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۱۷۰ ح۵۱۸۸ ملخصاً وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے دیکھئے میرا مضمون: گاؤں میں نمازِ جمعہ کی تحقیق (دیکھئے ص۱۰۴۔۱۳۱)

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا اور پھر یہ لوگ گاؤں میں جمعہ پڑھتے بھی ہیں۔ اسے منافقت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔!

حدیث نمبر ۳۹: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں قراءت

سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

(موطأ امام مالک ج ۱ ص ۱۸۰ ح ۴۵۳ وسندہ صحیح)

امام مالک نے فرمایا: ہمارے ہاں (مدینہ میں) اسی پر عمل ہے۔ (ایضاً)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ قرار دیتے تھے۔

(صحیح بخاری: ۸۰۳)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور اس کی تائید کے لئے دیکھئے سنن ابی داود (۱۵۵۱)

اس کے مقابلے میں ایک روایت میں نماز جنازہ کی طرح چار تکبیروں کا ذکر آیا ہے۔

(سنن ابی داود: ۱۱۵۳، شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۳۴۶)

اس کی سند ابو عائشہ (مجہول الحال) کی وجہ سے ضعیف ہے لہٰذا اسے حسن کہنا غلط ہے۔ اس سلسلے میں طحاوی (۳۴۵/۴) والی ایک روایت حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے منسوخ ہے۔

تنبیہ: طحاوی والی دوسری روایت ابو عائشہ (غیر صحابی) کی وجہ سے ضعیف ہے لہٰذا اسے حافظ ابن حجر کا ''اسنادہ صحیح'' کہنا غلط ہے۔

حدیث نمبر ۴۰: نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۸ ح ۱۳۳۵)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک سورت پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔ (سنن النسائی ج ۱ ص ۲۸۱ ح ۱۹۸۹، وسندہ صحیح، المنتقی لابن الجارود: ۵۳۴، ۵۳۶)

جنازہ سراً بھی جائز ہے۔ (منتقی ابن الجارود: ۵۴۰) اور جہراً بھی جائز ہے۔

(سنن النسائی: ۱۹۸۹)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ ''ہمارے لئے جنازہ میں نہ کوئی قراءت مقرر کی گئی ہے اور نہ کوئی خاص کلام مقرر کیا گیا ہے''

(احمد؟ بحوالہ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

یہ روایت مسند احمد میں نہیں ملی لہٰذا بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اس طرح کی ایک

روایت عبداللہ بن احمد بن حنبل سے مروی ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۹/۳۷۳ ح ۹۶۰۴)
اس کی سند شریک القاضی (مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ایک روایت میں (المعجم الکبیر ۹/۳۷۳ ح ۹۶۰۶، الثقات لابن حبان ۹/۲۵۹) میں شریک مدلس کے علاوہ جابر (الجعفی) سخت ضعیف ہے۔
نیز دیکھئے العلل للدارقطنی (۵/۲۶۲ س ۸۶۷)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت غیر ثابت اور مردود ہے۔

ظہور احمد نے "چہل حدیث" کے آخری صفحے پر اس سلسلے میں ضعیف و غیر ثابت آثار بھی نقل کئے ہیں، جن کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۸۹۔۹۰ ح ۴۰)
نماز کے مسائل کی مزید تحقیق اور سلفی دلائل کے لئے دیکھئے میری کتاب: مختصر صحیح نمازِ نبوی، اور ہدیۃ المسلمین۔ والحمد للہ رب العالمین۔ وما علینا إلا البلاغ

(۱۷/ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

حالتِ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ملانا

سوال حالتِ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر رکھنا چاہئے یا نارمل ہی رہنے دیا جائے؟ (ایک سائل)

الجواب ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أن النبي ﷺ كان إذا سجد ضمّ أصابعه." "نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنی انگلیاں ملا لیتے تھے۔" (صحیح ابن خزیمہ: ۶۴۲، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۹۱۷، دوسرا نسخہ: ۱۹۲۰، المستدرک للحاکم ۱/۲۲۷ ح ۸۲۶ وقال: "صحیح علیٰ شرط مسلم" ووافقه الذهبي في تلخيصه، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۱۲، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۲/۱۹ ح ۲۶ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۲/۱۳۵: "إسناده حسن" سنن الدارقطنی ۱/۳۳۹ ح ۱۲۶۸، البدر المنیر لابن الملقن ۳/۶۶۸ وقال: "هذا الحديث صحيح"، الاوسط لابن المنذر ۳/۱۶۹، اصل صفة

الصلوة على النبي ﷺ للالباني ٢/٢٦-٢٢٧ وقال: ''هو إسناد حسن'')

اگرچہ بہت سے علماء نے اسے صحیح یا حسن کہا ہے لیکن ہشیم بن بشیر الواسطی مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے، ہمارے علم کے مطابق اس روایت کی کسی سند میں سماع کی تصریح نہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھئے بلوغ المرام (۲۴۷ بتحقیقی)

اگر کوئی (مثلاً شیخ عبدالرحمٰن عزیز یا محمد اشتیاق اصغر) کہے کہ آپ نے تسہیل الوصول إلیٰ تخریج صلوٰۃ الرسول (طبع اول ص ۲۶۷، طبع ۲۰۰۵ء ص ۲۱۴) میں اس روایت کو صحیح لکھا ہے اور نمازِ نبوی (ص ۱۸۰) میں اس سے استدلال کیا ہے۔

(دیکھئے عبدالرحمٰن عزیز کی صحیح نماز نبوی ص ۱۸۱)

تو عرض ہے کہ راقم الحروف نے بار بار اعلان کیا ہے کہ میری صرف وہی کتاب معتبر ہے، جسے مکتبۃ الحدیث حضرو یا مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد/ لاہور سے شائع کیا گیا ہے یا اُس کتاب کے آخر میں میرے دستخط ہیں۔ مثلاً دیکھئے مقدمۃ القول المتین فی الجہر بالتامین (ص ۱۲، دوسرا نسخہ ص ۱۹، نوشتہ ۲۲/ دسمبر ۲۰۰۳ء) اور ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۷ ص ۶۰ (نوشتہ ۱۵/ جون ۲۰۰۶ء)

اس واضح اعلان کے بعد بعض الناس کا راقم الحروف کے خلاف نماز نبوی نامی کتاب یا صلوٰۃ الرسول کی تخریج کے حوالے پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

ہر صاحبِ انصاف کے نزدیک معقول عذر مقبول ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میرے دستخطوں کے بغیر بھی ''نماز نبوی صحیح احادیث کی روشنی میں۔ تصحیح و تخریج سے مزین جدید ایڈیشن'' مطبوعہ دارالسلام میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ (دیکھئے ص ۲۲۴ تا ۲۲۶)

امام ہشیم کی روایتِ مذکورہ کی تحقیق کے بعد عرض ہے کہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں آیا ہے: ''**کان النبي ﷺ ... و إذا سجد وجه أصابعه قبل القبلة**'' نبی ﷺ جب سجدہ کرتے تو اپنی انگلیوں کا رخ قبلے کی طرف

کرتے۔ (نصف الرایہ ۱/۲۷۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۱۳، اصل صفۃ الصلوٰۃ علی النبی ﷺ للالبانی ۲/۶۳۹ وقال: وسندہ صحیح کمافی الدرایہ[۷۹])

اس روایت کی سند صحیح نہیں بلکہ دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: ابو اسحاق السبیعی مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۳/۹۱)

دوم: زکریا بن ابی زائدہ مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔ (دیکھئے الفتح المبین ص ۳۸)

اس کا ایک ضعیف شاہد کتاب الاوسط لابن المنذر (۳/۱۶۹، فیہ حارثہ بن محمد وھو ضعیف) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۲۶۴ ح ۲۷۱۲) وغیرہما میں بھی موجود ہے۔

جو لوگ حسن لغیرہ کو حجت بنائے بیٹھے ہیں، اُن کی شرط پر یہ تین ضعیف روایتیں ایک دوسرے سے مل کر حسن لغیرہ بن جاتی ہیں۔!

اسی ضعیف روایت پر اگر عمل کیا جائے، ہاتھ کی پانچوں انگلیوں کو اگر قبلہ رُخ کیا جائے تو تقریباً ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں اور علیحدہ کرنے کی صورت میں اُن کا رخ قبلے سے پھر سکتا ہے۔

امام محمد بن سیرین (ثقہ تابعی) نے فرمایا کہ لوگ یہ پسند کرتے تھے کہ سجدے میں ہاتھوں کی انگلیاں ملائی جائیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۰ ح ۲۶۷۱ وسندہ صحیح)

امام حفص بن عاصم (ثقہ تابعی) نے عبدالرحمٰن بن القاسم (ثقہ تبع تابعی) سے فرمایا: اے بھتیجے! سجدے میں ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر انھیں قبلہ رُخ کردے کیونکہ چہرے کے ساتھ ہاتھ سجدہ کرتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۰ ح ۲۶۷۳ وسندہ صحیح)

امام سفیان ثوری سجدے میں انگلیاں ملاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۰ ح ۲۶۷۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی ہتھیلیوں کو سجدے میں قبلہ رُخ کرنے کے قائل تھے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۴ ح ۲۷۱۳ وسندہ صحیح، ۲۷۱۸، ۲۷۱۹ وسندہ صحیح)

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ سجدے میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر قبلہ رخ رکھنا صحیح وراجح ہے۔ واللہ اعلم (۸/ نومبر ۲۰۰۹ء)

گاؤں میں نمازِ جمعہ کی تحقیق

سوال کیا گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا کرنا جائز ہے؟ (ایک سائل)

الجواب جی ہاں! گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا کرنا جائز بلکہ ضروری ہے، جیسا کہ دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کا ایک تحقیقی مضمون پیشِ خدمت ہے:

الحمدللّٰہ رب العالمین والصّلوٰة والسّلام علٰی رسوله الأمین، أما بعد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ﴾ [سورۃ الجمعہ:۹]

''اے ایمان والو! جب اذان ہو نماز کی دن جمعہ کے، تو دوڑو اللہ کی یاد کو، اور چھوڑ دو بیچنا۔''

(ترجمہ شاہ عبد القادر دہلوی ص ۶۶۸)

احمد علی لاہوری دیوبندی نے اس آیت کا درج ذیل ترجمہ لکھا ہے:

''اے ایمان والو جب جُمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو ذکرِ الٰہی کی طرف لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو'' (مترجم قرآنِ عزیز ص ۸۸۴، تفسیر محمود ج ۳ ص ۳۵۹)

عبد الحق حقانی نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان دیجائے تو اللہ کی یاد کے لئے جلدی چلو اور سودا چھوڑ دو'' (تفسیر حقانی ج ۷ ص ۱۲۵)

اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے آیتِ مذکورہ کے ترجمے میں کہا:

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد کی طرف چل پڑا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو'' (بیان القرآن ج ۲ جلد ۱۲ ص ۶)

شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے لکھا ہے: ''اور دوڑنے سے مُراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے۔ بھاگنا مراد نہیں۔'' (تفسیر عثمانی ص ۷۳۴)

آیتِ مذکورہ میں ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ﴾ سے مراد المؤمنین ہیں۔

مشہور مفسرِ قرآن امام ابوجعفر ابن جریر الطبری السنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"یقول تعالٰی ذکرہ للمؤمنین بہ من عبادہ .... "الخ

اللہ تعالیٰ اپنے مومنین بندوں سے فرماتا ہے...الخ (تفسیر طبری ج ۲۸ ص ۶۵)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: " خاطب اللّٰہ المؤمنین بالجمعة دون الکافرین .. "

اللہ نے جمعہ کے ساتھ مومنین سے خطاب فرمایا ہے، کافروں سے نہیں...

(تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۱۰۰)

قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے فرمایا: " ظاھر في أن المخاطب بالجمعة المؤمنون دون الکفار " ظاہر یہ ہے کہ جمعہ کے ساتھ المؤمنون کو خطاب کیا گیا ہے، کفار کو نہیں۔ (احکام القرآن ج ۴ ص ۱۸۰۲)

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: " و قد أمر اللّٰہ المؤمنین بالاجتماع لعبادتہ یوم الجمعة " اور اللہ نے جمعہ کے دن اپنی عبادت کے لئے المؤمنین کو حکم فرمایا ہے کہ وہ جمع ہو جائیں۔ (تفسیر ابن کثیر نسخہ محققہ ج ۱۳ ص ۵۵۹)

نیز دیکھئے تفسیر الخطیب الشربینی (ج ۴ ص ۳۰۵) اور تفسیر السعدی (ج ۷ ص ۳۸۲)

خطیب شربینی نے لکھا ہے: " أي :أقروا بألسنتھم بالإیمان "

یعنی وہ لوگ جنھوں نے اپنی زبانوں سے ایمان کا اقرار کیا ہے۔ (تفسیر شربینی ج ۴ ص ۳۰۵)

مفسرین کی ان تفسیروں سے ثابت ہوا کہ آیتِ مذکورہ میں المؤمنین (تمام مومنین) مراد ہیں۔ المؤمنین میں ال (الف لام) استغراقی ہے لہٰذا جن کی تخصیص دلیل سے ثابت ہے، اُن کے علاوہ تمام مومنین مراد ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت سے فرضیتِ جمعہ پر استدلال کیا ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (کتاب الجمعہ باب فرض الجمعہ قبل ح ۸۷۶)

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے تھے: "فامضوا إلی ذکر اللّٰہ"

پس اللہ کے ذکر کی طرف چلو۔ (تفسیر ابن جریر طبری ج ۲۸ ص ۶۵ وسندہ صحیح)

صحابی کی تشریح کے مقابلے میں عینی حنفی کا ''دوڑنا'' معنی کرنا غلط ہے۔

آیتِ مذکورہ میں سعی کا معنی ''دوڑنا'' کرنا آثارِ صحابہ کے بھی خلاف ہے اور دیوبندی اکابر کے بھی خلاف ہے۔

﴿وَ ذَرُوا الْبَيْعَ﴾ کا جو مفہوم محمد قاسم نانوتوی دیوبندی نے بتایا ہے، غلط ہے لہٰذا اعلاء السنن (۳۱/۸) نامی دیوبندی کتاب کا حوالہ فضول ہے۔

اس آیت کو ذکر کر کے امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) نے لکھا ہے: ''فاتباع ظاهر كتاب الله عز وجل يجب ولا يجوز أن يستثنٰى من ظاهر الكتاب جماعة دون عدد جماعة بغير حجة ، و لو كان لله في عدد دون عدد مراد لبين ذلك في كتابه أو علٰى لسانه نبيه ﷺ ، فلما عم و لم يخص كانت الجمعة علٰى كل جماعة في دار اقامة علٰى ظاهر الكتاب وليس لأحد مع عموم الكتاب أن يخرج قومًا من جملة بغير حجة يفزع إليها...''

پھر کتاب اللہ کے ظاہر کی اتباع واجب ہے اور ظاہر کتاب سے بغیر دلیل کے کسی جماعت کو چھوڑ کر کسی جماعت کا استثناء جائز نہیں ہے اور اگر اللہ کی مراد کسی خاص عدد سے ہوتی تو اپنی کتاب یا اپنے نبی ﷺ کی زبان پر ضرور بیان کر دیتا، جب اُس نے (آیت کو) عام کر لیا اور تخصیص نہیں کی تو دارِ اقامت میں ظاہر کتاب کی رُو سے ہر جماعت پر جمعہ ضروری ہوا اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ عمومِ کتاب میں سے کسی قوم کو بغیر کسی مضبوط دلیل کے نکال دے۔ الخ (الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف ج ۴ ص ۲۹، ۳۰)

تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوا کہ آیتِ مذکورہ میں شہری مومنین کے ساتھ دیہاتی مومنین بھی شامل ہیں۔ جس طرح شہروں میں اذان (نداء) ہوتی ہے، اُسی طرح گاؤں میں بھی اذان ہوتی ہے لہٰذا جب گاؤں میں جمعہ کی اذان دی جائے تو نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے جانا ضروری ہے اور کسی آیت یا حدیث میں گاؤں میں نمازِ جمعہ کی اذان کہنے سے منع نہیں کیا گیا

لہٰذا بعض کا محمد تقی عثمانی دیوبندی کی کتاب درس ترمذی کا حوالہ دینا فضول ہے۔

سعودی عرب کے چیف جسٹس شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ''نماز جمعہ اور خطبہ کے قیام کے لئے کم از کم کتنے آدمیوں کا ہونا شرط ہے؟''

تو انھوں نے جواب دیا:

''اس مسئلہ میں اہل علم کا بہت اختلاف ہے۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ تین آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ ایک امام اور اس کے علاوہ دو اور آدمی۔ جب کسی بستی میں تین ایسے آدمی موجود ہوں جو شرعاً مکلّف، آزاد اور اس بستی کے رہنے والے ہوں تو وہ جمعہ قائم کریں، ظہر نہ پڑھیں۔ کیونکہ نماز جمعہ کی مشروعیت اور فرضیت پر دلالت کرنے والے دلائل تین اور اس سے زیادہ جتنے بھی آدمی ہوں سب پر عام ہے۔'' (فتاویٰ ج۱ص ۳۷۴،۳۷۳)

سعودی عرب کے مشہور مفتی شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: '' **فيدل ذلك على جواز اقامة الجمعة بالقرى و أنه لا يشترط لاقامة الجمعة المصر الجامع كما قاله طائفة من العلماء . و ممن ذهب إلى جواز اقامة الجمعة في القرى: عمر بن عبدالعزيز و عطاء و مكحول و عكرمة والأوزاعي و مالك و الليث بن سعد والشافعي و أحمد و إسحاق و كان ابن عمر يمر بالمياه بين مكة والمدينة فيرى أهلها يجمعون فلا يعيب عليهم** ... ''پس یہ اس پر دلیل ہے کہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے اور جمعہ قائم کرنے کے لئے مصر جامع کی شرط نہیں ہے جیسا کہ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز، عطاء، مکحول، عکرمہ، اوزاعی، مالک، لیث بن سعد، شافعی، احمد اور اسحاق گاؤں میں نماز جمعہ قائم کرنے کے جواز کے قائل تھے اور ابن عمر (رضی اللہ عنہ) مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی والی جگہوں پر لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تو اُن پر انکار (یعنی اُن کا رد) نہیں کرتے تھے... (شیخ ابن عثیمین کی شرح صحیح بخاری ج۲ص ۵۲۸، ۵۲۹)

امام مالک (بن انس رحمہ اللہ) نے فرمایا: مکہ اور مدینہ کے درمیان پانیوں کے پاس محمد (ﷺ) کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) جمعہ پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۰۷۱ وسندہ صحیح)

ابن ہمام حنفی کا ایک قول: ''ان قوله تعالٰی (فاسعوا الی ذکر اللّٰه) لیس علٰی اطلاقه اتفاقًا بین الائمة اذلا یجوز اقامتها فی البوادی اجماعًا''

''بے شک اللہ تعالیٰ کا قول (فاسعوا الی ذکر اللّٰه) مطلق (یعنی عام) نہیں آئمہ کے درمیان متفقہ طور پر جبکہ دیہات میں جمعہ کا قائم کرنا اجماعاً جائز نہیں''

اس قول کے سلسلے میں تین باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: ابن ہمام حنفی نے ائمہ کے اتفاق کا ثبوت پیش نہیں کیا۔

۲: البوادی کا اردو ترجمہ ''دیہات'' تو غلط ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور صحیح ترجمہ جنگل، صحرا ہے لیکن ابن ہمام نے جنگل صحرا میں جمعہ کے ناجائز ہونے پر اجماع کا ثبوت پیش نہیں کیا اور اس جعلی اجماع کے رد کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ کا مذکورہ بالا ایک حوالہ ہی کافی ہے۔ کیا خیال ہے؟ اگر امیر المومنین اپنی فوج کے ساتھ جنگل یا صحرا میں نمازِ جمعہ پڑھ لیں تو حنفیوں کے نزدیک یہ نماز ہو جائے گی یا نہیں؟!

۳: بوادی کا ترجمہ دیہات غلط ہے۔ بوادی کا واحد بادیہ ہے جو کھلے جنگل کو کہتے ہیں۔ دیکھئے لغت کی کتاب القاموس الوحید (ص ۱۵۵)

ابوبکر الجصاص حنفی نے دعویٰ کیا ہے کہ بوادی اور مناہل الاعراب میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

اس قول کے سلسلے میں چار باتیں پیش خدمت ہیں:

۱: بوادی دیہات کو نہیں بلکہ کھلے جنگل کو کہتے ہیں لہٰذا گاؤں میں جمعہ کے خلاف یہ قول پیش کرنا غلط ہے۔

۲: مناہل کا واحد منھل ہے جو پانی کے گھاٹ اور جنگل میں مسافروں کی منزل پڑاؤ کو کہتے ہیں۔ دیکھئے القاموس الوحید (ص ۱۷۱۸)

لہٰذا قولِ مذکور کا تعلق گاؤں سے نہیں ہے۔

۳: امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحابۂ کرام مکے اور مدینے کے درمیان پانی کی جگہوں (گھاٹ) کے پاس نماز جمعہ پڑھتے تھے۔ حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔

لہٰذا اجماع کا دعویٰ باطل ہوا۔

۴: اگر خلیفۃ المسلمین جنگل اور گھاٹ پر جمعہ پڑھے تو علماء کے ایک گروہ کے نزدیک جمعہ صحیح ہے لہٰذا اجماع کا دعویٰ باطل ہوا۔

دیہات میں خرید وفروخت

یہ ایک حقیقت ہے کہ گاؤں میں بھی خرید وفروخت ہوتی ہے۔ ہر گاؤں میں ایک آدھ دکان ضرور ہوتی ہے جہاں سے لوگ اپنی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء خریدتے ہیں۔ زمینوں پر جو فصلیں اُگتی ہیں مثلاً گندم وغیرہ، اُن کی بھی خرید وفروخت ہوتی ہے لہٰذا ﴿وَ ذَرُوا الْبَيْعَ﴾ کے حکم میں دیہات بھی شامل ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ دیہات میں ہر چیز نہیں ملتی تو عرض ہے کہ بعض شہروں میں بھی ہر چیز نہیں ملتی بلکہ اُن شہروں کے باشندے دوسرے شہروں میں جا کر مطلوبہ چیزیں خریدتے ہیں مثلاً حضرو شہر میں بہت عرصہ تک کارپٹ نہیں ملتا تھا تو لوگ اٹک شہر جاتے تاکہ کارپٹ خریدیں۔ بعض اوقات ایک چیز اٹک میں بھی نہیں ملتی تو لوگ وہ چیز خریدنے کے لئے راولپنڈی، اسلام آباد یا پشاور وغیرہ چلے جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ آیتِ جمعہ سے دیہاتیوں کا استثناء کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ: اجماع بھی شرعی حجت ہے لہٰذا جس کی تخصیص اجماع سے ثابت ہے وہ ٹھیک ہے لیکن یاد رہے کہ آیتِ مذکورہ کے عموم سے دیہاتی کا خارج ہونا اجماع سے ثابت نہیں ہے۔

دوسری دلیل: سیدنا طارق بن شہاب صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة :عبد مملوك ، أو امراة أو صبي أو مريض.))

ہر مسلم پر جماعت کے ساتھ جمعہ حق اور واجب ہے سوائے چار کے: زر خرید غلام، عورت، بچہ یا مریض۔ (سنن ابی داود: ۱۰۶۷، اس کی سند طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے۔)

روایتِ مذکورہ کے بارے میں امام ابوداود نے فرمایا: طارق بن شہاب (رضی اللہ عنہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ (سنن ابی داود ص ۱۶۸)

علامہ نووی نے الخلاصہ میں کہا: اور (ابوداود کا) یہ قول حدیث کے صحیح ہونے پر جرح نہیں کرتا کیونکہ یہ صحابی کی مرسل ہے اور یہ حجت ہے اور (یہ) حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر ہے۔ (نصب الرایہ ج ۲ ص ۱۹۹)

مزید عرض ہے کہ مرسل صحابی کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

''وقد اتفق المحدثون علٰی أنه في حکم الموصول'' اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ موصول کے حکم میں ہے۔ (ہدی الساری ص ۳۵۰، الحدیث الثالث من کتاب الطہارۃ)

نیز دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/۱۵۸، ۱۵۹) اور مقدمہ ابن الصلاح (ص ۷۵)

محمد عبیداللہ الاسعدی نے مرسل صحابی کے بارے میں لکھا ہے: ''جمہور کے نزدیک مقبول و لائق احتجاج ہے'' (علوم الحدیث ص ۱۳۷، اس کتاب پر حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی کی تقریظ ہے۔)

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔ والحمدللہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ استثناء والے اشخاص کے علاوہ ہر شخص پر جمعہ واجب ہے اور اس میں دیہاتی کا استثناء کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

تیسری دلیل: سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((علٰی کل محتلم رواح الجمعة .)) الخ ہر بالغ پر جمعہ کے لئے جانا ضروری ہے۔

(سنن ابی داود: ۳۴۲ وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ: ۱۷۲۱، وابن حبان [الاحسان]: ۱۲۱۷)

اس روایت سے بھی ثابت ہے کہ ہر بالغ شہری اور دیہاتی پر جمعہ ضروری ہے۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ففرض الجمعة واجب علٰی کل بالغ'' اور ہر بالغ پر جمعہ فرض ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۱۱۱ ح ۱۷۲۱)

محتلم سے ہر بالغ مراد ہے، چاہے وہ شہر میں رہتا ہو یا گاؤں میں اور جس کی تخصیص دلیل سے ثابت ہو جائے مثلاً بالغ غلام اور مسافر تو وہ اس کے عموم سے خارج ہے لیکن یاد رہے کہ دیہاتی کی تخصیص کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

چوتھی دلیل: رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ((**لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات أو ليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين .**))

لوگوں کو جمعے (جمعہ کی نمازیں) ترک کرنے سے رکنا چاہئے یا اللہ اُن کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ (صحیح مسلم: ۸۶۵، ترقیم دارالسلام: ۲۰۰۲)

پانچویں دلیل: سیدنا ابو الجعد الضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**من ترك ثلاث جمع تهاونًا بها طبع الله على قلبه .**))

جو شخص سستی کرتے ہوئے اور حقیر سمجھتے ہوئے تین جمعے ترک کر دے گا تو اللہ اُس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ (سنن ابی داود: ۱۰۵۲، وسندہ حسن وحسنہ الترمذی: ۵۰۰ وصححہ ابن خزیمہ: ۱۸۵۷، وابن حبان [الموارد: ۵۵۳، ۵۵۴] والحاکم علیٰ شرط مسلم ۱/۲۸۰ ووافقہ الذہبی)

چھٹی دلیل: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((**من ترك الجمعة ثلاث مرار من غير عذر طبع الله على قلبه .**)) جو شخص عذر کے بغیر تین دفعہ جمعہ ترک کر دے تو اللہ اس کے دل پر (نفاق کی) مہر لگا دیتا ہے۔

(مسند احمد ۳/۳۳۲ وسندہ حسن واللفظ لہ، ابن ماجہ: ۱۱۲۶، وصححہ ابن خزیمہ: ۱۸۵۶، والبوصیری فی زوائد ابن ماجہ)

ساتویں دلیل: سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی ضرورت کے بغیر تین جمعے ترک کر دے تو اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۰۰ وسندہ حسن، شرح مشکل الآثار للطحاوی ج ۸ ص ۲۱۰ ح ۳۱۸۴)

آٹھویں دلیل: سیدنا عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُمت کی ہلاکت اُن لوگوں کے ہاتھوں پر بیان فرمائی جو ((**يدعون الجماعات والجمع**)) نماز باجماعت اور جمعہ پڑھنا چھوڑ دیں گے۔

(کتاب المعرفہ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ج۲ص ۷ ۵۰ وسندہ حسن، شعب الایمان للبیہقی ج ۳ص ۱۲۱ح ۲۷۴۹ ۲۷، نسخہ محققہ وقال المحقق: اسنادہ حسن)

نویں دلیل: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کے بارے میں فرمایا جو جمعہ سے پیچھے رہتے تھے: ((لقد هممت أن آمر رجلاً يصلّي بالناس ثم أحرّق علىٰ رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم .))

میں نے یہ ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم دوں پھر اُن لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو جمعہ سے پیچھے رہتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۶۵۲، دارالسلام: ۱۴۸۵)

دسویں دلیل: سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ حق واجب ہے سوائے چار کے: زرخرید غلام، یا عورت، یا بچہ یا مریض۔ (المستدرک للحاکم ج ۱ص ۲۸۸ ح ۱۰۶۲، وصححہ علیٰ شرط الشیخین وقال الذہبی: صحیح)

اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے شاذ قرار دیا ہے لیکن اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور حاکم وذہبی دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔ اصولِ حدیث کا یہ مسئلہ ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت معتبر ہوتی ہے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''اور تمام محدثین کا اس امر میں اتفاق ہے۔ کہ ثقہ کی زیادت قابل قبول ہے۔''

(احسن الکلام طبع دوم ج ۱ص ۱۹۳، باب دوم پہلی حدیث)

ان دس دلائل اور دیگر دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان پر نمازِ جمعہ فرض ہے، سوائے اُن کے جن کی تخصیص یا استثناء دلیل کے ساتھ ثابت ہے۔ درج ذیل معذورین کی تخصیص دلائل کے ساتھ ثابت ہے:

۱: غلام

۲: عورت۔

۳: نابالغ بچہ

۴: بیمار

۵: مسافر

۶: شرعی عذر مثلاً بارش وغیرہ

۷: خوف

لیکن کسی ایک دلیل میں بھی دیہاتی کا استثناء یا تخصیص ثابت نہیں لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شہری اور دیہاتی پر جمعہ فرض ہے، سوائے اُن کے جن کی تخصیص ثابت ہے۔

آثارِ سلف صالحین

ان دلائلِ مذکورہ کے بعد اب آثارِ سلف صالحین پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**من ترك الجمعة ثلاث جمع متواليات فقد نبذ الإسلام وراء ظهره** ''جس شخص نے لگا تار تین جمعے ترک کر دیئے تو اُس نے اسلام کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔

(مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۱۰۲ ح ۲۷۱۲ وسندہ صحیح وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۲/۱۹۳: ''ورجاله رجال الصحيح''

وقال المنذری فی الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۵۱۱ ح ۱۰۸۲: ''رواه أبو يعلى موقوفًا بإسناد صحيح'')

۲) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''**أنهم كتبوا إلى عمر يسألونه عن الجمعة فكتب: جمّعوا حيث كنتم** ''لوگوں نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا، وہ جمعہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو انھوں نے لکھ بھیجا: تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۰۶۸ وسندہ صحیح)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ (بہت سے) لوگوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جمعہ پڑھنے کا مسئلہ پوچھا تھا تو انھوں نے لوگوں کو حکم دیا: تم جہاں بھی ہو نمازِ جمعہ پڑھو۔ اس اثر پر امام ابن ابی شیبہ نے درج ذیل باب باندھا ہے:

''**من كان يرى الجمعة في القرى وغيرها** ''جو شخص گاؤں وغیرہ میں جمعہ کا قائل ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ تحقیق محمد عبدالسلام شاہین ج ۱ ص ۴۴۰)

یعنی محدثینِ کرام نے اس اثر سے یہ ثابت کیا ہے کہ گاؤں وغیرہ میں جمعہ پڑھنا چاہئے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: "وھذا یشمل المدن والقری"
اور یہ شہروں اور گاؤں پر مشتمل ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰ تحت ح ۸۹۲)
یعنی اس فاروقی حکم سے مراد شہر بھی ہیں اور گاؤں بھی ہیں۔
یہ ظاہر ہے کہ لوگ شہروں میں بھی رہتے تھے اور دیہات وغیرہ میں بھی رہتے تھے اور اس اثر میں صرف سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سوال نہیں بلکہ بہت سے لوگوں نے یہ مسئلہ پوچھا تھا۔
امام ابوبکر بن ابی شیبہ اور حافظ ابن حجر العسقلانی کی اس تشریح کے مقابلے میں عینی حنفی کی تاویل باطل ہے۔

۳) امام ایوب السختیانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مکے اور مدینے کے درمیان پانی والی جگہوں پر رہنے والے لوگوں کی طرف عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ) نے لکھ بھیجا تھا کہ نمازِ جمعہ پڑھو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۶۹ ح ۵۱۸۱ وسندہ صحیح)
اس اثر کے بعد امام عبدالرزاق نے بغیر کسی سند کے لکھا ہے کہ عطاء نے فرمایا:
ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ مصر جامع کے علاوہ جمعہ نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۱۶۹)
اس کی سند منقطع اور بے سند ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۴) امام زہری رحمہ اللہ (تابعی) سے امام معمر بن راشد نے ایسے گاؤں کے بارے میں پوچھا جو جامعہ نہ ہو (یعنی چھوٹا گاؤں ہو) جس میں لوگ جمعہ پڑھتے ہیں، کیا میں اُن کے ساتھ جمعہ پڑھوں اور قصر کروں؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں!
(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۷۰ ح ۵۱۸۸ وسندہ صحیح)
اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام زہری کے نزدیک چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

۵) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں عبدالدائم جلالی دیوبندی نے لکھا ہے:
"اور آپ کا مکان بصرہ سے دو میل کے فاصلے پر زاویہ نامی گاؤں میں تھا۔"
(صحیح بخاری: مطبوعہ المکتبۃ العربیہ اقبال ٹاؤن لاہور ج ۱ ص ۵۰۹ قبل ح ۸۶۰)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے کہ" أحیانًا یجمع و أحیانًا لا یجمّع "آپ بعض دفعہ جمعہ پڑھتے تھے اور بعض دفعہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ (قبل ح ۹۰۲)

جمعہ نہ پڑھتے تھے کی تشریح میں عبدالدائم جلالی نے لکھا ہے:

"(بلکہ بصرہ کی جامع مسجد میں آکر پڑھتے تھے)" (صحیح بخاری مترجم ج ۱ ص ۵۰۹)

حافظ ابن حجر نے اس اثر کی تشریح میں لکھا ہے:

" أي یصلی بمن معه الجمعة أو یشهد الجمعة بجامع البصره "

یعنی آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جمعہ پڑھ لیتے یا بصرے کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھتے تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۵ تحت ح ۹۰۲)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ زاویہ (نامی ایک گاؤں) میں عید کی نماز پڑھتے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۹۸۷ کتاب العیدین باب اذا فاتہ العید یصلی رکعتین)

جب عید کی نماز گاؤں میں جائز ہے تو جمعہ بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

۶) امام مالک رحمہ اللہ نے بتایا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی والی جگہوں کے پاس صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) جمعہ پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲، وسندہ صحیح إلی الامام مالک)

۷) امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں "باب الجمعة في القری والمدن" باندھ کر یہ اشارہ کیا ہے کہ گاؤں اور شہروں میں جمعہ جائز ہے۔

مذکورہ باب کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (مع فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۹)

۸) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

" وعند عبدالرزاق بإسناد صحیح عن ابن عمر أنه کان یری أهل المیاه بین مکة و المدینة یجمعون فلایعیب علیهم "اور صحیح سند کے ساتھ عبدالرزاق کی روایت ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) مکے اور مدینے کے درمیان پانی والی جگہوں پر رہنے والے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تو اُن پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جس روایت میں آیا ہے کہ "إذا کان علیهم

أمير فليجمع " جب اُن پر کوئی امیر ہو تو جمعہ پڑھائے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۷۸/۳)

اس کی سند مولیٰ لآل سعید بن العاص کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نیموی نے لکھا ہے: " **قلت : إسناده مجهول** " میں نے کہا: اس کی سند مجہول ہے۔

(آثار السنن ص ۴۵۳ تحت ۸۹۹)

۹) دو صحیح اور حسن لذاتہ حدیثوں پر امام ابوداود نے باب باندھا ہے:

" **باب الجمعة في القرى** " گاؤں میں جمعے کا باب (سنن ابی داود ص ۱۶۸ قبل ح ۱۰۶۸)

اور امام ابوداود نے گاؤں میں جمعہ نہ ہونے پر کوئی باب نہیں باندھا لہٰذا ثابت ہوا کہ امام ابوداود گاؤں میں نمازِ جمعہ کے جواز یا وجوب کے قائل تھے۔

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے اس باب کی تشریح میں لکھا ہے:

" **أي حكم الجمعة في القرى فتجب على أهل القرى أن يجمعوا فيها...** "

یعنی دیہات میں جمعہ کا حکم پس دیہاتیوں پر جمعہ پڑھنا واجب ہے...الخ

(بذل المجہود ج ۶ ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

۱۰) عطاء بن ابی رباح (تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: " **إذا كانت قرية لازقة بعضها ببعض جمّعوا** " اگر ایسا گاؤں ہو، جس کے گھر ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں تو وہ جمعہ پڑھیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ مطبوعہ: مکتبۃ الرشد الریاض ج ۲ ص ۵۳۸ ح ۵۱۰۸ وسندہ حسن، مصنف ابن ابی شیبہ: نسخہ محمد عوامہ ج ۴ ص ۴۸ ح ۵۱۱۰)

اس اثر کے راوی معقل بن عبید اللہ الجزری رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے اور باقی سند صحیح ہے۔

اس اثر پر امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے " **من كان يرى الجمعة في القرى وغيرها** " کا باب باندھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز یا واجب ہے۔

بعض اعتراضات کے جوابات

اب بعض الناس کے بعض اعتراضات اور شبہات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد پہلا جمعہ "جواثاء قرية من قرى البحرين ، قال عثمان :قرية من قرى عبدالقيس" بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں جواثا، عثمان (بن ابی شیبہ) کی روایت کے مطابق: عبدالقیس (قبیلے) کے گاؤں میں سے ایک گاؤں میں/ پڑھا گیا۔ (سنن ابی داود: ۱۰۶۸)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور عثمان بن ابی شیبہ پر بعض الناس کی جرح مردود ہے۔
عثمان مذکور رحمہ اللہ صحیحین، سنن ابی داود، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے راوی تھے۔
صحیح بخاری میں اُن کی تقریباً اکسٹھ (۶۱) روایتیں موجود ہیں۔
دیکھئے مفتاح صحیح البخاری (ص ۱۱۶، ۱۱۷)

جمہور محدثین نے انھیں ثقہ وصدوق قرار دیا ہے اور ایسے راوی پر جرح مردود ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ محمد بن عبداللہ المخرمی نے بھی جواثا کو قریہ (گاؤں) کہا ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (مجلد واحد طبع دار السلام ص ۱۶۲)
امام بیہقی کی کتاب السنن الکبریٰ میں عبداللہ بن المبارک عن ابراہیم بن طہمان کی روایت میں بھی " بجواثا قرية من قرى عبدالقيس " لکھا ہوا ہے۔ (دیکھئے ج ۳ ص ۱۷۶)

معلوم ہوا کہ عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ پر یہاں اعتراض سرے سے مردود ہے اور یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ راویٔ حدیث کی روایت یا تشریح کے مقابلے میں معجم البکری ہو یا کوئی دوسرا مثلاً ابوالحسن اللخمی وغیرہ ہو، اس کی بات ہمیشہ مردود ہوتی ہے۔

عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں بعض الناس نے پرائمری ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی کی کتاب تجلیاتِ صفدر کے حوالے سے لکھا ہے کہ " جواثی کے بارے میں قریہ (گاؤں) کا لفظ سنن ابوداود میں عثمان بن ابی شیبہ کا ہے جو کہ خود ضعیف راوی ہیں (میزان الاعتدال بحوالہ تجلیات صفدر)"

عرض ہے کہ میزان الاعتدال میں عثمان مذکور کو ضعیف نہیں بلکہ "صح" لکھا ہوا ہے۔
(دیکھئے ج ۳ ص ۳۵ ت ۵۵۱۸)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ جس کے ساتھ "صح" کی علامت لکھیں تو وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔ دیکھئے حافظ ابن حجر کی کتاب لسان المیزان (ج ۲ ص ۱۵۹، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۲۸۹)

حافظ ذہبی نے اپنی دوسری مشہور کتاب میں عثمان مذکور کے بارے میں لکھا ہے:

"**لا ریب أنه کان حافظًا متقنًا**" الخ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ متقن (ثقہ) حافظ تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۵۲)

تنبیہ: عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے قرآن مجید کا غلط طور پر پڑھنا باسند صحیح ثابت نہیں ہے اور اس سلسلے کی ساری روایات ضعیف و مردود ہیں۔

دوسرے یہ کہ دوسرے دو ثقہ راویوں نے بھی قریہ (گاؤں) کا لفظ روایت کیا ہے لہٰذا ثقہ راوی پر جرح سرے سے مردود ہے۔ والحمد للہ

جواثا شہر نہیں بلکہ گاؤں تھا اور یہ عین ممکن ہے کہ بعد میں شہر ہو گیا ہو۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے: "**مع احتمال أن تکون فی الأول قریة ثم صارت مدینة**" اس احتمال کے ساتھ کہ یہ پہلے گاؤں ہو اور بعد میں شہر ہو گیا ہو۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۱ تحت ح ۸۹۲)

حافظ ابن حجر کے مقابلے میں چودھویں صدی کے نیموی تقلیدی اور درس ترمذی (۲/۲۶۸) وغیرہما کے حوالے بے کار ہیں۔

عینی حنفی کے بارے میں عبدالحئی لکھنوی حنفی نے لکھا ہے: "**و لو لم یکن فیه رائحة التعصب المذهبی لکان أجود و أجود**" اور اگر اُن میں مذہبی تعصب کی بُو نہ ہوتی تو بہت بہتر ہوتا۔ (الفوائد البہیہ ص ۲۰۷، محمود بن احمد بن موسیٰ العینی)

۲) سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) اسعد بن زرارہ (رضی اللہ عنہ) نے سب سے پہلے ہمیں ہَـزْمِ النَّبِیت (کی بستی) میں مقام نقیع پر جمعہ پڑھایا جو کہ بنو بیاضہ کی زمین میں واقع ہے، اسے نقیع الخضمات بھی کہتے ہیں۔

(سنن ابی داود ترجمۃ الشیخ ابی انس محمد سرور گوہر قصوری حفظہ اللہ ج ۱ ص ۳۶۸، ۳۶۹ ح ۱۰۶۹، باختلاف یسیر)

اس وقت وہاں صحابہ کی تعداد چالیس (۴۰) تھی۔

دیکھئے سنن ابی داود مع عون المعبود (ج۱ص۴۱۴)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے، امام المغازی محمد بن اسحاق بن یسار نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ج۳ص۱۱۳ح ۱۷۲۴) اور صحیح ابن الجارود (المنتقیٰ:۲۹۱)

اسے ابن خزیمہ اور ابن الجارود کے علاوہ حاکم اور ذہبی دونوں نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

دیکھئے المستدرک والتلخیص (ج۱ص۲۸۱)

امام بیہقی نے فرمایا: ''**وھذا حدیث حسن الإسناد صحیح**'' اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن (اور) صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ ج۳ص۱۷۷)

ہزم النبیت مدینہ طیبہ کے نزدیک حرہ بنی بیاضہ کا ایک موضع تھا۔

دیکھئے المنہل العذب المورود شرح سنن ابی داود (ج۶ص ۲۱۸، ۲۱۹ واللفظ لہ) عون المعبود (ج۱ص۴۱۴) اور بذل المجہود (ج۶ص۵۳)

حرہ بنی بیاضہ کسے کہتے ہیں؟ اس کی تشریح میں عینی حنفی نے فرمایا:

''**ھی قریة علٰی میل من المدینة**'' یہ مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا۔ (شرح سنن ابی داود للعینی ج۴ص۳۹۵)

نیز دیکھئے بذل المجہود (ج۶ص۵۳ نقلہ عن العینی) اور عون المعبود (ج۱ص۴۱۴)

اس حدیث پر درج ذیل محدثینِ کرام نے گاؤں میں جمعہ کے ابواب باندھے ہیں:

۱: امام ابوداود (قال: باب الجمعة فی القریٰ)

۲: بیہقی (قال : باب العدد الذین إذا کانوا في قریة و جبت علیھم الجمعة)

محدث ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے فرمایا:

''**و فی الحدیث من الفقه أن الجمعة جواز ھا فی القریٰ کجوازھا فی المدن والأمصار لأن حرة بني بیاضة یقال قریة علٰی میل من المدینة**''

اور (اس) حدیث میں یہ فقہ ہے کہ جس طرح شہروں میں جمعہ جائز ہے، اُسی طرح دیہات میں بھی جمعہ جائز ہے کیونکہ حرہ بنی بیاضہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر گاؤں تھا۔ (معالم السنن ج ۱ص ۲۱۱)

محدثین کی ان تصریحات کے مقابلے میں بہت بعد کی تفسیر روح المعانی وغیرہ کے حوالوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''صحابہ نے یہ جمعہ اپنے اجتہاد سے فرضیتِ جمعہ سے پہلے ہی پڑھ لیا تھا..... یہ جمعہ صحابہ کرامؓ نے اپنے اجتہاد سے پڑھا تھا اور اس وقت جمعہ کے احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے لہٰذا اس واقعہ سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔''

(ایک تقلیدی فتویٰ ص ۵، ۶)

عرض ہے کہ صحابہ کا یہ اجتہاد دیوبندی وتقلیدی ''فقہاء'' کے اجتہادات سے ہزار گنا بہتر ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس وقت رسول اللہ ﷺ زندہ تھے لیکن آپ نے اُن کے اجتہاد کا کوئی رد نہ فرمایا۔ تیسرے یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہ جمعہ ہو گیا تھا یا نہیں؟ جواب دیں۔!

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادات رد کر کے اپنے تقلیدی دیوبندی اکابر کے اجتہادات منوانا کہاں کا انصاف ہے؟!

یہ کہنا کہ یہ ''حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ موقوف ہے'' دو وجہ سے مردود ہے:

اول: صحابۂ کرام کا یہ عمل اور موقوف روایت تمام حنفی فقہاء کے مقابلے میں راجح اور مضبوط ہے۔ کہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور کہاں حنفی فقہاء؟ سبحان اللہ!

دوم: دیوبندی اصولِ حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ ''صحابی کا یہ بیان کہ صحابہ ایسا کہتے تھے یا کرتے تھے، یا فلاں کام میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔

۱: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف نسبت کر کے ایسا کہا جائے تو صحیح یہ ہے کہ مرفوع قرار پائے گی جیسے.....''

(علوم الحدیث تالیف محمد عبید اللہ الاسعدی، نظر ثانی وتقریظ حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی ص ۴۴)

نیز دیکھئے محمد ارشاد القاسمی (دیوبندی) کی کتاب: ارشاد اصول الحدیث (ص ۵۰)

۳) اسی مضمون میں آثارِ سلف صالحین (اثر نمبر۲) کے تحت گزر چکا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: لوگوں نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف لکھا، وہ جمعہ کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو انھوں نے لکھ بھیجا: تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۰۶۸ وسندہ صحیح، باب من کان یری الجمعۃ فی القری وغیرہا)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: یہ شہروں اور گاؤں پر مشتمل ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰)

اس فاروقی حکم کے بارے میں محدثین کرام اور شارحینِ حدیث کے فہم کے مقابلے میں یہ لکھ دینا کہ ''تو دیہات کا لفظ کہیں ثابت نہیں ہے۔'' غلط اور مردود ہے۔

٤) حافظ ابن حزم اندلسی (متوفی ۴۵۶ھ) کے ایک قول کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت کا مدینہ چھوٹے چھوٹے گاؤں پر مشتمل تھا۔

دیکھئے المحلّٰی (ج ۵ ص ۵۴ مسئلہ نمبر ۵۲۳)

اس کی تائید سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ہوتی ہے، جو ہمارے مضمون کے اسی باب کے نمبر۲ میں گزر چکی ہے۔

بعض الناس نے بغیر کسی صریح دلیل کے ابن حزم پر تنقید کی ہے اور اسے ''ابن حزم کی اندھی تقلید'' قرار دیا ہے۔ عرض ہے کہ عینی حنفی نے یہ قول نقل کر کے اسے تین وجہ سے ''غیر جید'' یعنی غیر صحیح قرار دیا ہے:

اول: علی رضی اللہ عنہ کا قول، جو کہ مدینہ کو سب سے زیادہ جانتے تھے:

'' لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع . ''

دوم: امام (خلیفہ) جہاں بھی ہو جمعہ جائز ہے۔

سوم: امام کو اختیار ہے، وہ جسے شہر قرار دے وہ شہر ہے۔ (شرح سنن ابی داود ج ۴ ص ۳۹۳)

عرض ہے کہ ان تینوں دلیلوں سے مدینہ طیبہ کی اُس دور کی بستیوں کی تردید نہیں ہوتی

اور خود عینی نے حرہ بنی بیاضہ کو مدینے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تسلیم کیا ہے۔
دیکھئے یہی باب (فقرہ نمبر ۲) اور شرح سنن ابی داود للعینی (ج ۴ ص ۳۹۵)
لہٰذا بعد والے لوگوں کا بغیر کسی صریح اور صحیح دلیل کے ابن حزم کا رد کرنا غلط ہے۔

۵) مشہور ثقہ تابعی امام زہری رحمہ اللہ کے ایک قول کا خلاصہ یہ ہے کہ چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھو۔ دیکھئے یہی مضمون آثارِ سلف صالحین (نمبر ۴)
اس کے بارے میں بعض الناس نے لکھا ہے:
''امام زہریؒ تابعی ہیں اور امام ابوحنیفہؒ بھی تابعی ہیں اور امام ابوحنیفہ خود بھی مجتہد ہیں تو امام زہریؒ کا قول امام ابوحنیفہؒ پر حجت نہیں ہے'' (ایک قلمی مضمون ص ۸)

بعض الناس کا یہ کلام چار وجہ سے مردود ہے:
اول: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے باسند صحیح یہ ثابت نہیں ہے کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا لہٰذا امام زہری اور امام ابوحنیفہ دونوں میں اس مسئلے پر کوئی مخالفت نہیں ہے۔
دوم: امام زہری رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ کسی صحیح صریح دلیل کے خلاف نہیں ہے بلکہ ہمارے ذکر کردہ دلائل اور آثارِ سلف صالحین اُس کے مؤید ہیں۔
سوم: حنفیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری امام ابوحنیفہ کے استاذوں میں سے تھے۔ دیکھئے حدائق الحنفیہ (ص ۴۶)
چہارم: یہ قول امام ابوحنیفہ پر بطورِ حجت پیش نہیں کیا گیا بلکہ حنفیوں اور آلِ دیوبند پر بطورِ الزام پیش کیا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ امام زہری رحمہ اللہ کو جلیل القدر تابعی اور اکابر اہلِ سنت میں سے مانتے ہیں لہٰذا امام ابوحنیفہ کے استاذ کے مقابلے میں تمام آلِ دیوبند اور حنفی فقہاء کے فتوے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تنبیہ: کیا امام ابوحنیفہ تابعی تھے یا نہیں تھے؟ اس کا ہمارے حالیہ موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا ہم یہاں فی الحال اس پر کوئی بحث نہیں کرتے۔ راجح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ تابعی نہیں تھے اور اس کا اعتراف خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ثابت ہے اس موضوع پر

تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۷ ص ۱۸۔۲۲)

۶) بعض الناس نے ابوبکر الجصاص وغیرہ حنفی فقہاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''بے شک انھوں (فقہاء) نے اجماع کیا ہے کہ جمعہ دیہاتوں اور چھوٹی بستیوں میں جائز نہیں ہے۔'' (ایک قلمی مضمون ص ۲)

عرض ہے کہ قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور آثارِ سلف صالحین کے مقابلے میں حنفی فقہاء کا اجماع کوئی حجت نہیں ہے۔

یاد رہے کہ اجماع وہ حجت ہے جس پر ساری اُمتِ مسلمہ کے تمام اہلِ حق علماء کا اتفاق ہو لہٰذا صرف حنفی فقہاء کا اجماع کوئی دلیل نہیں ہے۔

گاؤں میں جمعہ کے مخالفین کے شبہات اور اُن کے جوابات

آخر میں اُن لوگوں کے شبہات کا خلاصہ اور اُن شبہات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں، جو لوگ گاؤں میں نمازِ جمعہ قائم کرنے کے مخالف ہیں:

۱: رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں نمازِ جمعہ نہیں پڑھی بلکہ ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں دو دو کر کے جمع کر کے پڑھیں۔

ظہر وعصر کی مذکورہ جمع بین الصلوٰتین (جمع تقدیم کے ساتھ) کے لئے دیکھئے صحیح مسلم (ح ۱۲۱۸، ترقیم دار السلام: ۲۹۵۰ باب حجۃ النبی ﷺ)

دو دو رکعتوں کے لئے دیکھئے محمد زکریا کاندھلوی دیوبندی کی کتاب: حجۃ الوداع (ص ۸۲) اور شیخ البانی کی کتاب: مناسک الحج والعمرۃ (ص ۲۸ فقرہ: ۶۴)

یہ جمع بین الصلوٰتین کیوں ہے؟ اس کے بارے میں شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے کہا:

''**وهذا الجمع كجمع المزدلفة جمع نسك عندنا**'' اور یہ جمع ہمارے نزدیک حج کی جمع (**جمع نسك**) ہے جیسے کہ مزدلفہ میں (نماز) جمع کی جاتی ہے۔

(فتح الملہم ج ۳ ص ۲۸۶ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ کراچی)

اس حنفی قول سے ثابت ہو گیا کہ حج کے دن جمعہ نہ پڑھنا بلکہ ظہر وعصر کی دو نمازیں جمع

کر کے بطورِ قصر پڑھنا حج کی خصوصیت میں سے ہے۔

دیوبندی اور حنفی فقہاء کے اس استدلال کے مقابلے میں بذل المجہود کے دیوبندی حوالے کی کوئی حیثیت نہیں ہے بصورتِ دیگر ''مؤدبانہ'' درخواست ہے کہ امام ابوحنیفہ یا امام طحاوی سے باسند صحیح ثابت کریں کہ ''حج والی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں'' اور اگر ثابت نہ کرسکیں تو یہ استدلال غلط ہے۔

۲: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي، إلخ (صحیح بخاری:۹۰۲)

اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ظہور الباری اعظمی دیوبندی نے لکھا ہے:

''کہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے اپنے گھروں سے اور عوالی مدینہ (تقریباً مدینہ سے چار میل دور) سے (مسجد نبوی میں) آیا کرتے تھے۔''

(صحیح بخاری مترجم مع حواشی محمد امین اوکاڑوی دیوبندی ج ۱ ص ۴۴۱ ح ۸۵۵)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے:

'' أي يجيئون ... وهذا رد على الكوفي الذي لا يوجبها على من كان خارج المصر '' إلخ یعنی وہ آتے تھے.... اور یہ اُس کوفی کا رد ہے جو شہر سے باہر جمعہ کو واجب قرار نہیں دیتا۔ الخ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۲ ص ۴۸۲)

اس حدیث میں الناس سے مراد مدینہ کے لوگ اور عوالی کے لوگ ہیں جیسا کہ الفاظِ حدیث سے ظاہر ہے۔ نیز دیکھئے بذل المجہود (ج ۶ ص ۲۶)

کیا خیال ہے کہ مدینہ کے لوگوں پر بھی جمعہ فرض نہیں تھا، جو وہ باری باری آتے تھے؟ اگر اہلِ مدینہ پر جمعہ فرض تھا تو پھر اس حدیث سے عوالی (دیہات) میں جمعہ فرض نہ ہونے پر استدلال غلط ہے۔

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے کہ مصنف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ شہر سے باہر عوالی اور دیہات والوں پر جمعہ واجب ہے الخ (بذل المجہود ج ۶ ص ۲۶)

اور بعد میں سہارنپوری نے مصنف (یعنی محدث اور راویٔ حدیث) کا رد کیا ہے لیکن عرض

ہے کہ محدثینِ کرام کے مقابلے میں چودھویں صدی والے دیوبندیوں کی کون سنتا ہے؟

تنبیہ: اس حدیث کی کسی سند میں یہ ثابت نہیں ہے کہ اہلِ مدینہ اور عوالی والے جب مسجدِ نبوی میں حاضر نہ ہوتے تو اپنی مسجدوں میں نمازِ جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ اگر کسی شخص کا خیال ہے کہ وہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے تو وہ دلیل پیش کرے۔

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر کے مقابلے میں یہاں علامہ قرطبی کی تحقیق زیادہ راجح ہے کیونکہ ظاہر قرآن، احادیثِ صحیحہ اور آثارِ سلف صالحین اُن کے مؤید ہیں۔

بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''تو جو لوگ باری باری آتے تھے ان میں جو پیچھے رہ جاتے وہ جمعہ نہیں پڑھتے تھے جیسا کہ جواثا والی حدیث سے ثابت ہے'' الخ

عرض ہے کہ صحیح سند کے ساتھ ینتابون کا زمانہ (مہینہ، سال) اور جواثا والی حدیث کا زمانہ ثابت کریں ورنہ یہ استدلال غلط ہے۔

کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے آنے والے یہ لوگ صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے اور اُن کا مقصد نبی کریم ﷺ کی صحبتِ بابرکت سے فائدہ اٹھانا اور مسجد نبوی میں نمازوں کا ثواب حاصل کرنا نہیں تھا۔

کاش کہ ہمیں بھی وہ مبارک دور ملتا تو مسجدِ نبوی کی طرف سفر کر کے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے اور آپ سے ملاقات کر کے اور آپ کی بابرکت صحبت سے مستفید ہوتے۔

۲: عید والے دن نمازِ عید کے بعد لوگوں کو نمازِ جمعہ کی رخصت دینا ایک خاص بات ہے اور اہلِ حق کا اس پر عمل ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عید اور جمعہ اکٹھے دن کے علاوہ دوسرے جمعہ کے دنوں میں گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں ہے یا اُن کے لئے نماز جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

خاص دلیل کو عام دلیل کے مقابلے میں ٹکرا کر عام کو ختم کر دینا غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ خاص مسئلے میں خاص دلیل پر اور اس کے علاوہ باقی مسائل میں عام دلیل پر عمل جاری رہتا ہے۔ مثلاً نماز میں (حنفیوں کے نزدیک) قراءت فرض ہے لیکن جو گونگا شخص قراءت

کرہی نہیں سکتا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ باقی تمام لوگوں پر قراءت (قراءتِ فاتحہ) فرض ہے اور گونگا مجبور محض ہونے کی وجہ سے اس عموم سے خارج ہے۔

اگر گونگے پر استدلال کر کے کوئی شخص مطلقاً قراءت کی فرضیت کا انکار کر دے تو حنفیہ اور آلِ دیوبند کے نزدیک بھی یہ غلط ہے۔

٤: قبا میں دس روز قیام والی حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے جمعہ نہیں پڑھا تھا اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ نہیں پڑھا تھا تو عرض ہے کہ اُس وقت آپ مسافر تھے اور مسافر پر (ہمارے اور آپ کے نزدیک) بالاتفاق جمعہ فرض نہیں ہے لہٰذا اس واقعے سے استدلال غلط ہے۔

بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''امام ابراہیم نخعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ دیہات میں جمعہ کے قائل ہی نہیں تھے۔'' (ص ۱۲)

عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ سے یہ مسئلہ باسند صحیح ثابت ہی نہیں ہے اور رہ گئے ابراہیم نخعی اور قاضی ابو یوسف کے اقوال تو ان کی صحیح سندیں پیش کریں اور اگر صحیح سندیں پیش نہ کر سکیں تو یہ مذکورہ کلام غلط و مردود ہے۔

کتاب الآثار نامی کتاب محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۵۵ ص ۳۶)

ابن فرقد مذکور کی توثیق کسی معتبر امام سے ثابت نہیں ہے بلکہ امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، امام عمرو بن علی الفلاس اور امام ابوزرعہ الرازی وغیرہم جمہور محدثین سے اُس پر جرح ثابت ہے۔ دیکھئے الحدیث: ۵۵ (ص ۲۸)

لہٰذا کتاب الآثار کا حوالہ بے کار ہے۔

بعض الناس نے حسن بصری اور محمد بن سیرین کے بارے میں آثار السنن (تقلیدی کتاب) کا حوالہ دیا ہے (کہ ان دونوں نے فرمایا: **الجمعة فی الأمصار** [جمعہ شہروں میں ہے])

عرض ہے کہ ان آثار کی سند ضعیف ہے۔ ان کے راوی ہشام بن حسان مدلس تھے۔

دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (طبقہ ثالثہ ۱۱۰/۳ ص ۶۵)

اور مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، ماسٹر امین اوکاڑوی کے استاد سرفراز خان صفدر دیوبندی نے کہا:

''مدلّس راوی عَنْ سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں....'' (خزائن السنن ج ۱ ص ۱)

ایک روایت کے بارے میں امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''یہ حدیث سنداً (سند کے اعتبار سے) ضعیف ہے کیونکہ ابو زبیر مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے....'' (جزء رفع الیدین بحاشیہ اوکاڑوی ص ۳۱۸ ح ۵۶)

۵: اہلِ قبا کا نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر آپ کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کی دلیل نہیں ہے کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا۔

۶: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جمعہ کو قباء سے (مدینہ میں) حاضر ہوں۔ (ترمذی صفحہ ۲۲۶ حدیث: ۵۰۱)

اول: اس کا راوی ثویر بن ابی فاختہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا:

''**ضعیف رمی بالرفض** ''ضعیف ہے، اُسے رافضی قرار دیا گیا ہے۔

(تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۰۳ ترجمہ: ۸۶۲)

ضعیف رافضی کی روایت مردود ہوتی ہے۔

دوم: رجل من اہل قباء مجہول ہے۔

دوسرے یہ کہ اس ضعیف و مردود روایت سے بھی گاؤں میں جمعہ نہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور سنن ترمذی کے مجہول محشی کی بات بے دلیل ہے۔

۷: ایک روایت میں آیا ہے: '' **خمسة لا جمعة عليهم: المرأة والمسافر والعبد والصبي وأهل البادية** '' پانچ آدمی ہیں جن پر جمعہ (واجب) نہیں ہے: عورت، مسافر، غلام، بچہ اور اہل دیہات (رواہ الطبرانی فی الاوسط) ج ۱ ص ۱۶۱، ۱۶۲ ح ۲۰۴

عرض ہے کہ اس روایت میں دو راوی ضعیف ہیں:

اول: ابراہیم بن حماد بن ابی حازم المدینی کو امام دارقطنی نے الضعفاء والمتروکون میں شامل کیا ہے۔ دیکھئے امام دارقطنی کی کتاب: الضعفاء والمتروکون (ص ۱۱۰ ت ۲۸)
نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ۱ ص ۵۰، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۷۳)
اور کسی نے اس راوی کو ثقہ یا صدوق نہیں کہا۔

دوم: احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین بن سعد المصری جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح راوی ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (ج ۱ ص ۲۵۷، ۲۵۸، دوسرا نسخہ ص ۳۸۹)
ایسی ضعیف و مردود روایت پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟!

۸: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ " **لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع .** "
(فتح الباری ج ۲ ص ۳۸۰)

عرض ہے کہ اس موقوف روایت اور اثر سے دیوبندیوں کا استدلال پانچ وجہ سے غلط ہے:

اول: مصر جامع کسے کہتے ہیں؟ اس کا کوئی ثبوت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نہیں ملتا۔ لغت بھی اس کی تشریح سے خاموش ہے۔ حنفیوں کی کتاب الہدایہ میں بغیر کسی سند کے قاضی ابو یوسف سے نقل کر کے لکھا گیا ہے کہ

" **والمصر الجامع كل موضع له أمير و قاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود** "

اور مصر جامع ہر وہ موضع ہے جس میں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ کرے اور حدود قائم کرے۔ (ہدایہ اولین ص ۱۶۸، باب صلوٰۃ الجمعۃ)

اس تعریف و تشریح کے لحاظ سے پاکستان کے شہروں میں بلکہ اسلام آباد میں بھی جمعہ نہیں ہوتا (!) کیا خیال ہے؟!

براہِ مہربانی! پاکستان کا وہ شہر بتائیں جہاں شرعی احکام اور شرعی حدود نافذ ہیں ورنہ اس اثر سے استدلال نہ کریں۔

دوم: اس اثر میں **لا** سے مراد نفی کمال ہے لہٰذا اس سے گاؤں میں نمازِ جمعہ کی نفی نہیں ہوتی۔ محمد کفایت اللہ دہلوی دیوبندی نے لکھا ہے:

" لا جمعة ولا تشريق الخ حنفیہ نے اس میں لا سے نفی صحت مراد لی ہے مگر محتمل ہے کہ نفی وجوب مراد ہو۔" (کفایت المفتی ج ۳ ص ۱۹۶ جواب نمبر ۳۷۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر اشرفعلی تھانوی دیوبندی کے علم میں تھا۔

دیکھئے القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع (ص ۶۱)

حضرو (بہبودی) کے رہنے والے قاری سعید الرحمٰن دیوبندی نے اپنے باپ عبدالرحمٰن کاملپوری دیوبندی سے نقل کیا کہ جہاں جمعہ کی اکثر شرائط (جو حنفیہ کے ہاں ضروری ہیں) مفقود ہوتیں اس کے بارے میں تھانوی نے کہا:

"ایسے موقعہ پر فاتحہ خلف الامام پڑھ لینا چاہئے تاکہ امام شافعیؒ کے مذہب کے بناء پر نماز ہو جائے" (تجلیاتِ رحمانی ص ۲۴۳ عنوان: مسئلہ اسقاط)

معلوم ہوا کہ تھانوی کے نزدیک مذکورہ اثر نفی صحت نہیں بلکہ نفی کمال پر محمول ہے۔

سوم: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مقابلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول زیادہ راجح ہے، کیونکہ ظاہر قرآن، احادیث صحیحہ اور دیگر آثار اُن کے مؤید ہیں۔

چہارم: خود حنفیہ اور آلِ دیوبند کا اس اثر پر عمل نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ بے شمار دیہات میں جمعہ پڑھتے ہیں بلکہ دھڑلے سے پڑھتے ہیں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حنفی عوام نے اپنے "فقہاء" اور مولویوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔!

پنجم: امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر پہلے باب میں لکھا ہے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۱ ح ۵۰۵۹)

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اثر بعد والے باب: " من كان يرى الجمعة في القرى وغيرها" میں لکھا ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۱۰۲ ح ۵۰۶۸)

عام دیوبندیوں کا یہ اصول ہے کہ اگر محدث بعد میں کوئی روایت لے آئے تو وہ ناسخ اور پہلی منسوخ ہوتی ہے لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر منسوخ ہے۔

۹: عن حذيفة رضي الله عنه قال: " ليس على أهل القرى جمعة ، إنما

الجمعة علىٰ أهل الأمصار“ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دیہات والوں پر جمعہ نہیں، جمعہ تو شہر والوں پر ہے۔ (عینی شرح بخاری، اوجز المسالک)

عرض ہے کہ یہ قول معمولی اختلاف کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۱۰۱ ح ۵۰۶۰) میں موجود ہے اور تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: حماد بن ابی سلیمان مدلس راوی تھے۔ دیکھئے الکامل لابن عدی (ج ۲ ص ۶۵۳ وسندہ صحیح) طبقات المدلسین لابن حجر (۲/۴۵)

تحقیق راجح میں حماد طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے اور یہ روایت معنعن ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

دوم: حماد بن ابی سلیمان کا آخری عمر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔
دیکھئے مجمع الزوائد (ج ۱ ص ۱۱۹، ۱۲۰، کتاب العلم باب فی طلب العلم)

حماد مذکور کے شاگرد عمر بن عامر کا حماد سے سماع قبل از اختلاط معلوم نہیں ہے بلکہ حافظ ہیثمی نے بتایا کہ حماد کی صرف وہی روایت مقبول ہے جو اُن کے قدیم شاگردوں: شعبہ، سفیان ثوری اور ہشام الدستوائی نے بیان کی ہے۔ (ایضاً ملخصاً)

سوم: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ۳۶ھ میں فوت ہوئے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۱۵۶)
اور ابراہیم نخعی تقریباً ۴۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۲۷۰)
معلوم ہوا کہ یہ سند ضعیف ہونے کے ساتھ سخت منقطع بھی ہے۔

۱۰: متاخرین میں سے ابو بکر الجصاص (حنفی) کی احکام القرآن کے بے سند حوالے مردود ہیں۔

۱۱: شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی کا قول کئی وجہ سے مرجوح اور نا قابلِ حجت ہے:

اول: یہ آثارِ سلف صالحین کے خلاف ہے۔

دوم: اتفاق اور اجماع کا دعویٰ غلط ہے۔

سوم: **لا** سے مراد فرضیت کی نفی ہے، جو کہ جواز کے منافی نہیں اور یہ ثابت ہے کہ عوالی والے نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں تشریف لاتے تھے۔

بعض الناس نے آخر میں امام ابوحنیفہ کی تابعیت، قاضی ابو یوسف کی تعریف اور امام بخاری وغیرہ کے بارے میں فلسفیانہ کلام لکھا ہے، جس کا موضوعِ جمعہ سے کوئی تعلق نہیں لہٰذا ہم اسے یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔

شیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ الفوزان السعودی کے فتاویٰ میں سوال نمبر ۲۹۷ کے جواب میں لکھا ہوا ہے کہ

''علماء کے دو اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ عام نمازوں کی طرح نمازِ جمعہ کے لئے کوئی خاص تعداد مشروط نہیں ہے کیونکہ نمازِ جمعہ کی تعداد کی حد بندی کے لئے کوئی خاص دلیل ثابت نہیں ہے، پس یہ نماز عام نمازوں کی طرح منعقد ہو جاتی ہے جیسے جماعت ہو جاتی ہے، اگر وہ لوگ کسی خاص مقام میں عام عادت کے مطابق رہتے ہوں، جہاں سکونت اور دوام ہو۔ اور علماء کے دو اقوال میں سے یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم ''

(المنتقیٰ من فتاویٰ صالح الفوزان ج ۲ ص ۲۳۵ مترجماً)

[ختم شد ۱۹/ جون ۲۰۰۹ء]

نمازِ عید کے بعد'' تقبل اللہ منا و منك'' کہنا

سوال کیا نمازِ عید کے بعد ایک دوسرے کو'' تقبل اللہ منا و منك'' کہنا ثابت ہے؟ (ایک سائل)

الجواب اس بارے میں دو مرفوع روایتیں مروی ہیں:

۱: سیدنا واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت

(الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۲۷۴، دوسرا نسخہ ۷/۵۲۴ وقال: ''ھذا منکر ...'' المجروحین لابن حبان ۲/۳۰۱، دوسرا نسخہ ۲/۳۱۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۳۱۹، العلل المتناہیہ لابن الجوزی ۱/۴۷۶ ح ۸۱۱ وقال: ''ھذا حدیث لا یصح ..'' التدوین فی اخبار قزوین ۱/۳۴۲، ابوبکر الازدی الموصلی فی حدیثہ ق ۲/۳، بحوالہ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ۱۲/۳۸۵۔۳۸۶ ح ۵۶۶۶)

یہ روایت محمد بن ابراہیم بن العلاء الشامی کی وجہ سے موضوع ہے۔ محمد بن ابراہیم: مذکور کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: کذاب (سوالات البرقانی للدارقطنی: ۴۲۳)

حافظ ابن حبان نے کہا: وہ شامیوں پر حدیث گھڑتا تھا۔ (المجروحین ۲/۳۰۱، دوسرا نسخہ ۲/۳۱۹)

صاحبِ مستدرک حافظ حاکم نے کہا: اس نے ولید بن مسلم اور سوید بن عبدالعزیز سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۲۰۸ ت ۱۹۱)

۲: سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۳۱۹، ۳۲۰، امالی ابن شمعون: ۲۷۷، المجروحین لابن حبان ۲/۱۴۹، دوسرا نسخہ ۲/۱۳۳، العلل المتناہیہ ۲/۵۷۔۵۸ ح ۹۰۰ وقال: ''هذا حديث ليس بصحيح'' تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۶/۶۹)

اس کے راوی عبدالخالق بن زید بن واقد کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا:

''منکر الحدیث'' (کتاب الضعفاء للبخاری بتحقیقی: ۲۴۴)

امام بخاری نے فرمایا: میں جسے منکر الحدیث کہوں تو اُس سے روایت بیان کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ (التاریخ الاوسط ۲/۱۰۷، دوسرا نسخہ: ہامش التاریخ الاوسط ۳/۵۸۲)

معلوم ہوا کہ یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مکحول اور سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ نہ ہونے کی وجہ سے منقطع بھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس روایت کو سند کے لحاظ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ۲/۴۴۶ تحت ح ۹۵۲)

ان مردود روایات کے بعد اب بعض آثار کی تحقیق درج ذیل ہے:

① طحاوی نے کہا: '' وحدثنا يحيى بن عثمان قال: حدثنا نعيم قال: حدثنا محمد ابن حرب عن محمد بن زياد الألهاني قال: كنا نأتي أبا أمامة وواثلة بن الأسقع في الفطر والأضحى ونقل لهما: تقبل الله منا ومنكم فيقولان: و منكم و منكم '' محمد بن زیاد الالہانی (ابوسفیان الحمصی: ثقہ) سے روایت ہے کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں ابوامامہ اور واثلہ بن اسقع (رضی اللہ عنہما) کے پاس جاتے تو کہتے: ''تقبل الله منا و منكم '' اللہ ہمارے اور تمھارے (اعمال) قبول فرمائے، پھر وہ دونوں جواب دیتے:

اور تمھارے بھی، اور تمھارے بھی۔ (مختصر اختلاف الفقہاء للطحاوی/ اختصار الجصاص ۳۸۵/۴ وسندہ حسن)

اس سند میں یحییٰ بن عثمان بن صالح اور نعیم بن حماد دونوں جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے اور باقی سند صحیح ہے۔

اس روایت کو بھی ابن الترکمانی نے بغیر کسی حوالے کے نقل کر کے ''حدیث جید'' کہا اور احمد بن حنبل سے اس کی سند کا جید ہونا نقل کیا۔ دیکھئے الجوہر النقی (۳۱۹/۳۔۳۲۰)

۲ قاضی حسین بن اسماعیل المحاملی نے کہا: ''حدثنا المهنى بن يحيى قال: حدثنا مبشر بن إسماعيل الحلبي عن إسماعيل بن عياش عن صفوان بن عمرو عن عبدالرحمٰن بن جبير بن نفير عن أبيه قال: كان أصحاب النبي ﷺ إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض: تقبل الله منا و منك''

جبیر بن نفیر (رحمہ اللہ/ تابعی) سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کے صحابہ عید کے دن ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو ایک دوسرے کو تقبل الله منا و منك کہتے تھے۔

(الجزء الثانی من کتاب صلوٰۃ العیدین مخطوط مصور ص ۲۲ ب وسندہ حسن)

اس روایت کی سند حسن ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔
دیکھئے فتح الباری (۴۴۶/۲ تحت ح ۹۵۲)

۳: صفوان بن عمرو السکسکی (ثقہ) سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن بسر المازنی (رضی اللہ عنہ) خالد بن معدان (رحمہ اللہ) راشد بن سعد (رحمہ اللہ) عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر (رحمہ اللہ) اور عبدالرحمٰن بن عائذ (رحمہ اللہ) وغیرہم شیوخ کو دیکھا وہ عید میں ایک دوسرے کو تقبل الله منا و منك کہتے تھے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۰۶/۲۶، ترجمہ: صفوان بن عمرو، وسندہ حسن)

۴: علی بن ثابت الجزری رحمہ اللہ (صدوق حسن الحدیث) نے کہا: میں نے (امام) مالک بن انس (رحمہ اللہ) سے عید کے دن لوگوں کے ''تقبل الله منا و منك'' کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ہمارے ہاں (مدینے میں) اسی پر عمل جاری ہے، ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ج ۹ ص ۹۰ وسندہ حسن)

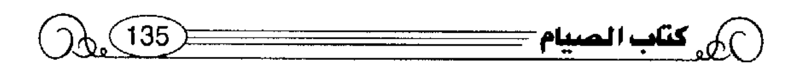
۵: امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مجھے عید کے دن یونس بن عبید ملے تو کہا: ''تقبل اللّٰه منا و منك.'' (کتاب الدعاء للطبرانی ج ۲ ص ۱۲۳۴ ح ۹۲۹ وسندہ حسن)

اس روایت کے راوی حسن بن علی المعمری اُن روایات میں صدوق حسن الحدیث تھے، جن میں اُن پر انکار نہیں کیا گیا تھا اور اس روایت میں بھی اُن پر انکار ثابت نہیں ہے۔ نیز دیکھئے لسان المیزان بحاشیتی (ج ۲ ص ۴۱۴۔۴۱۵)

۶: طحاوی نے اپنے استاذوں اور معاصرین بکار بن قتیبہ، امام مزنی، یونس بن عبدالاعلیٰ اور ابوجعفر بن ابی عمران کے بارے میں کہا کہ جب انھیں عید کی مبارکباد دی جاتی تو وہ اسی طرح جواب دیتے تھے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۴ ص ۳۸۵)

ان آثار سے معلوم ہوا کہ عید کے دن ایک دوسرے کو ''تقبل اللّٰه منا و منك'' کہنا (اور مبارکباد دینا) جائز ہے۔ (۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۹ء)





روزوں سے متعلق مسائل

رمضان میں سرکش شیاطین کا باندھا جانا

سوال حدیث میں آیا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں شیاطین کو باندھ دیا جاتا ہے جبکہ قرآن مجید، سورۃ الانفال (۴۸) سے ثابت ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر (رمضان) میں شیطان اپنے پیروکاروں (مشرکین مکہ) کے ساتھ بطور مددگار آیا تھا، پھر بھاگ گیا۔

حدیث اور قرآن میں کیا تطبیق ممکن ہے؟ (حافظ فردوس، حضرو)

الجواب شیاطین کی تین قسمیں ہیں:

① بڑا شیطان یعنی ابلیس: جس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا۔

② مردۃ الشیاطین: انتہائی سرکش شیاطین (جو کہ دوسرے شیطانوں کے سردار ہیں۔)

③ عام شیاطین:

☆ بڑے شیطان یعنی ابلیس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کی مہلت مانگی اور اللہ تعالیٰ نے اسے یہ مہلت دے دی ہے جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ (سورۃ الاعراف: ۱۴-۱۸)

لہٰذا ابلیس کو رمضان میں باندھا نہیں جاتا۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**وتغل فيه مردة الشياطين**)) اور رمضان کے مہینے میں مردۃ الشیاطین کو باندھا جاتا ہے۔

(سنن نسائی ۴/۱۲۹، ح ۲۱۰۸، وسندہ ضعیف، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۰، ۳۸۵، ۴۲۵)

اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ مگر ابو قلابہ تابعی رحمہ اللہ کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ (دیکھئے الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۹۸)

لیکن اس حدیث کے متعدد شواہد ہیں مثلاً: **حديث عتبة بن فرقد وفيه:**

((**ويصفد فيه كل شيطان مريد.**)) اور اس (رمضان) میں ہر شیطان مرید (سرکش شیطان) کو باندھ دیا جاتا ہے۔ (سنن النسائی: ۲۱۱۰، ومسند احمد ۴/۳۱۱، ۳۱۲، واسنادہ حسن)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مردۃ الشیاطین (سرکش شیطانوں) کو رمضان میں

باندھ دیا جاتا ہے۔امام ابن خزیمہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(دیکھئے صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۱۸۸، قبل ح ۱۸۸۳)

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ خاص عام پر اور مقید مطلق پر مقدم ہوتا ہے۔
عام شیاطین کے باندھے جانے کے بارے میں کوئی صریح دلیل میرے علم میں نہیں ہے۔
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ والحمدللہ

[شہادت، مئی ۱۹۹۹ء]

حالتِ روزہ میں کان یا آنکھ میں دوائی ڈالنا

سوال رمضان المبارک کے مہینہ میں روزہ دار کو اگر کان، ناک یا آنکھ میں دوائی ڈالنے کی ضرورت پڑ جائے تو کیا روزے کی حالت میں ڈال سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دائمی مریض نہیں ڈال سکتا تو کیا روزے نہ رکھے؟ اسی طرح انجکشن کے بارے میں بھی وضاحت فرمائیں کہ کس کے لئے اجازت ہے اور کس کے لئے نہیں؟ (ابو طاہر محمدی، خانیوال)

الجواب چونکہ ناک، کان میں دوائی ڈالنے یا ٹیکہ لگانے سے انسان کے جسم میں دوائی داخل ہو جاتی ہے اور اس میں اس کی رضامندی بھی شامل ہوتی ہے لہٰذا روزہ مشکوک ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**الإفطار مما دخل ولیس مما خرج والوضوء مما خرج ولیس مما دخل**.'' اگر کوئی چیز داخل ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور نکلنے سے نہیں ٹوٹتا۔ اگر کوئی چیز باہر نکلے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور داخل ہونے سے نہیں ٹوٹتا۔ (الاوسط لابن المنذر ۱/۱۸۵ ث ۸۱ وسندہ صحیح)

یہاں چیز سے مراد کھانا، پانی اور دوائی وغیرہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''**الصوم مما دخل ولیس مما خرج**'' إلخ جسم میں جو داخل ہو جائے تو روزہ (ٹوٹ جاتا) ہے اور نکلے تو نہیں ٹوٹتا۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۶۰ قبل ح ۱۹۳۸)

معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز مثلاً کھانا، پانی اور دوائی وغیرہ، کوئی شخص اپنی مرضی سے اپنے جسم میں داخل کرے یا کروائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اس عموم سے ٹیکہ لگانے یا ناک، کان میں دوائی ڈالنے کا کوئی استثناء، میرے علم میں نہیں ہے لہٰذا احتیاط یہی ہے کہ جو شخص مریض ہے وہ بیماری کی حالت میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں اس کی قضا کر لے۔ واللہ اعلم

رمضان کے روزوں کی قضا اور تسلسل

سوال ایک خاتون کے ذمے رمضان کے کچھ روزے تھے، وہ اگلے مہینے یہ گنتی پوری کرنے لگی۔ وہ روزہ رکھ کر رشتہ داروں کے گھر گئی تو انھوں نے اس سے روزہ تڑوا دیا، اس خاتون نے لاعلمی کی بنیاد پر (اس کے ذمے جو فرض روزہ تھا) توڑ دیا۔ اب اس کے لئے کیا حکم ہے نیز یہ مسلسل رکھنے پڑیں گے؟ (ابو فہد، بہاولپور)

الجواب راجح تحقیق میں، شرعی عذر سے رمضان کے قضاء شدہ روزوں کے لئے تسلسل اور ترتیب ضروری نہیں ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**إن شئت فاقض رمضان متتابعًا و إن شئت متفرقًا**'' (مصنف ابن ابی شیبہ، مرقمہ نسخہ ج ۱ ص ۲۹۳ ح ۹۱۱۵، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۳۲ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۵۸)

یعنی اگر تو چاہے تو رمضان کی قضاء مسلسل اور ترتیب سے رکھ اور اگر چاہے تو بغیر تسلسل و بغیر ترتیب کے رکھ۔ اس کی سند صحیح ہے۔

سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**احص العدة و صم كيف شئت**''

تعداد کا شمار کر لو اور جس طرح چاہو روزے رکھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ح ۹۱۳۳، سنن دار قطنی ج ۲ ص ۱۹۲ ح ۲۲۹۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۵۸)

اس کی سند حسن ہے۔

اس مفہوم کے اقوال معاذ بن جبل، عبداللہ بن عباس، ابو ہریرہ اور جمہور صحابہ سے

مروی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

قرآن مجید کا عموم بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ تاہم اگر تسلسل سے روزے رکھے تو یہ بہتر ہے مگر ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس عورت کا ایک فرض، قضاء روزہ لاعلمی کی بنیاد پر ٹوٹ گیا تو وہ دوبارہ یہی قضاء روزہ دوسرے کسی دن رکھے گی۔ اس کے لئے اس قضاء روزے کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم [شہادت، جولائی ۲۰۰۱ء]

مؤذن کی غلطی اور روزے کی قضا

سوال ہمارے ہاں ایک مسئلہ ہو گیا ہے جو آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہماری مسجد میں ایک دن مغرب کی اذان جلدی ہو گئی، عام دنوں میں تو محسوس نہیں ہوتا لیکن رمضان کی وجہ سے ہر کوئی محسوس کرتا ہے اذان ۳۵ کے بجائے مؤذن نے ۳۰ منٹ پہ دے دی۔ لیکن جب ان کو نشاندہی کرائی گئی تو وہ بہت پریشان ہوئے۔ اس (اذان کی) وجہ سے لوگوں نے غروب آفتاب سے پہلے روزہ کھول لیا اس مسئلہ کے حل کے لئے انہوں نے مختلف علماء کرام سے رابطہ کیا جن میں ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب بھی ہیں لیکن انہوں نے اس مسئلے کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد عبدالستار بھٹی صاحب نے عبدالمنان نور پوری صاحب سے رابطہ کیا، انھوں نے یہ فتویٰ دیا کہ جن لوگوں نے روزہ کھولا ہے وہ دوبارہ روزہ رکھیں گے۔ لیکن بعض علماءِ کرام نے کہا کہ یہ مؤذن کی غلطی ہے تو مؤذن ہی روزہ رکھے گا۔ لیکن عبدالستار بھٹی صاحب اور مؤذن نے عبدالمنان نور پوری صاحب کے فتویٰ پر اکتفا کیا اور مسجد میں اعلان کیا کہ سارے لوگ دوبارہ روزہ رکھیں گے۔ لیکن بہت لوگوں کا خیال ہے کہ صرف ہم نے روزہ نہیں کھولا بلکہ ان لوگوں نے بھی کھولا ہے جو اس مسجد میں نماز ادا کرنے نہیں آتے جو دوسرے یعنی گھر کے قریب والی مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں۔

پوچھنا یہ ہے کہ کیا ہم لوگ دوبارہ روزہ رکھیں گے یا مؤذن کی غلطی ہے وہی دوبارہ روزہ رکھے گا۔

اس مسئلے کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب بتا کر الحدیث میں شائع کریں۔ (ان شاء اللہ)
کیونکہ ہم لوگ اس مسئلے کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ (ابو معاذ، راولپنڈی)

الجواب اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"أفطرنا على عهد النبي ﷺ يوم غيم ثم طلعت الشمس" إلخ
نبی ﷺ کے زمانے میں، ایک دفعہ بادل والے دن ہم نے روزہ افطار کر لیا، پھر (بادل ہٹنے کے بعد) سورج نکل آیا.... الخ

(صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب اذا افطر فی رمضان ثم طلعت الشمس ح ۱۹۵۹)

اس روایت کے راوی ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ: "لا أدري أ قضوا أم لا ؟"
مجھے پتا نہیں ہے کہ لوگوں نے روزے کی قضا ادا کی تھی یا نہیں؟ (صحیح بخاری: ۱۹۵۹)

ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ: قضا ضروری ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۹۵۹)

اسلم العدوی مولیٰ عمر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بادل والے دن (سیدنا) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے روزہ افطار کر لیا، آپ یہ سمجھے تھے کہ مغرب ہو چکی ہے اور سورج غروب ہو چکا ہے، پھر (بادل ہٹنے کے بعد) سورج طلوع ہو گیا تو امیر المؤمنین نے فرمایا:
"الخطب يسير و قد اجتهدنا" مسئلہ آسان ہے (صرف ایک روزہ قضا کا رکھ لیں گے) اور ہم نے اجتہاد کیا ہے۔

(موطأ امام مالک، روایۃ ابی مصعب الزہری ۱/۳۱۶ ح ۸۲۰ وسندہ صحیح، روایۃ القعنبی ص ۲۱۲)

اس روایت کی تشریح میں امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "يريد بذلك عمر بن الخطاب القضاء ويسارة مؤونته وخفته فيما يرى والله أعلم" عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کا ان الفاظ سے یہ ارادہ تھا کہ روزے کی قضا ہو گی اور ایسا کرنا آسان اور معمولی ہے۔ واللہ اعلم (موطا الزہری ص ۳۱۶، ۳۱۷ وموطا القعنبی ص ۲۱۳)

اس روایت کے بہت سے شواہد ہیں، مثلاً دیکھئے موطا امام مالک (روایۃ یحییٰ بن یحییٰ ۱/۳۰۳ ح ۶۸۲، الصیام: ۴۴ وبتحقیق الشیخ سلیم بن عید الہلالی ۲/۳۴۳ ح ۷۳۹ وقال:

موقوف صحیح) ومصنف ابن ابی شیبہ (۳/۲۳، ۲۴ ح ۹۰۴۵) ومصنف عبدالرزاق (۴/۱۷۸ ح ۷۳۹۲، ۷۳۹۴) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۴/۲۱۷)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں آیا ہے کہ" **واللّٰه لا نقضیه** "اللہ کی قسم، ہم روزے کی قضا ادا نہیں کریں گے (السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۲۱۷ واللفظ لہ، مصنف عبدالرزاق ۴/۱۷۹ ح ۷۳۹۵) ومصنف ابن ابی شیبہ (۳/۲۴ ح ۹۰۵۲)

یہ روایت سلیمان بن مہران الاعمش، مدلس کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں:" **والأعمش مدلس، لایحتج بعنعنته إلا إذا صح سماعه الذي عنعنه من جهة أخرى** "اور اعمش مدلس ہیں، اُن کی عن والی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی اِلا یہ کہ ان کے سماع کی تصریح کسی دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔

(شرح صحیح مسلم، درسی نسخہ ج ۱ ص ۷۲ تحت ح ۱۰۹)

امام بیہقی نے اس روایت کو ایک دوسری وجہ سے خطا قرار دیا ہے۔! (السنن الکبریٰ ۴/۲۱۷)

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل تھے کہ اس روزے کی قضا ہوگی اور کفارہ نہیں ہوگا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۵ ح ۹۰۵۴ وسندہ صحیح، ابن جریج صرح بالسماع)

زیاد بن النضر (تابعی کبیر) رحمہ اللہ بھی ایسی حالت میں ایک دن کی قضا کے قائل تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۵ ح ۹۰۵۵ وسندہ حسن)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:" اس مسئلے میں اختلاف ہے اور جمہور اس کے قائل ہیں کہ قضا واجب ہے۔" (فتح الباری ۴/۲۰۰)

یہی اکثر علماء کا قول ہے۔ (دیکھئے عون المعبود ۲/۲۷۹)

قسطلانی نے کہا:" **وهذا مذهب الشافعية والحنفية والمالكية والحنابلة** "

شافعیوں، حنفیوں، مالکیوں اور حنبلیوں کا یہی مذہب ہے۔ (عون المعبود ۲/۲۷۹)

ان کے مقابلے میں حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" **أجزأمنه** "یعنی یہی روزہ کفایت کرتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۴ ح ۹۰۵۱ وسندہ صحیح)

ان تمام اقوال اورفرمانِ الٰہی: ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیۡلِ﴾ پھر رات تک روزہ پورا کرو۔ (البقرۃ: ۱۸۷) کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہی راجح ہے کہ اگر کوئی شخص روزہ افطار کرلے اور بعد میں سورج طلوع ہو جائے تو پھر اس روزے کی قضا ادا کرنا ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں پانچ منٹ پہلے اذان کی غلطی کی وجہ سے لوگوں نے روزہ افطار کر لیا، اس کے بعد سورج نظر نہیں آیا۔ لہٰذا یہ مسئلہ خطاونسیان کا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إن اللّٰه تجاوزلي عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه .)) بے شک اللہ نے میرے لئے میری اُمت سے خطا، بھول اور جس میں انہیں مجبور کیا جائے، معاف فرمایا ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۳۵۶ وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین ووافقہ الذہبی فی تلخیصہ ولم یتعقبہ)

عمومِ قرآن بھی اسی کا موید ہے۔ دیکھئے سورۃ الاحزاب (آیت: ۵)

لہٰذا ایسی حالت میں لوگوں پر کوئی قضا نہیں ہے۔

یہی تحقیق ہمارے استاذ محترم مولانا حافظ عبدالحمید ازہر حفظہ اللہ کی ہے۔ والحمد للّٰہ

(۱۵/ رمضان ۱۴۲۶ھ)

[الحدیث: ۲۰]



اعتکاف کے مسائل

تمام مساجد میں اعتکاف جائز ہے

سوال کیا تین مساجد: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ دوسری مساجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہے؟ (ایک سائل)

الجواب ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ اور اپنی بیویوں سے اس وقت جماع نہ کرو جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہوئے ہو۔ (البقرۃ:۱۸۷)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہے۔ جمہور علماء نے اس آیت کریمہ سے استدلال کر کے ہر مسجد میں اعتکاف کو جائز قرار دیا ہے۔ دیکھئے شرح السنۃ للبغوی (ج٦ص٣٩٤) مرعاۃ المفاتیح (ج٧ص١٦٥)

اس کے مقابلے میں بعض لوگوں کا یہ مؤقف ہے کہ صرف تین مساجد میں ہی اعتکاف جائز ہے: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ!

ان کے نزدیک دیگر مساجد میں اعتکاف جائز نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنے دعویٰ کی تائید میں ایک روایت پیش کرتے ہیں:

"سفيان بن عيينة عن جامع بن أبي راشد عن أبي وائل قال قال حذيفة أن رسول الله ﷺ قال: ((لا إعتكاف إلا في المساجد الثلاثة .))

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: تین مساجد کے علاوہ (کسی مسجد میں) اعتکاف نہیں ہے۔ (المعجم للاسماعیلی ٢/٣/٢٠/٧ ح ٣٣٦ واللفظ لہ، سیر اعلام النبلاء للذہبی ١٥/٨١، وقال: "صحیح غریب عال" السنن الکبریٰ للبیہقی ٤/٣١٦، مشکل الآثار ٤/٢٠، المحلیٰ لابن حزم ٥/١٩٤، مسئلہ: ٦٣٣)

یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے۔ اس کی تمام اسانید میں سفیان بن عیینہ راوی موجود ہیں جو کہ عن سے روایت کرتے ہیں۔ کسی ایک سند میں بھی ان کے سماع کی تصریح موجود نہیں ہے، سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ثقہ حافظ اور مشہور مدلس تھے۔

حافظ ابن حبان لکھتے ہیں: ''و هذا ليس في الدنيا إلا لسفيان بن عيينة وحده فإنه كان يدلس و لا يدلس إلا عن ثقة متقن.'' دنیا میں اس کی مثال صرف سفیان بن عیینہ ہی اکیلے کی ہے، کیونکہ آپ تدلیس کرتے تھے مگر ثقہ متقن کے علاوہ کسی دوسرے سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔ (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۹۰، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۱۶۱)

امام ابن حبان کے شاگرد امام دارقطنی وغیرہ کا بھی یہی خیال ہے۔

(دیکھئے سوالات الحاکم للدارقطنی ص ۱۷۵)

امام سفیان بن عیینہ درج ذیل ثقات سے بھی تدلیس کرتے تھے:

① علی بن المدینی ② ابو عاصم ③ اور ابن جریج

(دیکھئے الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب ص ۳۶۲، نعمت الاثاثہ لتخصیص الاعتکاف بالمساجد الثلاثہ ص ۷۹)

ایک دفعہ سفیان نے (امام) زہری سے حدیث بیان کی بعد میں پوچھنے والوں کو بتایا کہ میں نے یہ زہری سے نہیں سنی اور نہ اس سے سنی ہے جس نے زہری سے سنا ہے۔

'' لم أسمعه من الزهري و لا ممن سمعه من الزهري حدثني عبدالرزاق عن معمر عن الزهري'' مجھے عبدالرزاق نے عن معمر عن الزہری یہ حدیث سنائی ہے۔

(علوم الحدیث للحاکم ص ۱۰۵، الکفایہ ص ۳۵۹، مقدمہ ابن الصلاح ص ۹۵، ۹۶، اختصار علوم الحدیث ص ۵۱، تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۲۴، فتح المغیث ج ۱ ص ۱۸۳)

[تنبیہ: اس روایت کی سند ابراہیم بن محمد السکونی السکری کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

ایک دفعہ آپ نے عمرو بن دینار (ثقہ) سے ایک حدیث بیان کی۔ پوچھنے پر بتایا کہ

''حدثني علي بن المديني عن الضحاك بن مخلد عن ابن جريج عن عمرو ابن دينار'' مجھے علی بن مدینی نے عن الضحاک بن مخلد عن ابن جریج عن عمرو بن دینار کی سند سے یہ حدیث سنائی۔ (فتح المغیث ا ص ۱۸۴)

[یہ روایت صحیح سند کے ساتھ الکفایہ ص ۳۵۹۔۳۶۰ میں مطولاً موجود ہے۔]

حدیث اور اصول حدیث کے عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ یہ سند ابن جریج کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن جریج کا ضعفاء سے تدلیس کرنا بہت زیادہ مشہور ہے۔

(دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ص ۵۵، ۵۶)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابن عیینہ جن ثقہ شیوخ سے تدلیس کرتے تھے ان میں سے بعض بذاتِ خود مدلس تھے مثلاً ابن جریج وغیرہ۔ ابن عیینہ کے اساتذہ میں امام زہری، محمد بن عجلان اور سفیان ثوری وغیرہم تدلیس کرتے تھے لہٰذا امام سفیان بن عیینہ کا عنعنہ مشکوک ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ آپ صرف ثقہ سے ہی تدلیس کرتے تھے، محل نظر ہے۔

سفیان نے محمد بن اسحاق کے بارے میں امام زہری کا قول نقل کیا کہ

"أما إنه لا يزال في الناس علم ما بقي هذا" لوگوں میں اس وقت تک علم باقی رہے گا جب تک یہ (محمد بن اسحاق بن یسار) زندہ ہیں۔ (تاریخ یحییٰ بن معین ج۱ ص ۵۰۴، دوسرا نسخہ ۱۵۷ ت ۹۷۹ من زوائد عباس الدوری، الکامل ابن عدی ج ۶ ص ۲۱۱۹، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۷۲)

اس روایت میں سفیان کے سماع کی تصریح نہیں ہے۔

سفیان نے یہ قول ابوبکر الہذلی سے سنا تھا۔ (الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۱۹۱)

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ سفیان بن عیینہ نے الہذلی سے تدلیس کی ہے۔

یہ الہذلی متروک الحدیث ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب ۳۹۷)

سفیان بن عیینہ نے حسن بن عمارہ (متروک/ تقریب التہذیب ص ۷۱) سے بھی تدلیس کی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (ص ۱۵۱) خلاصہ یہ کہ امام سفیان بن عیینہ کا صرف ثقہ سے ہی تدلیس کرنا محل نظر ہے، یہ اکثریتی قاعدہ تو ہوسکتا ہے کلی قاعدہ نہیں ہوسکتا۔

محدثینِ کرام نے ثقہ تابعی کی مرسل روایت اس خدشہ کی وجہ سے رد کردی ہے کہ ہوسکتا ہے، اس نے غیر صحابی سے سنا ہو۔ اگر غیر صحابی (یعنی تابعی وغیرہ) سے سنا ہے تو ہوسکتا ہے کہ راوی ثقہ ہو یا ضعیف، لہٰذا مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے۔ بعینہ اسی طرح "لا اعتکاف" والی روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: ہوسکتا ہے کہ سفیان عیینہ نے یہ روایت ثقہ سے سنی تھی یا غیر ثقہ سے؟ اگر غیر ثقہ سے سنی ہے تو مردود ہے۔

۲: اگر ثقہ سے سنی تھی تو ہوسکتا ہے یہ ثقہ بذات خود مدلس ہوں، جیسا کہ اوپر واضح کر دیا گیا ہے۔ جب سفیان کا استاد بذات خود مدلس ہے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اس نے ضرور بالضرور یہ روایت اپنے استاد سے ہی سنی تھی؟ جب اس کے سماع کی تصریح معلوم کرنا ناممکن ہے تو یہ خدشہ قوی ہے کہ اس کی بیان کردہ روایت اس کے ضعیف استاد کی وجہ سے ضعیف ہو لہٰذا اس روایت کو شیخ ابوعمر عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ کا حافظ ذہبی کی پیروی کرتے ہوئے، ''صحيح عندي'' کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ اصول حدیث کے سراسر خلاف ہے۔

جناب نورستانی صاحب اور جناب نجم اللہ سلفی صاحب حفظہما اللہ کی طرف راقم الحروف نے اردو زبان میں ایک خط لکھا تھا جس کا جواب کافی عرصے کے بعد عربی زبان وغیرہ میں ملا۔

اس جواب کے ملتے ہی راقم الحروف نے اس کا اردو میں جواب لکھ کر جناب نورستانی صاحب، جناب نجم اللہ صاحب اور بذریعہ خط کتابت جناب ڈاکٹر شجاع اللہ صاحب (لاہوری) کی خدمت میں ارسال کر دیا تھا۔

بعد میں شیخ نورستانی صاحب کی کتاب ''نعمة الأثاثة لتخصيص الإعتكاف بالمساجد الثلاثة'' ملی جس میں میرے پہلے خط کو ٹوٹی پھوٹی عربی میں ترجمہ کر کے مع جواب شائع کر دیا اور میرا دوسرا (تازہ) خط اس کتاب سے غائب ہے۔ میں نے لکھا تھا:

'' بسم اللہ الرحمان الرحیم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امابعد:

جناب نورستانی صاحب اور جناب نجم اللہ صاحب کے نام!

آپ کا جواب ملا ہے، اس سلسلے میں چند معروضات پیشِ خدمت ہیں:

① آپ اپنی مستدل سند میں امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے سماع کی تصریح ثابت نہیں کر سکے ہیں اور نہ کوئی متابعت پیش کر سکے ہیں۔

② امام ابن عیینہ رحمہ اللہ ثقہ مدلسین مثلاً امام ابن جریج رحمہ اللہ وغیرہ سے بھی تدلیس

کرتے تھے لہٰذا ان کا عنعنہ مشکوک ہے۔اس کا آپ دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

③ ابوبکر الہذلی کے سلسلے میں آپ نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام ابن عیینہ رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کا قول الہذلی سے بھی سنا ہے اور امام زہری سے بھی۔ حالانکہ الجرح والتعدیل یا کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے خود یہ قول امام زہری سے سنا ہے۔

الہذلی کے قصہ میں درج ذیل باتیں مدنظر رکھیں:

۱۔ سفیان نے محمد بن اسحاق کو زہری کے پاس دیکھا۔

۲۔ ابن اسحاق نے زہری سے ان کے دربان کی شکایت کی۔

۳۔ زہری نے دربان کو بلا کر سمجھایا۔

۴۔ الہذلی نے زہری کا قول سفیان کو سنایا: "لا یزال بالمدینة علم... " إلخ

ان میں اول الذکر تین شقوں میں سفیان کا سماع ہے آخری شق میں نہیں، لہٰذا بعض راویوں کے اختصار سے آپ کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

ابوقلابہ الرقاشی سے قطع نظر "اعلم بغزا" والی روایت اور ہے، لایزال بالمدینہ والی اور، اسے المزید فی متصل الاسانید سے سمجھنا صحیح نہیں ہے۔آپ میرے سابق خط کے المشار الیہا صفحات کا دوبارہ مطالعہ کریں۔...............

....

[ابوقلابہ عبدالملک بن محمد الرقاشی کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ حسن الحدیث تھے کیونکہ جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔روایتِ مذکورہ میں محمد بن جعفر بن یزید اور محمد بن ابراہیم المزنی کی توثیق مطلوب ہے۔]

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی تدلیس کے بارے میں چند مزید فوائد پیشِ خدمت ہیں:

۱: ابوحاتم الرازی نے سفیان بن عیینہ عن ابن ابی عروبہ والی ایک روایت کے بارے میں فرمایا: اگر یہ (روایت) صحیح ہوتی تو ابن ابی عروبہ کی کتابوں میں ہوتی اور ابن عیینہ نے اس

حدیث میں سماع کی تصریح نہیں کی اور یہ بات اسے ضعیف قرار دے رہی ہے۔

(علل الحدیث ۱/۳۲۴ ح ۶۰، الفتح المبین ص ۴۱)

۲: ابن ترکمانی حنفی نے کہا: "ثم إن ابن عيينة مدلس و قد عنعن في السند" پھر اس میں ابن عیینہ مدلس ہیں اور انھوں نے عن سے سند بیان کی ہے۔ (الجوہر النقی ۲/۱۳۸)

نیز دیکھئے المستدرک للحاکم (۲/۵۳۹ ح ۳۹۸۵)

④ جناب نجم اللہ صاحب کا امام ذہبی و علامہ البانی کی تقلید میں صحیحین پر طعن کرنا کہ "اور شروط سماع نہ ہوں تو بھی روایت مردود ہوگی" غلط و مردود ہے۔

صحیحین کو تلقی بالقبول حاصل ہے بلکہ ان کی صحت پر اجماع ہے۔ صرف یہی دلیل اس بات کے لئے کافی ہے کہ صحیحین میں مدلسین کی روایات سماع یا متابعت پر محمول ہیں۔

⑤ امام سفیان بن عیینہ کی معنعن روایت بلحاظِ سند ضعیف و بلحاظ متن منکر ہے لہٰذا اسے "صحيح عندي" کہنا غیر صحیح ہے۔

⑥ آپ دونوں حضرات سے درخواست ہے کہ اس ضعیف و معلول روایت کو لوگوں میں پھیلا کر اُمت میں فتنہ پیدا نہ کریں۔ وما علينا إلا البلاغ زبیر علی زئی ۹۹-۱۰-۱۴"

اس خط کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔

مختصر عرض ہے کہ سفیان بن عیینہ کی بیان کردہ روایت: "لا إعتكاف إلا في المساجد الثلاثة" بلحاظ سند ضعیف ہے۔

اس میں اور بھی بہت سی علتیں ہیں مثلاً اس کے متن میں اختلاف و تعارض ہے، موقوف و مرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد وہ نامعلوم شخص ہے جس نے سفیان بن عیینہ کو یہ حدیث سنائی ہے۔ جمہور علماءِ اسلام کے بعض اعتراضات "نعمت الاثاثہ" نامی کتاب میں بھی موجود ہیں۔ فاضل مولف نے ان اعتراضات کے ناکام جوابات دینے کی کوشش کی ہے لیکن حق وہی ہے جو جمہور علماء اسلام نے قرآن مجید کی آیت کریمہ: ﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ سے سمجھا ہے۔

یہاں بطور نکتہ عرض ہے کہ ''المساجد'' کی تخصیص تین مساجد: (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) کے ساتھ کرنا تاریخی طور پر بھی غلط ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کا مسجد اقصیٰ میں اعتکاف کرنا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے، بلکہ بیت المقدس (جہاں مسجد اقصیٰ موجود ہے) اس زمانے میں صلیبی پولسی عیسائیوں کے قبضہ میں تھا۔ اسے امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ۱۵ھ میں فتح کیا۔

(دیکھئے البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۵۶ وغیرہ)

لہٰذا اس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں مسجد حرام، مسجد نبوی کے ساتھ وہ تمام مساجد شامل ہیں جو کہ عہد نبوی میں موجود تھیں۔ مساجد کا لفظ کم از کم تین (یا اس سے زیادہ) مسجدوں پر مشتمل ہے۔

شان نزول کے وقت مسجد اقصیٰ کے خروج سے یہ خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی تمام مساجد بشمول مساجد ثلاثہ میں اعتکاف میں بیٹھنا جائز ہے۔ [شہادت، جنوری ۲۰۰۰ء]

''لا اعتکاف'' والی روایت ضعیف ہے

سوال اعتکاف کے سلسلے میں آپ کی تحقیق کیا ہے؟ (حبیب اللہ۔ پشاور)

الجواب امام ابو حاتم رازی نے ''لا اعتکاف'' والی روایت کے راوی امام سفیان بن عیینہ کی ایک حدیث کو اس وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے کہ اس میں سفیان مذکور نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ (علل الحدیث ج ۱ ص ۳۲ ح ۶۰ والمخطوط ۱۸، وفوائد فی کتاب العلل بقلم المعلمی ص ۲۹)

شیخ ناصر بن حمد الفہد نے لکھا ہے:

''وهذا يفيد أن ابن عيينة أحيانًا يدلس عن الضعفاء'' اور یہ اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ ابن عیینہ بعض اوقات ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔

(منہج المتقدمین فی التدلیس ص ۳۶)

سعودی عرب کے مشہور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد حفظہ اللہ نے اس کتاب کی تقریظ لکھی

ہے۔ان دو تازہ حوالوں سے بھی یہی ثابت ہوا کہ ''لا إعتكاف إلا في المساجد الثلاثة'' (تین مسجدوں کے سوا اعتکاف نہیں ہے۔) والی حدیث ضعیف ہے۔

[شہادت، جنوری ۲۰۰۳ء]

عورتوں کا گھر میں اعتکاف؟

سوال عورتوں کے متعلق گھر میں اعتکاف کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جبکہ امہات المومنین نے مسجدوں میں اعتکاف کیا تھا نہ کہ گھر میں، اب مسجدوں میں عورتوں کے لئے انتظام نہیں ہے لہٰذا گھر میں عورت اعتکاف کرسکتی ہے یا نہیں؟ (ایک سائل)

الجواب آیتِ کریمہ: ﴿ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مسجد میں مشروع ہے۔ میرے علم کے مطابق عورتوں کا گھروں میں اعتکاف کرنا، کسی حدیث یا آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں ہے لہٰذا راجح یہی ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں اعتکاف نہ کریں۔

[شہادت، جولائی ۲۰۰۰ء]

اعتکاف کے بعض مسائل

سوال حسب ذیل روایات (احادیث) کی تخریج وتحقیق درکار ہے:

(الف) عن عائشة رضي الله عنها قالت: '' السنة على المعتكف أن لا يعود مريضاً و لا يشهد جنازة .... ولا اعتكاف إلا في مسجد جامع

(ابوداود: ۲۴۷۳)

نیز یہ بھی بتادیں کہ کیا ''غیر جامع مسجد'' میں اعتکاف جائز نہیں ہے؟

(ب) عن ابن عباس رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ:

''ومن اعتكف يوماً ابتغاء وجه الله تعالى جعل الله بينه وبين النار ثلاثة خنادق أبعد مما بين الخافقين'' (طبرانی اوسط، بیہقی، الترغیب ۲/۱۵۰)

(ج) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ :
" إذا اتخذ الفيئ دولاً والأمانة مغنمًا والزكاة مغرمًا...... وآيات تتابع كنظام بال قطع سلكه فتتابع" (الترمذی ابواب الفتن، باب ما جاء فی علامۃ حلول المسخ والخسف ح ۲۲۱۱)

نیز فرمائیں کہ اس طویل حدیث "وظهرت الأصوات في المساجد" سے کیا مراد ہے؟ (محمد صدیق بمقام تلیاں، ڈاکخانہ سمندر کٹھہ ضلع ایبٹ آباد)

الجواب (الف) یہ روایت سنن ابی داود (۴۷۲۳) وسنن الدارقطنی (۲۰۱/۲ ح ۲۳۳۸، ۲۳۳۹) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۳۲۰/۴، ۳۲۱) میں الزہری عن عروہ بن الزبیر (وسعید بن المسیب) عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے مروی ہے۔

شیخ البانی لکھتے ہیں: "وإسناده صحيح" اور اس کی سند صحیح ہے۔ (ارواء الغلیل ۱۳۹/۴ ح ۹۶۶)

عرض ہے کہ اس روایت کے مرکزی راوی امام محمد بن مسلم الزہری رحمہ اللہ ثقہ بالاجماع ہونے کے ساتھ ساتھ مدلس بھی تھے۔

دیکھئے طبقات المدلسین بتحقیقی (۳/۱۰۲، المرتبۃ الثالثہ)

طحاوی نے کہا: " إنما دلس به " أي الزهري. (شرح معانی الآثار ۵۵/۱ باب مس الفرج)

انہیں العلائی (جامع التحصیل ص ۱۰۹) ابو زرعۃ ابن العراقی (۶۰) ذہبی، ابو محمود مقدسی، حلبی (ص ۵۰) سیوطی (۴۶) اور معاصرین میں سے الدمینی (۱۴۹/۳) نے مدلسین میں شمار کیا ہے۔ شیخ حماد بن محمد الانصاری المدنی نے انہیں طبقہ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔

(اتحاف ذوی الرسوخ بمن رمي بالتدلیس من الشیوخ ص ۴۷ رقم: ۱۲۷)

حافظ العلائی اور برہان الحلبی کہتے ہیں کہ "وقد قبل الأئمة قوله :عن"

(جامع التحصیل ص ۱۰۹ والتبیین لأسماء المدلسین ص ۵۰ رقم: ۶۴)

اس کا رد کرتے ہوئے حافظ ابو زرعۃ ابن العراقی فرماتے ہیں:

"قلت :وحكى الطبري في تهذيب الآثار عن قوم أنه من المدلسين و ذلك يقتضي خلافًا في ذلك" میں نے کہا: (ابن جریر) طبری نے (اپنی کتاب) تہذیب الآثار

میں ایک قوم سے نقل کیا ہے کہ وہ (زہری) مدلسین میں سے تھے اور یہ اس (قول: وقد قبل الأئمة قوله :عن) کے خلاف ہونے کا متقاضی ہے۔ (کتاب المدلسین ص ۹۰ رقم: ۶۰)

جب امام زہری کا مدلس ہونا ثابت ہے تو راجح یہی ہے کہ غیر صحیحین میں ان کی معنعن روایت، عدمِ سماع اور عدمِ متابعتِ قویہ کے بغیر ضعیف ہی ہوتی ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت بلحاظ اصول حدیث وبلحاظ سند ضعیف ہے لہٰذا مردود ہے۔

تنبیہ: زہری کی یہ روایت مختصراً موقوفاً مؤطا امام مالک (۳۱۲/۱ ح ۷۰۱ بتحقیقی، ۳۷۴/۲ ح ۵۶۷ وبتحقیق الشیخ الصالح الصدوق ابی اسامۃ سلیم بن عید الہلالی السلفی) میں موجود ہے۔اس میں بھی زہری مدلس ہیں لیکن مؤطا والی روایت میں زہری کے سماع کی تصریح التمھید لابن عبدالبر (۳۱۹/۸) میں موجود ہے۔

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''أن عائشة كانت إذا اعتكفت لا تسأل عن المريض إلا وهي تمشي ولا تقف'' یعنی: بے شک جب (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) اعتکاف فرماتیں تو کسی مریض کی عیادت نہیں کرتی تھیں اِلا یہ کہ بغیر رُکے چلتے چلتے ہی بیمار پُرسی کرلیتیں۔

اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''إن كنت لأدخل البيت للحاجة والمريض فيه فما أسأل عنه إلا وأنا مارّة'' اور میں (انسانی) ضرورت کے لئے گھر میں داخل ہوتی اور اس میں کوئی مریض ہوتا تو میں صرف چلتے چلتے ہی اس کی بیمار پُرسی کرتی تھی۔

(صحیح مسلم، کتاب الحیض ب ۳، ح ۷/۲۹۷ وترقیم دارالسلام: ۶۸۵)

اعتکاف کے یہ (کئی) مسائل میرے علم کے مطابق کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہیں لہٰذا اس سلسلے میں بعض آثارِ صحیحہ پیشِ خدمت ہیں:

① عروہ بن الزبیر نے فرمایا: ''لا اعتكاف إلا بصوم'' روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۷/۳ ح ۹۶۲۶ وسندہ صحیح)

② سعید بن جبیر نے کہا: (اعتکاف کرنے والا) جمعہ میں حاضر ہو، مریض کی عیادت کرے اور حاکمِ وقت کی اطاعت کرے۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۸۸ ح ۹۶۳۲ وسندہ صحیح)

اور فرمایا: جمعہ میں حاضر ہو، مریض کی عیادت کرے، جنازے میں حاضر ہو اور حاکم وقت کی اطاعت کرے۔ (ایضاً ۳/۸۸ ح ۹۶۳۴ وسندہ صحیح)

③ عامر الشعبی نے فرمایا: قضائے حاجت کے لئے باہر جائے، مریض کی عیادت کرے، جمعہ پڑھنے کے لئے جائے اور دروازے پر کھڑا ہو۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۸۸ ح ۹۶۳۶ وسندہ صحیح)

④ حسن بصری نے فرمایا: قضائے حاجت کے لئے جائے، جنازہ پڑھے اور مریض کی بیمار پرسی کرے۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۸۸ ح ۹۶۳۹ وسندہ صحیح)

⑤ ابن شہاب الزہری نے کہا: نہ تو جنازہ پڑھے، نہ مریض کی عیادت کرے اور نہ کسی کی دعوت قبول کرے۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۸۹ ح ۹۶۴۴ وسندہ صحیح)

⑥ عروہ بن الزبیر نے کہا: نہ تو دعوت قبول کرے، نہ مریض کی بیمار پرسی کرے اور نہ جنازے میں حاضر ہو۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۸۹ ح ۹۶۴۶ وسندہ صحیح)

ان آثار کو دیکھ کر راجح اور قوی پر عمل کریں۔

زہری فرماتے ہیں کہ: اعتکاف اسی مسجد میں کرنا چاہئے جہاں نماز باجماعت ہوتی ہے۔

(ابن ابی شیبہ ۳/۹۱ ح ۹۶۷۳ وسندہ صحیح)

یہی تحقیق حکم بن عتیبہ، حماد بن ابی سلیمان، ابوجعفر اور عروہ بن الزبیر کی ہے۔

(ابن ابی شیبہ ۳/۹۲ ح ۹۶۷۴_۹۶۷۶ وأسانیدها صحیحة)

جبکہ عمومِ قرآن: ﴿وَأَنتُمْ عٰكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہے چاہے وہ مسجد جامع ہو یا غیر جامع۔ واللہ أعلم

ابو قلابہ نے اپنی قوم کی مسجد میں اعتکاف کیا تھا۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۹۰ ح ۹۶۶۰ وسندہ صحیح)

یہی تحقیق سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی کی ہے۔

(ابن ابی شیبہ ۳/۹۰ ح ۹۶۶۳ وسندہ قوی، ۳/۹۱ ح ۹۶۶۵ وسندہ قوی)

سابقہ آثار جن میں نماز جمعہ کے لئے جانے کے لئے معتکف کو اجازت دی گئی ہے، سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ غیر جامع مسجد میں اعتکاف جائز ہے۔

روزہ اور اعتکاف کے اجماعی مسائل: اجماع ہے کہ جس نے رمضان کی ہر رات روزہ کی نیت کی اور روزہ رکھا اس کا روزہ مکمل ہے۔

اجماع ہے کہ سحری کھانا مستحب ہے۔

اجماع ہے کہ روزہ دار کو بے اختیار قے آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اجماع ہے کہ جو روزہ دار قصداً قے کرے اس کا روزہ باطل ہے۔

اجماع ہے کہ روزہ دار (اپنی) رال اور (اپنا) تھوک نگل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اجماع ہے کہ عورت کو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں اور درمیان میں ایام شروع ہو جائیں تو پاکی کے بعد پچھلے روزہ پر بنا کرے گی۔

اجماع ہے کہ ادھیڑ عمر، بوڑھے جو روزہ کی استطاعت نہیں رکھتے روزہ نہیں رکھیں گے (بلکہ فدیہ ادا کریں گے)

اجماع ہے کہ اعتکاف لوگوں پر فرض نہیں، ہاں اگر کوئی اپنے اوپر لازم کرلے تو اس پر واجب ہے۔

اجماع ہے کہ اعتکاف مسجدِ حرام، مسجدِ رسول، اور بیت المقدس میں جائز ہے۔

اجماع ہے کہ معتکف اعتکاف گاہ سے پیشاب، پاخانہ کے لئے باہر جا سکتا ہے۔

اجماع ہے کہ معتکف کے لئے مباشرت (بیوی سے بوس وکنار) ممنوع ہے۔

اجماع ہے کہ معتکف نے اپنی بیوی سے عمداً حقیقی مجامعت کرلی تو اس نے اعتکاف فاسد کر دیا۔ (الاجماع لابن المنذر ص ۴۷، ۴۸)

(ب) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت المعجم الاوسط للطبرانی (۱۶۰/۸ ح ۷۳۲۲) شعب الایمان للبیہقی (۴۲۴/۳ ح ۳۹۶۵) اخبار اصبہان لابی نعیم الاصبہانی (۸۹/۱، ۹۰) وتاریخ بغداد للخطیب البغدادی (۱۲۶/۴، ۱۲۷ ترجمہ ۱۸۰۲)

میں بشر بن سلم البجلی عن عبدالعزیز بن ابی رواد عن عطاء عن ابن عباس کی سند سے مروی ہے۔
بشر البجلی کے بارے میں حافظ ابو حاتم الرازی نے کہا: ''**هو منكر الحديث**''

(الجرح والتعدیل ۲/ ۳۵۸)

اس شدید جرح کے مقابلے میں حافظ ابن حبان کا اس راوی کو کتاب الثقات (۸/ ۱۴۳، ۱۴۴) میں ذکر کرنا مردود ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

دیکھئے السلسلۃ الضعیفۃ (۱۱/ ۵۶۶ ح ۵۳۴۵) وضعیف الترغیب والترھیب (۲/ ۱۷۷)

اس روایت کی باطل تائید مستدرک الحاکم (۴/ ۲۷۰ ح ۷۷۰۶) میں ہے۔ اس کا راوی محمد بن معاویہ کذاب اور ھشام بن زیاد متروک ہے۔

(ج) یہ روایت سنن الترمذی (۲۲۱۱) وتلبیس ابلیس لابن الجوزی (ص ۲۳۴) میں رمیح الجذامی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے۔

رمیح راوی: مجہول ہے۔ (دیکھئے تقریب التھذیب: ۱۹۵۷، والکاشف للذہبی ۱/ ۲۴۳)

لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

سنن الترمذی کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میری اُمت پندرہ (۱۵) کام کرے گی تو اس پر مصیبتیں آجائیں گی۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! یہ پندرہ کام کیا ہیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا:

(۱) جب مالِ غنیمت ذاتی دولت بن جائے گا (۲) امانت کو غنیمت بنا لیا جائے گا (۳) زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے گا (۴) خاوند اپنی بیوی کی (اندھی) اطاعت کرے گا یعنی زن مرید ہوگا (۵) اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا (۶) اپنے دوست کے ساتھ نیکی کرے گا (۷) اور اپنے والد کے ساتھ برا سلوک کرے گا (۸) مسجدوں میں (دنیاوی) آوازیں بلند ہوں گی (۹) ذلیل اور گھٹیا لوگ حکمران بن جائیں گے (۱۰) انسان کے شر کی وجہ سے اس کی عزت

کی جائے گی (۱۱) شرابیں پی جائیں گی (۱۲) ریشم پہنا جائے گا (۱۳) ناچ گانے والی لڑکیوں کو رکھا جائے گا (۱۴) گانے بجانے کے آلات استعمال کئے جائیں گے (۱۵) اور اس امت کے آخری لوگ اگلے لوگوں پر لعنت بھیجیں گے۔ تو اس وقت سرخ آندھی، زمین کے دھنسنے یا چہروں کے مسخ ہونے کا انتظار کرو۔ (ح ۲۲۱۰، وقال: هذا حديث غريب... إلخ)

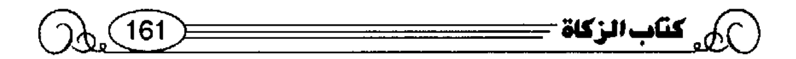
یہ روایت المجروحین لابن حبان (۲/۲۰۷) تاریخ بغداد (۳/۱۵۸) اور العلل المتناهية لابن الجوزی (۲/۳۶۷) میں بھی ہے۔

امام دارقطنی نے فرج کی حدیث کو باطل کہا۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۳۹۶)

فرج بن فضالہ: ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب: ۵۳۸۳ و نیل المقصود: ۲۴۸۸)

آخر میں عرض ہے کہ ترمذی والی ضعیف روایت میں ''وظهرت الأصوات في المساجد'' کا مطلب یہی ہے کہ لوگ مسجدوں میں اونچی آوازوں میں دنیاوی باتیں کریں گے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔ (۲۳/شوال ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۲۱]





عشر و زکوۃ کے مسائل

عشر کی ادائیگی اور کھاد، دوائی وغیرہ کا خرچ

سوال عشر انیس (۱۹) من دانے ہو جانے کے بعد ایک من ہے یا دانے کم ہونے کی صورت میں بھی ان کا بیسواں حصہ دینا پڑے گا؟ مثلاً دانے بیس کلو ہوئے ہیں تو اس میں سے بھی ایک کلو عشر نکالنا پڑے گا۔ کھاد اور دوائی جو فصل میں ڈالی جاتی ہے اس کا خرچہ منہا (نفی، تفریق) کر کے عشر دینا پڑے گا یا نہیں؟ (ظفر اقبال، شکر گڑھ)

الجواب صحیح حدیث میں آیا ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ یعنی عشر نہیں ہے۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۱۴۰۵، صحیح مسلم: ۹۷۹)

ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع ڈھائی کلو کا، اس حساب سے تقریباً ۱۸ من تیس کلو یا اس سے کچھ کم ہوتا ہے، لہٰذا انیس من ہو یا بیس، اس سے عشر ضرور نکالنا چاہیے۔ اگر اناج دس من یا کم وبیش ہو تو عشر نکالنا واجب نہیں ہے۔

کھاد اور دوائی کا خرچہ منہا کرنا، میرے علم میں ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

[شہادت، اگست ۲۰۰۰ء]

سوال ہماری کچھ زرعی زمین ہے اور جب عشر نکالنے کا وقت آیا تو میرا کزن کہنے لگا کہ فصل کاشت کرنے سے لے کر اب تک یعنی تیار ہو کر گھر آنے تک جتنے اخراجات آئے ہیں وہ نکال کر پھر عشر نکالا جائے جبکہ میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں بلکہ جتنی فصل ہے اس سے بیسواں حصہ عشر ہے۔ ذرا وضاحت فرما دیں کہ کیا تمام اخراجات نکال کر باقی جو فصل بچے گی اس کا عشر ہے یا پوری فصل کا؟ (حبیب اللہ چوہدری، سیالکوٹ)

الجواب صحیح بخاری (۱۴۸۳) میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((فیما سقت السماء والعیون أو کان عثریًا: العشر۔ وما سقي بالنضح: نصف العشر .)) جو زمین بارش، چشموں یا سیلابی پانی سے سیراب ہو، اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے اور جو رہٹ (کنویں، پانی نکال کر پلانے) سے سیراب ہو، بیسواں حصہ

ہے۔

معلوم ہوا کہ بارانی زمین میں سے ساری پیداوار سے دسواں اور چاہی (کنویں وغیرہ والی) زمین میں سے بیسواں حصہ بطور عشر نکالا جائے گا۔ زمین پر اخراجات کا منہا کرنے کی کوئی دلیل مجھے معلوم نہیں ہے۔ حدیث کے عمومی الفاظ میں ساری پیداوار شامل ہے۔ اخراجات نکالنے کی تخصیص کی دلیل چاہیے مختصراً یہ ہے کہ آپ کا موقف ہی صحیح ہے۔

[شہادت، مارچ ۲۰۰۱ء]

نقدی کی صورت میں صدقہ فطر ادا کرنا

سوال کیا صدقہ فطر جنس کے علاوہ رقم کی صورت میں دینا جائز ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (ایک سائل)

الجواب امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ جنس کے علاوہ نقدی سے بھی صدقہ فطر کے جواز کے قائل تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۱۷۴ ح ۱۰۳۶۴)

تاہم یہ حقیقت ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی قطعاً یہ ثابت نہیں کہ اس نے نقدی سے صدقہ فطر ادا کیا ہو یا اس کی اجازت دی ہو۔

مسائل عبداللہ بن احمد بن حنبل (۸۰۹) میں لکھا ہوا ہے کہ "میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) سے سنا، آپ صدقہ فطر کی قیمت نکالنا مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے: مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر کوئی شخص قیمت دے گا تو اس کا صدقہ فطر ہی جائز نہیں ہوگا"

امام احمد رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ صدقہ فطر میں قیمت قبول کر لیتے تھے" تو انھوں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ کا قول چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں! فلاں یہ کہتا ہے"! (السنن والمبتدعات ص ۲۰۶ و مغنی ابن قدامہ ۳/۶۵)

لہٰذا راجح یہی ہے کہ اجناس مثلاً گندم وغیرہ سے ہی سے صدقہ فطر ادا کیا جائے۔

امام مالک رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ [شہادت، جنوری ۲۰۰۱ء]

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بصرہ میں عدی کی طرف (خط) لکھ کر بھیجا کہ ہر انسان سے آدھا درہم لیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۷۴ ح ۱۰۳۵۸، وسندہ صحیح)

قرہ (بن خالد السدوسی) نے کہا: ہمارے پاس عمر بن عبدالعزیز کا نوشتہ (حکم) پہنچا کہ صدقہ فطر میں ہر انسان کی طرف سے آدھا صاع یا اس کی قیمت آدھا درہم لو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ح ۱۰۳۶۹، وسندہ صحیح)

ان آثار کی وجہ سے صدقہ فطر میں (رقم) روپے وغیرہ دینا جائز ہے تاہم بہتر یہی ہے کہ اجناس مثلاً گندم، آٹا اور کھجور وغیرہ سے صدقہ فطر ادا کیا جائے۔ واللہ اعلم

(۱۳/نومبر ۲۰۰۹ء)

کرائے کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال زید کے پاس ایک یا چند گاڑیاں ہیں۔ ان کا کرایہ اس کی آمدنی ہے، کیا ان گاڑیوں پر زکوٰۃ ہے؟ (محمد صدیق، ایبٹ آباد)

الجواب سوال کے مطابق یہ گاڑیاں برائے تجارت نہیں ہیں بلکہ برائے مزدوری ہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ سنن ابی داود (۱۵۷۵) کی ایک حسن روایت میں آیا ہے: ((**في كل سائمة إبل في أربعين بنت لبون**))

ہر جنگل میں چرنے والے چالیس اونٹوں میں ایک بنت لبون کی (زکوٰۃ) ہے۔

اس حدیث سے امام دارمی (کتاب الزکوٰۃ باب ۳۶ ح ۱۶۸۴) اور ابن خزیمہ (۴/۱۸ ح ۲۲۶۶) وغیرہما نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ عوامل ابل (کمائی کرنے والے اونٹوں) میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

دیکھئے تجارت اور لین دین کے مسائل واحکام (ص ۳۳۱) [شہادت، مارچ ۲۰۰۴ء]

حج وعمرہ سے متعلق مسائل

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آواز اور حج

سوال ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کے بعد کیا اللہ تعالیٰ نے یہ کہا تھا کہ پہاڑی پر چڑھ کر آواز لگاؤ، تمھاری آواز کو میں لوگوں تک پہنچادوں گا اور جو لوگ آپ کی آواز پر لبیک کہیں گے وہ ضرور حج کریں گے؟ قرآن وسنت سے ثابت کریں۔

(ڈاکٹر نسیم اختر، اسلام آباد)

الجواب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إن إبراهيم عليه السلام لما أمر أن يؤذن في الناس بالحج خفضت له الجبال رؤوسها ورفعت له القرى فاذن في الناس" (الطبرانی ومن طریقہ المزی فی تہذیب الکمال ۲۱/۳۳۲ وھو صحیح واصل سندہ فی سنن ابی داود: ۱۸۸۵، ابوعاصم الغنوی ثقۃ وثقہ ابن معین)

بے شک ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں میں (حج کا) اعلان کرنے کا حکم دیا گیا تو ان کے لئے بستیاں بلند ہوگئیں اور پہاڑوں نے سر جھکا دیا تو انھوں نے لوگوں میں اعلان کیا۔

اس روایت کے شواہد تفسیر ابن جریر وغیرہ میں موجود ہیں جن میں سے بعض کو حاکم وذہبی، دونوں نے صحیح کہا ہے۔ (المستدرک ۲/ ۳۸۸، ۳۸۹) [شہادت، ستمبر ۲۰۰۱ء]

درج بالا آثار کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آواز ہر روح نے سنی تھی اور جس نے لبیک کہا تو اس روح کو حج کی سعادت ضرور نصیب ہوگی لہٰذا سوال میں مذکورہ بات "لبیک اور وہ ضرور حج کریں گے" قصہ گو خطیبوں کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

مسجدِ عائشہ (تنعیم) سے عمرہ

سوال مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران اگر عمرہ کرنے کا ارادہ ہو تو کیا احرام باندھنے کے لئے مسجد عائشہ جانا ہوتا ہے۔ میرے والدین اور ایک چھوٹی ہمشیرہ فوت ہو چکے ہیں۔ والدین نے اپنی زندگی میں حج کیا تھا لیکن چھوٹی ہمشیرہ اس سے محروم رہی۔

آپ سے پوچھنا تھا کہ مرحومین کو ثواب پہنچانے کے لئے قیام مکہ کے دوران عمرہ کیا جا سکتا ہے یا اس کے مساوی کوئی اور بھی عبادت ہے جیسے ان کے نام لے کر فقط طواف کرنا جس کے ذریعہ سے مرحومین کو عمرہ کے برابر یا اس سے زیادہ ثواب پہنچایا جا سکے؟

② اکثر لوگ سعودی عرب کفن کو آبِ زم زم سے تر کرنے کے لئے ساتھ لے جاتے ہیں۔ کیا ایسا کفن پہننے پر قبر کے عذاب سے نجات مل سکتی ہے؟ کیا اسلام میں آبِ زم زم سے کفن کو تر کرنے کی اجازت ہے؟ (محمد منیر، راولپنڈی)

الجواب (عمرے کے بارے میں) راجح یہی ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کیا جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تنعیم سے عمرہ کرنا ایک استثنائی صورت ہے جسے عام سمجھ لینا صحیح نہیں ہے۔

سلف صالحین سے مروجہ دور کے عمروں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ جزیرۃ العرب اور حجاز کے مستند علماء کی بھی یہی تحقیق ہے کہ تنعیم والے عمروں کا کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے جیسا کہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی کتاب "التحقيق والايضاح لكثير من مسائل الحج والعمرة" ص ۱۸، ۱۹ وغیرہ سے ظاہر ہے۔

تاہم عورت حیض کی وجہ سے طواف قدوم وغیرہ نہ کر سکے تو وہ بعد میں تنعیم سے طواف کر سکتی ہے جیسا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ظاہر ہے۔ آپ ان تنعیمی عمروں سے بچیں اور کثرت سے طواف کریں۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ((**الطواف حول البيت مثل الصلوٰة إلا أنكم تتكلمون فيه، فمن تكلم فيه فلا يتكلم إلا بخير**))

(سنن الترمذی کتاب الحج باب ماجاء فی الکلام فی الطواف ح ۹۶۰ ج ۲ ص ۱۲۲، بتحقیقی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے۔ سوائے اس کے کہ تم اس میں باتیں کرتے ہو۔ پس جو بات کرے تو صرف اچھی بات ہی کرے۔ یہ روایت حسن ہے۔

اسے ابن خزیمہ (۴/۲۲۲ ح ۲۷۳۹) اور ابن حبان (الموارد: ۹۹۸) نے صحیح کہا۔

عطاء بن السائب سے اس کے راوی حماد بن سلمہ (الحاکم ۲/۲۶۶) سفیان الثوری (الحاکم

۴۵۹/۱)اور سفیان بن عیینہ وغیرہم ہیں۔

اس روایت کی بہت سی سندیں ہیں۔امام نسائی نے ایسی روایت صحیح سند کے ساتھ عن رجل ادرک النبی ﷺ پر موقوفاً روایت کی ہے۔ (۲۲۲/۵ ح ۲۹۲۵ تحقیقی)

اور صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

''أقلوا الكلام في الطواف وإنما أنتم في الصلوٰة''

طواف میں باتیں کم کرو کیونکہ تم نماز میں ہوتے ہو۔(سنن النسائی ح ۲۹۲۶ تحقیقی)

لہٰذا آپ بکثرت طواف کریں اور والدین وغیرہ کے لئے خوب دعائیں کریں۔

اگر میقات سے باہر نکل کر دوبارہ مکہ آئیں تو والدین اور ہمشیرہ کی طرف سے عمرہ کر سکتے ہیں۔حدیث:((فحج عن أبيك واعتمر)) پس اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کرو،اس کی دلیل ہے۔

(دیکھئے سنن ابی داود: ۱۸۱۰، والترمذی: ۹۳۰، وقال: ''حسن صحیح'' وابن ماجہ: ۲۹۰۶، والنسائی: ۲۶۲۲، ۲۶۳۸، وابن خزیمہ: ۳۰۴۰، وابن حبان: ۹۶۱، والحاکم ۱/۴۸۱ وصححہ علی شرط الشیخین ووافقہ الذہبی، وقواہ احمد بن حنبل)

۲ احرام کو زم زم کے پانی سے دھونے کے جواز کا کوئی ثبوت مجھے معلوم نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ عمل بدعت ہو لہٰذا اس سے مکمل طور پر بچنا چاہئے۔ [شہادت، مارچ ۲۰۰۲]



قربانی وعقیقہ سے متعلق مسائل

پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے

سوال پہلے دن قربانی کرنا زیادہ ثواب اور افضل ہے یا تینوں دن ثواب ایک جیسا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ (ظفر اقبال، شکر گڑھ)

الجواب رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن فرمایا: آج ہم پہلے نماز پڑھیں گے، پھر قربانیاں کریں گے۔

(صحیح بخاری کتاب العیدین باب سنۃ العیدین لاهل الاسلام ح ۹۵۱، صحیح مسلم الاضاحی باب ۱ ح ۱۹۶۱)

اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اول دن قربانی کی ہے لہٰذا افضل اور بہتر یہی ہے کہ عید الاضحیٰ والے تین دنوں میں سے پہلے دن، یعنی دسویں تاریخ کو قربانی کی جائے اور باقی دو دنوں میں قربانی کرنا جائز و باعثِ اجر ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن)

[شہادت، اگست ۲۰۰۰ء]

قربانی کے تین دن ہیں

سوال محترم حافظ صاحب میری، اللہ سے دُعا ہے کہ اللہ آپکو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور اللہ آپکے رسالے "الحدیث" کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ محترم الشیخ "الحدیث" کا ہر شمارہ علم و تحقیق کا شاہکار اور تحقیقی مضامین کا گہوارہ ہوتا ہے۔ محترم الشیخ آپ نے رسالے کی قیمت سالانہ ۲۰۰ روپے رکھی ہے اگر یہ ایک رسالہ مجھے ۲۰۰ روپے کا بھی ملے تو میں یہ رسالہ لینے کے لئے تیار ہوں۔ اللہ آپکی اس محنت کو قبول فرمائے (آمین) مگر افسوس! اتنا تحقیقی رسالہ ہمارے اہلِ حدیث بھائیوں تک نہیں پہنچتا اور وہ قرآن و حدیث پر مبنی اس رسالے سے ناواقف ہیں۔ اہلِ حدیث بھائیوں کے علاوہ

پاکستان کے تمام اہلِ حدیث علماء کے پاس بھی یہ رسالہ نہیں پہنچ رہا صرف چند ایک علماء کے پاس یہ رسالہ پہنچتا ہے۔ میری آپ سے اور تمام اہلِ حدیث بھائیوں سے گزارش ہے کہ اس رسالے کو اکثر اہلِ حدیث علماء تک پہنچائیں اور اہلِ حدیث طلباء جو مدارس میں پڑھ رہے ہیں وہاں بھی یہ رسالہ پہنچنا چاہئے تاکہ نوجوان نسل میں علم وتحقیق کی لہر دوڑے اور وہ اس رسالے کو پڑھ کر تحقیق کی طرف آئیں اور وہ اسماء الرجال کا علم حاصل کریں اور وہ مسلک اہلِ حدیث کی خوب خدمت کرسکیں۔

محترم الشیخ صاحب! میرے اس خط اور میرے مندرجہ ذیل سوال کو ماہنامہ ''الحدیث'' میں شائع کریں۔ اس ضروری تمہید کے بعد آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا چوتھے دن قربانی کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟ میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ چوتھے دن قربانی کرنے والی جو احادیث ہیں وہ ضعیف ہیں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ قربانی تین دن ہے۔

اس سلسلے میں ہفت روزہ اہلِ حدیث میں فضیلۃ الشیخ عبدالستار حماد حفظہ اللہ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قربانی چار دن ہے ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

فضیلۃ الشیخ نے لکھا ہے کہ'' قربانی، عید کے بعد تین دن تک کیجا سکتی ہے۔ عید دسویں (۱۰) ذوالحجہ کو ہوتی ہے، اس کے بعد تین دنوں کو ایامِ تشریق کہتے ہیں۔ ایامِ تشریق کو ذبح کے دن قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمام ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں (مسند امام احمد ص ۸۲ ج ۴) اگرچہ اس روایت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ منقطع ہے لیکن امام ابن حبان اور امام بیہقی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر: ۴۵۳۷)

بعض فقہاء نے عید کے بعد صرف دو دن تک قربانی کی اجازت دی ہے ان کی دلیل درج ذیل امر ہے:

قربانی یوم الاضحیٰ کے بعد دو دن تک ہے (بیہقی ص ۲۹۷ ج ۹) لیکن یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ

یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع حدیث کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا لہٰذا قابل حجت نہیں۔ علامہ شوکانی نے اس کے متعلق پانچ مذاہب ذکر کئے ہیں پھر اپنا فیصلہ بایں الفاظ لکھا ہے: ''تمام ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں اور وہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں۔'' (نیل الاوطار ص ۱۲۵ ج ۵)

واضح رہے پہلے دن قربانی کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر عمل پیرا رہے ہیں لہٰذا بلاوجہ قربانی دیر سے نہ کی جائے اگر چہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ غرباء مساکین کو فائدہ پہنچانے کیلئے تاخیر کرنا افضل ہے لیکن یہ محض ایک خیال ہے جس کی کوئی منقول دلیل نہیں ہے۔ نیز اگر کسی نے تیرہ (۱۳) ذوالحجہ کو قربانی کرنا ہو تو غروب آفتاب سے پہلے پہلے قربانی کردے کیونکہ غروب آفتاب کے بعد اگلا دن شروع ہو جاتا ہے۔

(ہفت روزہ اہلِ حدیث جلد ۳۸۔ ۷ تا ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ ۲۷ اپریل تا ۳ مئی ۲۰۰۷ء)

یہ وہ دلائل ہیں جن کو حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

محترم الشیخ صاحب مندرجہ بالا دلائل اور ان کے علاوہ چوتھے دن قربانی کے جتنے دلائل ہیں ان کو بیان کریں اور ان کی اسنادی حیثیت کو واضح کریں اور اس مسئلۂ قربانی کے بارے میں صحیح ترین تحقیق بیان فرمائیں، اللہ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

اس سوال کو الحدیث میں شائع کریں اور اس کا جواب تحریر فرما کر جوابی لفافے میں بھی ارسال فرمائیں۔ (خرم ارشاد محمدی۔ دولت نگر، گجرات ۲۹/ اپریل ۲۰۰۷ء)

الجواب مسند احمد (۸۲/۴ ح ۱۶۷۵۲) والی روایت واقعی منقطع ہے۔

سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ امام بیہقی نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: ''مرسل'' یعنی منقطع ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۳۹، ج ۹ ص ۲۹۵)

امام ترمذی کی طرف منسوب کتاب العلل میں امام بخاری سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''سليمان لم يدرك أحدًا من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم'' سلیمان (بن موسیٰ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو بھی نہیں پایا۔ (العلل الکبیر ۱/ ۳۱۳)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کسی صحیح دلیل سے یہ ثابت نہیں ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ کو پایا ہے۔ آنے والی روایت (نمبر۲) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں سنی۔

نیز دیکھئے نصب الرایہ (۶۱/۳)

روایت نمبر۲: صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۸۴۳، دوسرا نسخہ: ۳۸۵۴) والکامل لابن عدی (۱۱۱۸/۳، دوسرا نسخہ ۲۶۰/۴) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۲۹۵/۹، ۲۹۶) اور مسند البزار (کشف الاستار ۲/۲۷ ح ۱۱۲۶) وغیرہ میں ''سليمان بن موسى عن عبدالرحمن بن أبي حسين عن جبير بن مطعم'' کی سند سے مروی ہے کہ ((وفي كلّ أيام التشريق ذبح .)) اور سارے ایامِ تشریق میں ذبح ہے۔ یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

① حافظ البزار نے کہا: ''وابن أبي حسين لم يلق جبير بن مطعم''
اور (عبدالرحمٰن) ابن ابی حسین کی جبیر بن مطعم سے ملاقات نہیں ہوئی۔

(البحر الزخار ۳۶۴/۸ ح ۳۴۴۴، نیز دیکھئے نصب الرایہ ج ۳ ص ۶۱ والتمہید نسخہ جدیدہ ۲۸۳/۱۰)

② عبدالرحمٰن بن ابی حسین کی توثیق ابن حبان (الثقات ۱۰۹/۵) کے علاوہ کسی اور سے ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے۔

روایت نمبر۳: طبرانی (المعجم الکبیر ۱۳۸/۲ ح ۱۵۸۳) بزار (البحر الزخار ۳۶۳/۸ ح ۳۴۴۳) بیہقی (السنن الکبریٰ ۲۳۹/۵، ۲۹۲/۹) اور دارقطنی (السنن ۲۸۴/۴ ح ۴۷۱۱) وغیرہم نے ''سويد بن عبدالعزيز عن سعيد بن عبدالعزيز التنوخي عن سليمان بن موسى عن نافع بن جبير بن مطعم عن أبيه'' کی سند سے مرفوعاً نقل کیا کہ ((أيام التشريق كلها ذبح)) تمام ایامِ تشریق میں ذبح ہے۔

اس روایت کا بنیادی راوی سوید بن عبدالعزیز ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۶۹۲)

حافظ ہیثمی نے کہا: ''وضعفه جمهور الأئمة''

اور اسے جمہور اماموں نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۴۷/۳)

روایت نمبر۴: ایک روایت میں آیا ہے کہ ((عن سليمان بن موسى أن عمرو بن دينار حدثه عن جبير بن مطعم أن رسول الله ﷺ قال : كل أيام التشريق ذبح)) (سنن الدارقطنی ۴/۲۸۴ ح ۴۷۱۳، والسنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۶)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

① اس کا راوی احمد بن عیسیٰ الخشاب سخت مجروح ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (ج ۱ ص ۲۴۰، ۲۴۱)

② عمرو بن دینار کی جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

دیکھئے الموسوعۃ الحدیثیۃ (ج ۲۷ ص ۳۱۷)

تنبیہ: ایک روایت میں ''الوليد بن مسلم عن حفص بن غيلان عن سليمان بن موسى عن محمد بن المنكدر عن جبير بن مطعم '' کی سند سے آیا ہے کہ ''عرفات موقف وادفعوا من عرفة والمزدلفة موقف و ادفعوا عن محسر ''

(مسند الشامیین ۲/۳۸۹ ح ۱۵۵۶، ونصب الرایہ ۳/۶۱ مختصراً)

اس روایت کی سند ولید بن مسلم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس میں ایامِ تشریق میں ذبح کا بھی ذکر نہیں ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ایامِ تشریق میں ذبح والی روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے لہٰذا اسے صحیح یا حسن قرار دینا غلط ہے۔

آثارِ صحابہ: روایتِ مسئولہ کے ضعیف ہونے کے بعد آثارِ صحابہ کی تحقیق درج ذیل ہے:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''الأضحى يومان بعد يوم الأضحى '' قربانی والے دن کے بعد (مزید) دو دن قربانی (ہوتی) ہے۔

(موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۷ ح ۱۰۷۱ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۷)

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''النحر يومان بعد يوم النحر و أفضلها يوم النحر '' قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے

(پہلے) دن ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن)

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''الأضحی یومان بعدہ'' قربانی والے (اول) دن کے بعد دو دن قربانی ہوتی ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۶ ح ۱۵۷۶، وھو صحیح)

④ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''النحر ثلاثة أیام'' قربانی کے تین دن ہیں۔

(احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۵ ح ۱۵۶۹، وھو حسن)

تنبیہ: احکام القرآن میں ''حماد بن سلمة بن کھیل عن حجتہ عن علي'' ہے جبکہ صحیح ''حماد عن سلمة بن کھیل عن حجیة عن علي'' ہے جیسا کہ کتبِ اسماء الرجال سے ظاہر ہے اور حماد سے مراد حماد بن سلمہ ہے۔ والحمد للہ

ان کے مقابلے میں چند آثار درج ذیل ہیں:

① حسن بصری نے کہا: عید الاضحیٰ کے دن کے بعد تین دن قربانی ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۶ ح ۱۵۷۷ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۷ وسندہ صحیح)

② عطاء (بن ابی رباح) نے کہا: ایامِ تشریق کے آخر تک (قربانی ہے)

(احکام القرآن ۲/۲۰۶ ح ۱۵۷۸ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۶ وسندہ حسن)

③ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''الأضحی یوم النحر و ثلاثة أیام بعدہ'' قربانی عید کے دن اور اس کے بعد تین دن ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۷ وسندہ حسن)

امام شافعی اور عام اہلِ حدیث علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔ بعض علماء اس سلسلے میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ سابقہ صفحات پر تفصیلاً ثابت کر دیا گیا ہے۔

④ سیدنا ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان اپنی قربانیاں خریدتے پھر انھیں (کھلا کھلا کر) موٹا کرتے پھر عید الاضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (تک) کو ذبح کرتے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۷، ۲۹۸ وسندہ صحیح) !!

ان سب آثار میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول راجح ہے کہ قربانی تین دن ہے:

یعنی عید الاضحیٰ اور اس کے بعد والے دو دن۔

ابن حزم نے ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے کہ "نا زيد بن الحباب عن معاوية بن صالح :حدثني أبو مريم :سمعت أبا هريرة يقول :الأضحى ثلاثة أيام"
یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قربانی تین دن ہے۔ (المحلی ج ۷ ص ۳۷۷ مسئلہ: ۹۸۲)
اس روایت کی سند حسن ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ (مطبوع) میں یہ روایت نہیں ملی۔ واللہ اعلم

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ ممانعت اس کی دلیل ہے کہ قربانی تین دن ہے والا قول ہی راجح ہے۔ اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحتاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور آثار میں اختلاف ہے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں، ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم (۲/مئی ۲۰۰۷ء)

[الحدیث: ۴۴]

بھینس کی قربانی کا حکم

سوال کیا بھینس کی قربانی جائز ہے؟ (ایک سائل)

الجواب اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری کی قربانی کتاب وسنت سے ثابت ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے، اس پر ائمہ اسلام کا اجماع ہے۔

امام ابن المنذر (متوفی ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں:

"وأجمعوا على أن حكم الجواميس حكم البقر"

اور اس بات پر اجماع ہے کہ بھینسوں کا وہی حکم ہے جو گائیوں کا ہے۔

(الاجماع، کتاب الزکاۃ ص ۴۳ حوالہ: ۹۱)

ابن قدامہ (متوفی ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں: ''لا خلاف في هذا نعلمه'' اس مسئلہ میں، ہمارے علم کے مطابق کوئی اختلاف نہیں۔ (المغنی ج ۲ ص ۲۴۰ مسئلہ: ۱۷۱۱)

زکوٰۃ کے سلسلے میں، اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ بھینس گائے کی جنس میں سے ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بھینس گائے ہی کی ایک قسم ہے، تاہم چونکہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے صراحتاً بھینس کی قربانی کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے بلکہ صرف اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری کی ہی قربانی کی جائے اور اسی میں احتیاط ہے۔ واللہ اعلم [شہادت، مارچ ۲۰۰۱ء]

میت کی طرف سے قربانی کا حکم

سوال کیا قربانی والدین یا فوت شدگان بزرگوں کی طرف سے کی جا سکتی ہے جیسے مشہور ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک قربانی اپنی طرف سے اور ایک اپنی اُمت کی طرف سے کرتے تھے؟ (ظفر عالم، لاہور)

الجواب اس سلسلے میں راقم الحروف کی تحقیق ماہنامہ شہادت میں چھپ چکی ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کے جواز والی حدیث ضعیف ہے تاہم صدقہ کے عمومی دلائل کی رو سے میت کی طرف سے قربانی جائز ہے۔ ایسی قربانی کا سارا گوشت صدقہ کر دیا جائے گا۔ شیخ الاسلام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أحب إلي أن يتصدق عنه ولا يضحي عنه وإن ضحى فلا يأكل منها شيئاً ويتصدق بها كلها'' میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کیا جائے اور قربانی نہ کی جائے تاہم اگر کوئی قربانی کرے تو اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے بلکہ سارے حصے اور گوشت کو صدقہ کر دے۔''

(سنن ترمذی ابواب الاضاحی باب ماجاء فی الاضحیۃ عن المیت ح ۱۴۹۵) [شہادت، اگست ۲۰۰۱ء]

سوال میت کی طرف سے قربانی کرنا شرعاً کیسا ہے؟ (تنویر سلفی، ضلع ایبٹ آباد)

الجواب میت کی طرف سے قربانی کے جواز والی روایت ابو الحسناء راوی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے جیسا کہ راقم الحروف کی تحقیق ماہنامہ شہادت میں شائع ہو چکی ہے، تاہم صدقہ کے جواز کے عمومی دلائل کی رو سے میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔ یہ قربانی صدقہ ہوگی لہٰذا اس کا سارا گوشت غریبوں میں تقسیم کر دینا چاہئے۔

شیخ الاسلام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**أحب إلي أن يتصدق عنه ولا يضحي عنه ، وإن ضحى فلا يأكل منها شيئاً ويتصدق بها كلها**''

میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ میت کی طرف سے (مطلقاً) صدقہ کیا جائے اور قربانی نہ کی جائے اور اگر کوئی قربانی کردے تو اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے (بلکہ سارے گوشت کو صدقہ کردے۔

(سنن الترمذی ابواب الاضاحی باب ماجاء فی الاضحیۃ عن المیت ح ۱۴۹۵)

[شہادت، اکتوبر ۲۰۰۱ء]

قربانی میں حصے داران کے لئے عقیدے کی شرط

سوال کیا گائے یا اونٹ کی قربانی میں حصہ دار سب کے سب عقیدہ کی بنیاد پر اہلِ توحید ہونے ضروری ہیں یا دوسرے فرقوں (بریلوی، دیوبندی) کے ساتھ مل کر قربانی کی جا سکتی ہے؟ (ظفر عالم، لاہور)

الجواب اگر ذبح کرنے والا، صحیح العقیدہ مسلم ہے تو گائے کے سات حصوں میں سے جس حصے کا مالک صحیح العقیدہ ہے تو وہ حصہ صحیح اور مقبول ہے اور اگر ان حصہ داروں میں سے کوئی بدعقیدہ مثلاً دیوبندی یا بریلوی بھی شریک ہو گیا ہے تو باقی حصہ داروں کی قربانی تو ہو جائے گی تاہم افضل یہی ہے کہ تمام حصے داران صحیح العقیدہ مسلمانوں میں سے ہی تلاش کئے جائیں۔ آیت: ﴿ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴾ کے عموم کا یہی مفہوم ہے کہ صحیح العقیدہ کی قربانی مقبول اور بدعقیدہ کی مردود ہے۔

فقہ حنفی کا ایک جز ئیہ ہے کہ اگر سات حصے داروں میں سے ایک بھی نصرانی یا ایسا شخص ہو جس کا مقصد صرف گوشت خوری ہو، شریک ہو جائے تو تمام حصے داروں کی قربانی نہیں ہوتی۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۲ ص ۴۴۹)

جب کہ شوافع اس جز ئیہ کے خلاف ہیں۔ دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ (ج ۳ ص ۶۰۵)

حنفیہ کا یہ موقف بلا دلیل ہے۔ [شہادت، اگست ۲۰۰۱ء]

عقیقہ ساتویں دن کرنا

سوال ہمارے ہاں مسئلہ عقیقہ پر اختلاف ہے۔ ایک فریق کا موقف ہے کہ عقیقہ صرف ساتویں روز ہی ہو سکتا ہے اور عقیقہ کے جانور کے لئے ان شروط کا ہونا ضروری ہے جن کا قربانی کے جانور کے لئے ہونا ضروری ہے مثلاً مسنہ، ہر قسم کے عیب سے پاک، موٹا تازہ ہونا وغیرہ۔ دوسرے فریق کا موقف ہے کہ عقیقہ سنت تو ساتویں روز اور اکیسویں روز ہے لیکن اگر طاقت نہ ہو تو زندگی میں جب بھی طاقت ہو کیا جا سکتا ہے اور عقیقہ کے جانور کے لئے ان شروط کا ہونا ضروری نہیں جن کا قربانی کے لئے ہونا ضروری ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اچھی چیز قربان کرنی چاہئے۔

عرض ہے کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟ ماہنامہ شہادت میں جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔ جواب ضروری ہے، ہمارے ہاں اس مسئلہ پر کافی اختلاف ہے۔ دونوں فریق اپنے اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ (حافظ محمد یونس، میر پور)

الجواب ساتویں روز عقیقہ کرنے والی روایت صحیح ہے۔ اسے ابو داود (۲۸۳۸) ترمذی (۱۵۲۲) اور احمد (۵/۷) وغیرہم نے حسن بصری عن سمرہ بن جندب کی سند سے نقل کیا ہے۔ ترمذی نے کہا "حسن صحیح" اور ابن الجارود (۹۱۰) حاکم اور ذہبی (المستدرک ۴/ ۲۳۷) وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔ (نیل المقصود ۲/ ۶۶۵)

جس روایت میں چودہ اور اکیس دن کا ذکر ہے وہ اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف

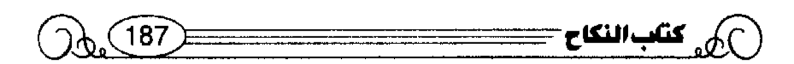
ہے اور قتادہ کا عنعنہ بھی ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۳۰۳/۹) ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از نبوت عقیقہ کیا۔ (عبدالرزاق فی المصنف ۳۲۹/۴ ح ۷۹۶۰) اس کا راوی عبداللہ بن محرر متروک ہے لہٰذا یہ روایت سرے سے مردود ہے۔

بہتر اور مستحب یہی ہے کہ ساتویں دن ہی عقیقہ کیا جائے تاہم حدیث: ((**كل غلام مرتهن بعقيقته .**)) ہر بچہ اپنے عقیقے کی وجہ سے رہن (معلق) رہتا ہے۔ (المنتقیٰ لا بن الجارود: ۹۱۰ وسندہ حسن) کی روشنی میں اس کے بعد میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم

قربانی اور عقیقہ کا باہمی تعلق ہے، لہٰذا حدیث: ((**من أحب أن ينسك عن ولده .**)) جو شخص اپنے لڑکے کی طرف سے قربانی کرنا چاہیے۔ الخ (سنن النسائی ۱۶۲/۷۔۱۶۴ ح ۴۲۱۷ وسندہ حسن) کی رُو سے بہتر یہی ہے کہ عقیقہ کا جانور بھی قربانی کے جانور جیسا ہو، البتہ قربانی والی شروط ضروری نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

[نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو شمارہ: ۵۲] [شہادت، ستمبر ۲۰۰۱ء]





نکاح وطلاق اور رضاعت سے متعلق مسائل

خطبۂ نکاح

سوال انعقادِ نکاح کے موقع پر ایجاب وقبول کے بعد خطبہ پڑھنا جائز ہے یا پہلے پڑھنا ضروری ہے؟ (تنویر سلفی، ضلع ایبٹ آباد)

الجواب خطبہ کی جو روایت مروی ہے وہ ابو داود (۲۱۱۸) ترمذی (۱۱۰۵) نسائی (۳۲۷۹) ابن ماجہ (۱۸۹۲) احمد (۱/۳۹۲، ۳۹۳) اور دارمی (۲۲۰۸) وغیرہم نے بیان کی ہے، جو کہ سنداً ضعیف ہے۔

دارمی کی روایت میں آیا ہے کہ خطبے کے بعد "ثم یتکلم بحاجته" یعنی پھر اپنی حاجت ذکر کرے۔ (نیز دیکھئے مسند احمد ۱/۳۹۲۔۳۹۳ ح ۳۷۲۰) اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے تاہم دوسرے عمومی دلائل اور صحیح مسلم کی حدیث (۸٦۷) کی رو سے بہتر یہی ہے کہ خطبے کے بعد ہی ایجاب وقبول ہو۔ واللہ اعلم [شہادت، اکتوبر ۲۰۰۱ء]

قرآن پاک سے لڑکی کی شادی!

سوال بعض لوگ اپنی بیٹیوں کی شادی دولت بچانے کی خاطر قرآن سے کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے کیا یہ لوگ ایسا کرنے سے اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ (حافظ محمد نعیم، بلدیہ کراچی)

الجواب قرآن کے ساتھ لڑکیوں کی شادی کرنا انتہائی باطل و مردود فعل ہے بلکہ قرآن و دین اسلام کے ساتھ تمسخر و مذاق ہے۔ اقامت حجت کے بعد بھی اگر کوئی اس کے جواز کا قائل ہے تو اس کا اسلام مشکوک ہے۔ [شہادت، اکتوبر ۱۹۹۹ء]

حق مہر مساوات

سوال ایک آدمی دوسری شادی کرتا ہے، اس کی پہلی بیوی موجود ہے دوسری کا

مہر پہلی سے زیادہ ادا کرتا ہے کیا یہ ناانصافی نہیں ہے؟ (عطاء الرحمٰن، ایبٹ آباد)

الجواب مہر کا مقرر کرنا خاوند و بیوی کا معاملہ ہے جو کہ اولیاء کے ذریعے سے طے کیا جاتا ہے۔ حالات کی مناسبت سے اس میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے لہٰذا میرے نزدیک ایسا کرنا پہلی بیوی کی حق تلفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم [شہادت، اکتوبر ۱۹۹۹ء]

ایجاب وقبول کے لئے وکیل مقرر کرنا

سوال لڑکا موجود نہیں۔ اس کے وکیل نے اس (لڑکے) کی طرف سے ایجاب وقبول کا عمل کیا، کچھ عرصے کے بعد لڑکا آ گیا، اب وہ وکیل اس لڑکے کو ایجاب وقبول منتقل کرے گا۔ اگر ایسا کرے گا تو کس طرح؟ (تنویر سلفی، ضلع ایبٹ آباد)

الجواب اگر لڑکے نے وکیل کو اجازت دے دی تھی تو اسی کا ایجاب وقبول کافی ہے۔ اعادے یا انتقال کی ضرورت نہیں ہے۔ [شہادت، اکتوبر ۲۰۰۱ء]

ولیمے کا وقت

سوال کیا شادی کے بعد میاں بیوی کے اکٹھے ہونے (شبِ زفاف گزارنے) سے پہلے ولیمہ کرنا ثابت ہے؟ (حافظ طارق مجاہد یزمانی)

الجواب سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی) ایک زوجہ کے ساتھ شبِ زفاف گزاری پھر مجھے بھیجا تو میں نے لوگوں کو (ولیمے کے) کھانے پر بلایا۔

(صحیح بخاری: ۵۱۷۰)

امام بیہقی نے اس حدیث پر ''باب وقت الولیمة'' کا باب باندھ کر یہ اشارہ کیا ہے کہ میاں بیوی کے اکٹھے ہونے اور شبِ زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ کرنا چاہیے۔

(السنن الکبریٰ ۷/ ۲۶۰)

ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مبارکہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے

ساتھ شبِ زفاف کی تین راتیں گزاریں اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ولیمے کے لئے بلایا۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۵۱۵۹)

لہٰذا مسنون یہی ہے کہ رخصتی اور شبِ زفاف گزارنے کے بعد (تین دنوں کے اندر اندر) ولیمہ کیا جائے۔ (۲۷/ دسمبر ۲۰۰۶ء) [الحدیث: ۳۳]

فائدہ: امام محمد بن سیرین کے والد نے آٹھ دن تک ولیمہ کیا تھا۔

(دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/ ۱۶۱، وسندہ صحیح)

حقوقِ زوجین اور اسلامی کتب کا تقدس

سوال جس کمرے میں قرآن مجید یا اسلامی کتب ہوں یا دیوار پر قرآنی آیات آویزاں ہوں کیا اس میں زوجین ہم بستر ہو سکتے ہیں؟ یہ جائز ہے یا ناجائز؟

(ابوحمید الساعدی، لاہور)

الجواب یہ جائز ہے۔ کیونکہ اس کے ناجائز ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

[شہادت، اکتوبر ۱۹۹۹ء]

غصے میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال اگر کوئی آدمی غصے کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور بعد میں پچھتائے تو اس کا کیا حل ہے؟ (عبدالقادر، دیپالپور)

الجواب غصے والی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، دلیل وہ حدیث ہے: ((ثلاث جدهن جد و هزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة)) تین چیزیں جان بوجھ کر کریں یا مذاق میں کریں، واقع ہو جاتی ہیں: نکاح، طلاق اور رجعت۔ (سنن ابی داود: ۲۱۹۴)

اس کی سند حسن ہے، اسے امام ترمذی نے ''حسن غریب'' اور حاکم (۲/ ۱۹۸) نے صحیح کہا ہے۔ اس کے راوی عبدالرحمٰن بن اردک حسن الحدیث ہیں۔ (نیل المقصود ج ۲ ص ۵۶۰)

اور اس کے کئی شواہد بھی ہیں۔ (دیکھئے التلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۱۰) [شہادت، مئی ۲۰۰۰ء]

خلع والی عورت کی عدت ایک مہینہ ہے

سوال جو عورت اپنے شوہر سے خُلع لے، اُس عورت کی عدت کتنی ہے؟ کیا عام عورتوں کی طرح وہ نکاح ختم ہونے کے بعد تین حیض یا وضعِ حمل کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؟ دلیل اور تحقیق سے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ایک سائل)

الجواب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) کی بیوی (قولِ مشہور میں حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے شوہر سے خلع لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں حکم دیا کہ وہ ایک حیض کی عدت گزاریں۔

روایت کی تخریج کے لئے دیکھئے سنن الترمذی (۱۱۸۵م، وقال: ''حسن غریب'') سنن ابی داود (۲۲۲۹) اور المستدرک للحاکم (۲۰۶/۲ ح ۲۸۲۵ وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی فی تلخیصہ)

اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے اور اسے امام عبدالرزاق کا مرسلاً بیان کرنا علتِ قادحہ (وجۂ ضعف) نہیں بلکہ زیادتِ ثقہ کی مقبولیت کے اُصول سے یہ روایت مرسلاً اور متصلاً دونوں طرح صحیح ہے۔

سنن الدارقطنی (ج ۳ ص ۲۵۵ ح ۳۵۸۹) میں صحیح سند کے ساتھ ہشام بن یوسف کی بیان کردہ اس روایت میں '' فجعل النبي صلی اللہ علیہ وسلم عدتها حيضة و نصفاً '' کے الفاظ آئے ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت ڈیڑھ حیض مقرر فرمائی۔ اس کی سند بھی حسن لذاتہ ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ خلع لینے والی عورت کی عدت ایک مہینہ ہے۔

ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا نے (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں) خلع لیا پھر انھوں نے (سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) سے عدت کے بارے میں پوچھا تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تم پر کوئی عدت نہیں ہے اِلا یہ کہ وہ (شوہر) تمھارے پاس تھا اور تم نے تازہ تازہ خلع لیا ہے تو ایک حیض عدت گزارے گی۔ (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس مسئلے میں

رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کی اتباع کرتا ہوں جو آپ نے مریم المغالیہ (رضی اللہ عنہا) کے بارے میں فرمایا تھا۔ (سنن النسائی ج ۶ ص ۱۸۶۔ ۱۸۷ ح ۳۵۲۸ وسندہ حسن واللفظ لہ، سنن ابن ماجہ: 2058، وقال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری ۹/ ۳۹۹ تحت ح ۵۲۷۳: "و إسناده جيد")

مریم المغالیہ سے مراد ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وہ بیوی ہے، جس نے اُن سے خلع لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں ایک حیض کی عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔

دیکھئے الاصابہ (جلد واحد ص ۱۷۶۶)

عین ممکن ہے کہ مریم المغالیہ سے مراد حبیبہ بنت سہل کے علاوہ کوئی اور ہو۔ واللہ اعلم

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ربیع (بنت معوذ رضی اللہ عنہا) نے اپنے شوہر سے خلع لیا پھر اُس کا چچا (سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا تو انھوں نے فرمایا:

وہ ایک حیض کی عدت گزارے گی۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ پہلے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ وہ تین حیض کی عدت گزارے گی، جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فتویٰ دیا تو پھر وہ اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور فرماتے تھے:

وہ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے زیادہ علم والے ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱۴ ح ۱۸۴۵۶، وسندہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سابقہ فتوے سے رجوع کرلیا تھا۔

امام نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱۴ ح ۱۸۴۵۵، وسندہ صحیح)

اس مسئلے میں حنفی وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ خلع والی عورت مطلقہ کی طرح تین مہینے یا وضع حمل کی عدت گزارے گی لیکن درج بالا حدیث، خلیفۂ راشد کے فیصلے اور صحابیٔ رسول کے فتوے کی وجہ سے راجح یہی ہے کہ وہ ایک مہینہ عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

(۷/ نومبر ۲۰۰۹ء)

کیا خلع کے بعد عورت سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے؟

سوال کیا خلع کے بعد عورت اپنے اُس شوہر سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے، جس سے خلع لیا ہے؟ (ایک سائل)

الجواب خلع لینے والی عورت اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: "أخبرنا سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار عن طاؤس عن ابن عباس رضي الله عنه في رجل طلق امرأته تطليقتين ثم اختلعت منه بعد فقال: يتزوجها إن شاء ...." ایک آدمی نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں پھر اس کے بعد اس عورت نے اپنے شوہر سے خلع لے لیا تو اس کے بارے (سیدنا) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ چاہے تو اس سے (دوبارہ) نکاح کرسکتی ہے... (کتاب الام ج ۵ ص ۱۱۴)

اس اثر کی سند صحیح ہے۔ اگر سفیان بن عیینہ سے امام شافعی نے روایت کی ہو تو یہ روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔

دیکھئے النکت للزرکشی (ص ۱۸۹) اور الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۴۲)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خلع کو فسخ سمجھتے تھے لہٰذا وہ اس کے بعد دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح کو جائز سمجھتے تھے۔ یعنی "طلقها تطليقة" کی رو سے اگر شوہر ایک طلاق دے بھی دے تو پھر بھی فسخ ہے۔

ثقہ تابعی میمون بن مہران رحمہ اللہ نے فرمایا: "يتزوّجها و يسمّي لها مهرًا جديدًا." وہ اگر چاہے تو نکاح کرے گا اور نیا حق مہر باندھے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۱۲۲ ح ۱۸۵۰۴، وسندہ صحیح)

امام ابن شہاب الزہری نے فرمایا: اس نے (اگر) جو رقم اس عورت سے لی ہے تو اس سے کم حق مہر کے ساتھ اس سے نکاح نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۱۲۲ ح ۱۸۵۰۳، وسندہ صحیح)

رضاعت کی مدت اور عدد

سوال بعض علمائے کرام کہتے ہیں کہ شیر خواری کی عمر میں بچہ ایک بھی دفعہ دودھ پی لے تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، ان کا استدلال درج ذیل روایات ہیں:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو برس کی عمر میں بچہ اگر ایک دفعہ بھی دودھ پی لے تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

ابراہیم بن عقبہ نے سعید بن المسیب سے رضاعت کا حکم پوچھا تو سعید رحمہ اللہ نے کہا: جو رضاعت دو برس کے اندر ہو اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے چاہے ایک قطرہ ہی کیوں نہ ہو۔ ابراہیم نے کہا پھر میں نے عروہ بن زبیر سے پوچھا، انھوں نے بھی ایسا ہی کہا۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ روایات موطأ امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہیں، ان کی اسانید اور صحت کے بارے میں تفصیل سے جواب ارسال کریں۔

جو لوگ پانچ دفعہ دودھ پینے کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پہلے قرآن میں دس بار دودھ پینے کے بارے میں آیا تھا، بعد میں حکم منسوخ ہو کر پانچ دفعہ رہ گیا تھا، کم از کم پانچ دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

(جبکہ قرآن میں یہ آیات نہیں ہیں)

کیا بلوغت کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے جو اماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سہلہ بنت سہیل ابو حذیفہ کی بیوی جو بنی عامر بن لوی کی اولاد میں سے تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی کہ ہم سالم کو اپنا بچہ سمجھتے تھے، ہمارے گھر چلا آتا تھا، اب کیا کرنا چاہیے، دوسرا گھر بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کو پانچ بار دودھ پلا دے وہ تیرا محرم ہو جائے گا۔ لیکن دوسری ازواجِ مطہرات اس کا انکار کرتی ہیں۔ (موطأ امام مالک)

کیا یہ حکم سالم کے لئے خاص تھا یا کہ عام ہے؟ (عابد الرحمٰن)

الجواب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر "ما کان فی الحولین وإن کان مصة واحدةً فهو یحرم" موطأ امام مالک ۲/۶۰۷ بترقیم فؤاد عبدالباقی پر "عن ثور بن زید الدیلی عن ابن عباس به" کی سند سے ہے۔ ثور بن زید کی ابن عباس سے روایت منقطع ہوتی ہے۔ تاہم یہی روایت السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۶۲ پر "عن عبدالعزیز بن محمد (الدراوردی) عن ثور بن زید عن عکرمہ عن ابن عباس" کی سند سے متصلاً مروی ہے۔ بیہقی رحمہ اللہ نے کہا: "هذا هو الصحیح موقوف" یعنی یہ موقوف روایت (بلحاظ سند) صحیح ہے۔

سعید بن المسیب اور عروۃ بن زبیر کے اقوال (موطأ ج ۲ ص ۶۰۴) کی سندیں بھی صحیح ہیں۔ ابن شہاب الزہری کا قول بھی صحیح و ثابت ہے۔

"عشر رضعات" (دس بار دودھ پینے) والی آیت قرآن میں کہیں بھی نہیں ہے۔ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں ہی منسوخ التلاوۃ ہوگئی تھی۔

اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی تحقیق میں رضاعتِ کبیر جائز ہے مگر اس کے لئے "خمس رضعات" (پانچ بار دودھ پینا) شرط ہے جبکہ ام سلمہ اور دوسری تمام ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم و جمہور امت کے نزدیک رضاعت کبیر جائز نہیں ہے۔ وہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ والی حدیث کو سالم کی تخصیص پر محمول کرتے ہیں۔ واللہ اعلم
دیکھئے صحیح مسلم (ج ۱ ص ۴۶۹ ح ۱۴۵۴)

موطأ امام مالک (ج ۲ ص ۶۰۶) پر ایک صحیح السند روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رضاعتِ کبیر کے قائل نہیں تھے اور یہی جمہور کا مسلک ہے اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

[شہادت، اپریل ۲۰۰۱ء]

جہاد سے متعلق مسائل

اہل حدیث اور جہاد

سوال کیا اہل حدیث نے ازمنہ قدیم اور عصر حاضر میں جہاد بالسیف میں حصہ لیا ہے؟ (ایک سائل)

الجواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہل حدیث کے دو مفہوم بیان کئے ہیں:

① محدثین کرام

② حدیث رسول پر عمل کرنے والے اور تقلید نہ کرنے والے لوگ

دیکھئے مجموع فتاویٰ (ج ۴ ص ۹۵، ج ۲۰ ص ۴۰)

مخالفینِ اہل حدیث نے بھی محدثین کرام کو اہل حدیث کے لقب سے ملقب کیا ہے، مثلاً دیکھئے مسعود احمد بی ایس سی کی کتاب ''الجماعۃ القدیمۃ بجواب الفرقۃ الجدیدۃ'' (ص ۵، ۷)

اس لحاظ سے تمام صحابہ کرام وتابعین ومن بعدہم اہل حدیث تھے۔ صحابہ کرام وتابعین عظام کی جہادی زندگیاں کس شخص سے مخفی ہیں؟

بدر واُحد کے غزوے ہوں یا یمامہ وقادسیہ کے معرکے، وہ ہر میدان میں دینِ اسلام پر اپنی جانیں نچھاور کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بعد میں راویان حدیث بھی جہاد بالسیف میں پیچھے نہیں رہے۔ کتاب الجہاد کے مصنف اور شیخ الاسلام عبداللہ بن المبارک ایک سال میدان جنگ میں کفار سے جہاد میں مصروف رہتے تھے اور ایک سال حج کے دوران میں حدیث نبویہ کی روایت فرماتے تھے۔

رحمه الله رحمةً واسعةً

تاتاریوں کے خلاف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قتال، صحیح وثابت شدہ تاریخ میں محفوظ ہے۔

برصغیر پاک وہند میں علماء اہل حدیث اور عوام اہل حدیث کا مسلح جہاد ایک ایسا سنہری باب ہے جس کی روشنی سے عصر حاضر بھی منور ہے.....

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جو فتویٰ جہاد شائع ہوا تھا۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ

''درصورت مرقومہ (جہاد) فرض عین ہے۔'' الخ، اس فتویٰ پر سب سے پہلے دستخط سرخیل اہلِ حدیث، المحدث الفقیہ سید محمد نذیر حسین (الدہلوی) رحمہ اللہ کے ہیں۔

دیکھئے ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' (ج۴ص ۱۷۹)

یہ دستخط اس وقت کے ہیں جب دوسرے لوگ خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے تھے اور کوئی خضر علیہ السلام کو انگریزوں کی فوج میں دیکھ رہا تھا۔ (شاندار ماضی ایضاً ص ۲۸۰)

کوئی انگریزی حکومت کو ''رحمدل گورنمنٹ'' کہہ کر انگریزوں کے باغیوں سے برسرِ پیکار تھا۔

(تذکرۃ الرشید ج۱ص ۷۵، ۷۶)

کوئی ہاتھ والی ''تسبیح'' کو ہمارا ہتھیار کہہ کر پکار رہا تھا۔ (ایضاً)

الغرض! ہر دور میں اہل حدیث کا ایک گروہ جہاد بالسیف میں مصروف رہا ہے۔ تحریر ہو یا تقریر اس کی حمایت میں کبھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ دور میں اہل حدیث کے خلاف پروپیگنڈے کا توڑ اور حقائق واضح کیے جائیں تاکہ حق اور باطل کے درمیان تمیز ہو سکے۔ وما علینا إلا البلاغ [شہادت، جون ۱۹۹۹ء]

جہاد قیامت تک جاری رہے گا

سوال خط لکھنے کی غرض وغایت اس مشہور حدیث نبوی کی تخریج دریافت کرنا ہے جو اکثر جہادی تنظیموں کے ذمہ داران سے سننے میں آتی ہے: ''اَلْجِهَادُ مَاضٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ'' اس کے بارے میں براہِ مہربانی ''الحدیث'' میں ہی جواب عطا فرما کر ممنون فرمائیں۔ (عکاشہ خان، راولپنڈی)

الجواب یزید بن ابی نُشبہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت مروی ہے۔ اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِي اللّٰهُ إِلٰى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ أُمَّتِي الدَّجَّالَ، لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ'' جب سے اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے، جہاد جاری رہے گا یہاں تک کہ میرا آخری امتی دجال

سے جنگ کرے گا، اسے کسی ظالم (حکمران) کا ظلم اور عادل کا عدل باطل نہیں کرے گا۔

(سنن ابی داود: ۲۵۳۲، سنن سعید بن منصور: ۲۳۶۷)

یہ روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ اس کا راوی یزید بن ابی نشبہ: مجہول ہے۔

(تقریب التہذیب: ۷۷۸۵، الکاشف للذہبی: ۶۴۷۵)

یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن واضح رہے کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اور یہ تمھیں ناپسند ہے۔ (سورۃ البقرہ: ۲۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ)) گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر رکھی گئی ہے، اجر بھی ہے اور مالِ غنیمت بھی۔ (صحیح البخاری: کتاب الجہاد والسیر باب الجہاد ماض مع البر والفاجر، ح ۲۸۵۲ وصحیح مسلم ۹۹/۱۸۷۳، دارالسلام: ۴۸۴۹)

سلمہ بن نُفیل الکندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَلَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ...... حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ))

اور میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قتال کرتا رہے گا...... حتی کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔

(سنن النسائی ۶/۲۱۴، ۲۱۵، ح ۳۵۹۱، وإسنادہ صحیح رعمدۃ المساعی فی تحقیق سنن النسائی ج ۲ ص ۳۵۹ قلمی لراقم الحروف)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَنْ يَبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا ، يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتَّى تَقُوْمَ السَّاعَةُ)) یہ دین (اسلام) ہمیشہ قائم رہے گا، مسلمانوں کی ایک جماعت دین کے لئے قیامت تک قتال کرتی رہے گی۔

(صحیح مسلم: ۱۹۲۲، دارالسلام: ۴۹۵۳ عن جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ)

ان احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوا کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

ابن ہمام (حنفی متوفی ۶۱ ۷ھ) لکھتے ہیں: " وَلَا شَكَّ أَنَّ إِجْمَاعَ الْأُمَّةِ أَنَّ الْجِهَادَ مَاضٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَمْ يُنْسَخْ ، فَلَا يُتَصَوَّرُ نَسْخُهُ بَعْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم "

اوراس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا، یہ منسوخ نہیں ہوا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات) کے بعد اس کی منسوخیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ (فتح القدیر ج۵ ص۱۹۰ کتاب السیر)

مشہور جلیل القدر تابعی امام مکحول الشامی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۳ھ) فرماتے ہیں:

"إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمِائَةَ دَرَجَةٍ ، مَابَيْنَ الدَّرَجَةِ إِلَى الدَّرَجَةِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ، أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"

بے شک جنت میں سو درجے ہیں، ایک درجے سے دوسرے درجے کے درمیان زمین وآسمان جتنا فاصلہ ہے، انھیں اللہ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والے (مجاہدین) کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۵/۳۰۴ ح ۱۹۳۵۳ وسندہ صحیح)

اس بہترین قول کی تائید میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث موجود ہے۔ (دیکھئے البخاری: ۲۷۹۰)

خلاصۃ التحقیق: جہاد قیامت تک، کافروں اور مبتدعین کے خلاف جاری رہے گا۔

جہاد کی بہت سی قسمیں ہیں:

۱: زبان کے ساتھ جہاد کرنا

۲: قلم کے ساتھ جہاد کرنا

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَيْدِيْكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ))

اپنے ہاتھوں اور زبانوں کے ساتھ مشرکوں سے جہاد کرو۔

(المختارۃ للضیاء المقدسی ج۵ ص۳۶ ح۱۶۴۲ واللفظ لہ، سنن ابی داود: ۲۵۰۴)

۳: مال کے ساتھ جہاد کرنا

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں پھر اس خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ تکلیف پہنچاتے ہیں تو ان کے لئے اُن کے رب کے پاس اجر ہے۔ (سورۃ البقرہ: ۲۶۲)

۴: اپنی جان کے ساتھ جہاد کرنا (جہاد بالنفس)

اس کی دو قسمیں ہیں:

اول: اپنے نفس کی اصلاح کر کے اُسے کتاب وسنت کا مُطیع وتابع کر دینا۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ((اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ)) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (الترمذی: ۱۶۲۱ وقال: ''حدیث حسن صحیح'' وسندہ حسن وصححہ ابن حبان/موارد: ۱۶۲۴ والحاکم علی شرط مسلم ۲/۷۹ ووافقہ الذھبی)

دوم: اللہ کے راستے میں قتال کرنا

اس کے بے شمار دلائل ہیں جن میں سے بعض حوالے اس جواب کے شروع میں گزر چکے ہیں۔

اگر شرائط اسلامیہ کے مطابق ہو تو سب سے افضل جہاد یہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا جہاد افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِكِيْنَ بِمَالِهِ وَنَفْسِهِ)) جو شخص مشرکوں سے اپنے مال اور اپنی جان (نفس) کے ساتھ جہاد کرے۔ پوچھا گیا: کون سا مقتول سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أُهْرِيْقَ دَمُهُ وَعُقِرَ جَوَادُهُ)) جس کا خون (کافروں کے ہاتھوں) بہا دیا جائے اور اس کا گھوڑا کاٹ (کر مار) دیا جائے۔ (سنن ابی داود: ۱۴۴۹، وسندہ حسن)

یاد رہے کہ دہشت گردی اور بے گناہ لوگوں کو قتل کرنے کا، جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

امام ابو حاتم الرازی اور امام ابو زرعہ الرازی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

ہر زمانے (اور علاقے) میں ہم مسلمان حکمران کے ساتھ جہاد اور حج کی فرضیت پر عمل پیرا ہیں...... جب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (نبی ورسول بنا کر) مبعوث فرمایا ہے، مسلمان حکمرانوں کے ساتھ مل کر (کافروں کے خلاف) جہاد جاری رہے گا۔ اسے کوئی چیز باطل نہیں کرے گی۔'' [یعنی جہاد ہمیشہ جاری رہے گا]

(اصل السنۃ واعتقاد الدین: ۱۹، ۲۳، الحدیث حضرو: ۲ ص ۴۳)

نیز دیکھئے الحدیث: ۳ ص ۲۶

دکتور عبداللہ بن احمد القادری نے " الجهاد في سبيل الله ، حقيقته وغايته " کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے، ساڑھے گیارہ سو سے زائد صفحات کی اس کتاب میں عبداللہ بن احمد صاحب جہاد کی قسمیں بیان کرتے ہیں:

جہاد معنوی = جهاد النفس، (نفس سے جہاد)، جهاد الشيطان (شیطان سے جہاد)، جهاد الفرقة والتصدع (تفرق اور انتشار کے خلاف جہاد)، جهاد التقليد (تقلید کے خلاف جہاد)، جهاد الأسرة (خاندانی رسومات کے خلاف جہاد) جهاد الدعوة (دین کی دعوت دینا) جہاد مادی = اعداد المجاهدين (مجاہدین کی تیاری)، الجهاد بالأنفس والأموال (نفس اور مال کے ساتھ جہاد)، انشاء المصانع الجهادية (جہادی قلعوں کی تیاری) (ج ۱ ص ۲۷۳)

لوگوں کو کتاب وسنت کی دعوت دینا، تقلید اور بدعات کے خلاف پوری کوشش کرنا بھی بہت بڑا جہاد ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " فَالرَّادُّ عَلَى أَهْلِ الْبِدَعِ مُجَاهِدٌ" پس اہل بدعت کا رد کرنے والا مجاہد ہے۔

(نقض المنطق ص ۱۲ و مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۴/ ۱۳)

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا جہاد سب سے افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ إِمَامٍ جَائِرٍ)) ظالم حکمران کے سامنے عدل (انصاف، حق) والی بات کہنا۔ (مسند احمد ۵/ ۲۵۶ ح ۲۲۵۶۱ وسندہ حسن لذاتہ، وابن ماجہ: ۴۰۱۲)

مدرسے و مساجد تعمیر کرنا، لوگوں کو قرآن و حدیث علی فہم السلف الصالحین کی دعوت دینا، اس کے لئے تقریریں و مناظرے کرنا اور کتابیں لکھنا، یہ سب جہاد ہے۔

آخر میں دو حدیثیں پڑھ لیں:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ ، كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ ......))

اللہ کے راستے میں مجاہد کی مثال، اور اللہ جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں جہاد کرتا ہے (مسلسل) روزہ دار اور (راتوں کو) قیام کرنے والے کی طرح ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۷۸۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً ، وَمَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِلْعَصَبَةِ وَيُقَاتِلُ لِلْعَصَبَةِ فَلَيْسَ مِنْ أُمَّتِي ....))

جو شخص (خلیفہ کی) اطاعت سے نکل گیا اور (مسلمانوں کی) جماعت (یا اجماع) کی مخالفت کی تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہے، اور جو شخص اندھے (جاہلیت کے) جھنڈے کے نیچے مارا گیا، وہ خاندان کے لئے غصہ اور قتال کرتا تھا تو یہ شخص میری اُمت میں سے نہیں ہے...... الخ

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظهور الفتن ۱۸۴۸/۵۳ اور دار السلام: ۴۷۸۸)

(۵ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۵]

کیا شہید ستر (۷۰) رشتہ داروں کی سفارش کرے گا؟

سوال محترم حافظ صاحب آپ کا رسالہ الحدیث ایک شاہکار رسالہ ہے جس کا ہر مضمون علم و تحقیق پر مبنی ہوتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دینی اور دنیاوی مشکلات کو دور فرمائے اور اللہ آپ کو اور آپ کے قلمی معاونین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ (آمین)

محترم حافظ صاحب! توضیح الاحکام میں میرے اس سوال کو جگہ دی جائے جو ایک حدیث کی تحقیق کے بارے میں ہے۔

سنن ابی داود کتاب الجہاد (حدیث: ۲۵۲۲) میں ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يُشَفَّعُ الشَّهِيدُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ .))

شہید اپنے گھر والوں (رشتہ داروں) میں سے ستر کی شفاعت (سفارش) فرمائے گا۔

کیا یہ حدیث سنداً صحیح ہے، وضاحت فرمائیں۔ (خرم ارشاد محمدی، دولت نگر)

الجواب سنن ابی داود میں یہ روایت درج ذیل سند سے مذکور ہے:

''**حدثنا أحمد بن صالح :حدثنا يحيى بن حسان :حدثنا الوليد بن رباح الذماري :حدثني عمي نمران بن عتبة الذماري قال :دخلنا علٰى أم الدرداء و نحن أيتام ....** '' اسے ابن حبان (الاحسان:۴۶۴۱ یا ۴۶۶۰، الموارد:۱۶۱۲) بیہقی (السنن الکبریٰ ۹/۱۶۴) اور ابن عساکر (تاریخ دمشق ۶۵/۱۶۸) نے یحییٰ بن حسان (التنیسی ابوزکریا البصری) سے روایت کیا ہے۔

یحییٰ بن حسان ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب:۷۵۲۹)

ولید بن رباح اصل میں رباح بن الولید بن یزید بن نمران الذماری ہیں۔ رباح بن الولید صدوق ہیں۔ (تقریب التہذیب:۱۸۷۶)

نمران بن عتبہ سے صرف ولید بن رباح یا رباح بن ولید نے روایت بیان کی ہے اور ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کر کے یہ دعویٰ کیا ہے: ''**روى عنه حريز بن عثمان**'' اس سے حریز بن عثمان نے روایت کی ہے۔ (۷/۵۴۴)

نہ تو نمران بن عتبہ سے حریز بن عثمان کی روایت کہیں معلوم ہے اور نہ ابو داود کی طرف منسوب یہ قول ثابت ہے کہ ''**شيوخ حريز كلهم ثقات**'' حریز کے تمام اساتذہ ثقہ ہیں۔ یہ قول لسان المیزان (۲/۳۶۰، ۳۶۱، دوسرا نسخہ ۲/۶۸۰) میں بحوالہ آجری منقول ہے۔

ابوعبید الآجری مجہول الحال غیر موثق ہے۔

نمران کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: ''**لا يُدْرَى مَنْ هُوَ ؟**'' پتا نہیں وہ کون ہے؟

(میزان الاعتدال ۴/۲۷۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: ''**مقبول**'' یعنی مجہول الحال ہے۔ (تقریب التہذیب:۷۱۸۸)

مختصر یہ کہ یہ روایت نمران بن عتبہ کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ اس کا حسن لذاتہ شاہد موجود ہے۔ (۵/ دسمبر ۲۰۰۷ء) [الحدیث:۴۷]

سیدنا مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور (شہید)

اپنے رشتہ داروں میں سے ستر انسانوں کی شفاعت کرے گا۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۷۹۹ وسندہ حسن، وصححہ الترمذی: ۱۶۶۳)

یہ روایت حسن لذاتہ ہے لہٰذا اس شاہد کے ساتھ ابن ماجہ والی درج بالا روایت بھی حسن لغیرہ ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

امام عبداللہ بن مبارک اور یا عابد الحرمین کی صدا!

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو میدانِ جہاد سے ایک خط لکھا تھا جس میں درج ذیل شعر لکھا تھا:

" يا عابد الحرمين لو أبصرتنا لعلمت أنك في العبادة تلعب "

اے حرم مکہ اور حرم مدینہ میں بیٹھ کر عبادت کرنے والے، اگر کبھی تو ہمارا حال دیکھ لے تو تجھے معلوم ہو جائے کہ تیری عبادت تو محض کھیل ہے...... الخ

اس واقعے کو جناب ابونعمان سیف اللہ قصوری صاحب نے اپنی کتاب "زاد المجاہد" میں بحوالہ طبقات الشافعیہ لابن السبکی (۲۸۷/۱) وسیر اعلام النبلاء (۴۱۲/۸) والنجوم الزاہرہ (۱۰۳/۲) وآثار البلاد للقزوینی (۴۵۷) نقل کیا ہے دیکھئے زاد المجاہد (ص ۱۱۰، ۱۱۱)

اس واقعے کی تحقیق کر کے "الحدیث" میں شائع فرمادیں، جزاکم اللہ خیراً

(تنویر حسین شاہ ہزاروی)

الجواب سیر اعلام النبلاء میں یہ واقعہ بے سند مذکور ہے۔ اگر کوئی واقعہ بغیر سند کے آثار البلاد، النجوم الزاہرہ اور سیر اعلام النبلاء وغیرہ ہزاروں کتابوں میں مذکور ہو تو علمی دنیا میں بے فائدہ ہے۔

تاریخ دمشق لابن عساکر (۳۰۷/۳۴) وطبقات الشافعیہ (نسختنا ۱۵۰/۱، ۱۵۱) میں یہ قصہ ابوالمفضل محمد بن عبداللہ الشیبانی عن أبی محمد عبداللہ بن محمد بن سعید بن یحییٰ القاضی عن محمد بن ابراہیم بن ابی سکینۃ (الحلبی) کی سند سے لکھا ہوا ہے۔ ابوالمفضل الشیبانی کے حالات

لسان المیزان (۲۳۱/۵۔۲۳۲) ومیزان الاعتدال (۶۰۷/۳) وغیرہما میں مذکور ہیں۔

اس کے شاگرد امام ابوالقاسم الازہری فرماتے ہیں:

''کان أبو المفضل دجالاً کذاباً'' ابوالمفضل دجال کذاب تھا۔

(تاریخ بغداد ۴۶۷/۵ ت ۳۰۱۰ وسندہ صحیح)

ابومحمد عبداللہ بن محمد بن سعید بن یحییٰ القاضی مفقود الخبر ہے، اس کی تلاش جاری ہے۔
جس شخص کو اس کے حالات مل جائیں، وہ الحدیث حضرو کے پتہ پر اطلاع بھیج دے۔ شکریہ!

خلاصۃ التحقیق: یہ سند موضوع و بے اصل ہے۔ لہٰذا اس قصے کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱۸ رجب ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۸]

جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹنے والی روایت

سوال کیا ایسی کوئی صحیح حدیث موجود ہے جس میں قتال کو جہادِ اصغر اور خواہشات کے خلاف جہاد کو جہادِ اکبر کہا گیا ہو؟ براہِ مہربانی واضح فرمائیں۔ (طاہر نذیر، گوجرانوالہ)

الجواب حدیث: '' قدمتم خیر مقدم وقدمتم من الجهاد الأصغر إلی الجهاد الأکبر '' (تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آ گئے ہو) کی میرے علم کے مطابق دو ہی سندیں ہیں:

۱: يحيى بن العلاء قال: حدثنا ليث عن عطاء بن أبي رباح عن جابر قال: قدم النبي ﷺ من غزاة له فقال لهم .... الخ (تاریخ بغداد ۵۲۳/۱۳، ۵۲۴ ت ۷۳۴۵

ومن طریقہ الحافظ ابن الجوزی فی ذم الھوی ص ۳۸، الباب الثالث فی ذکر مجاہدۃ النفس ومحاسبتھا وتوبیخھا)

یحییٰ بن العلاء سخت مجروح راوی ہے۔ امام نسائی نے کہا: '' متروك الحدیث ''

(کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی: ۶۲۷)

حافظ ابن حجر نے کہا: '' رمي بالوضع '' (تقریب التہذیب ۹۷/۴، رقم: ۷۶۱۸)

یعنی محدثین نے اسے وضعِ حدیث کا مرتکب قرار دیا ہے۔ ایسے راوی کی روایت مردود ہوتی

ہے۔ یحییٰ بن العلاء تک خطیب کی سند بھی مردود ہے۔ یحییٰ کا استاد لیث بن ابی سلیم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ حافظ ہیثمی نے اسے مدلس کہا ہے۔

(مجمع الزوائد ۸۳/۱ باب فی مثل المؤمن)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: " صدوق اختلط أخيرًا ولم يتميز حديثه فترك "
وہ سچا ہے، آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہوا اور اس کی حدیث میں (اختلاط سے پہلے اور بعد کا) فرق نہ ہو سکا لہٰذا وہ متروک قرار دیا گیا۔ (تقریب التہذیب: ۵۶۸۵)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت باطل ہے۔

تنبیہ: تاریخ بغداد میں غلطی سے " يحيى بن أبي العلاء " چھپ گیا ہے جب کہ صحیح " يحيى بن العلاء " ہے جیسا کہ ذم الھویٰ لابن الجوزی میں لکھا ہوا ہے۔

۲۔ امام بیہقی نے فرمایا: " أخبرنا علي بن أحمد بن عبدان: أنبأ أحمد بن عبيد: ثنا تمتام: ثنا عيسى بن إبراهيم: ثنا يحيى بن يعلى عن ليث عن عطاء عن جابر قال: قدم على رسول الله ﷺ قوم غزاة فقال ﷺ: ((قدمتم خير مقدم، من جهاد الأصغر إلى جهاد الأكبر)) قيل: وما جهاد الأكبر؟ قال: ((مجاهدة العبد هواه)) وهذا إسناد فيه ضعف " رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مجاہدین آئے تو آپ نے انھیں فرمایا: تم خیر سے لوٹے ہو، جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف واپس آئے ہو۔ کہا گیا کہ جہادِ اکبر کیا ہے؟ فرمایا: بندے کا اپنی خواہش سے جہاد (اور مقابلہ) کرنا، (امام بیہقی نے کہا:) اس کی سند میں کمزوری ہے۔ (کتاب الزھد الکبیر ص ۱۶۵ حدیث: ۳۷۳)

اسے ابوبکر الشافعی نے " الفوائد المنتقاة " (۱۳/۸۳/۱) میں عيسى بن إبراهيم البركي قال: نا يحيى بن يعلى کی سند سے روایت کیا ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۵ ص ۴۸۰ ح ۲۴۶۰)

تمتام اور عیسیٰ بن ابراہیم پر جرح مردود ہے۔ دونوں کی روایت حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔ یحییٰ بن یعلی سے مراد ابو المحیاۃ الکوفی التیمی ہے۔

دیکھئے تہذیب الکمال للمزی (۲۰/۲۶۳ وذکر فی شیوخہ لیث بن ابی سلیم)

اس سند کا راوی لیث بن ابی سلیم ضعیف و مدلس ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ خلاصہ یہ کہ جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹنے والی روایت ضعیف ہے لہٰذا قرآن اور احادیثِ صحیحہ کے مقابلے میں اس سے استدلال کرنا غلط ہے۔ (۲۰۰۲-۳-۱۵)

[الحدیث: ۴۷]

مجاہد شوہر کی عدم موجودگی میں بیوی کے اشعار

سوال ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک گھر کے پاس سے گزرے تو ایک عورت اشعار پڑھ رہی تھی کہ آج میرے خاوند جہاد پر گئے ہوئے ہیں اگر مجھے شریعت کا ڈر نہ ہوتا تو میرے بستر پر آج کوئی غیر مرد ہوتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو اپنی بیٹی کے پاس گئے اور جا کر پوچھا کہ اے میری بیٹی ایک عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ گزار سکتی ہے تو انھوں نے کہا کہ دو ماہ یا زیادہ سے زیادہ چار ماہ۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں قانون بنا دیا کہ کوئی مرد مجاہد چار ماہ سے زائد گھر سے باہر نہ رہے بلکہ وہ چھٹی لے کر گھر آئے اور اپنے حقوق زوجیت ادا کرے۔

کیا یہ واقعہ صحیح اسناد سے ثابت ہے؟ اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو پھر بہت سارے مجاہدین اور تبلیغی جماعت والے سال کیلئے یا دو سال کے لئے گھر سے نکل جاتے ہیں، وہ تو ان حقوق کو پورا نہیں کرتے۔ اس واقعہ کا حوالہ بھی دیں کہ یہ کون سی کتاب میں ہے۔

(خرم ارشاد محمدی، دولت نگر)

الجواب اس مفہوم کا اثر حافظ ابن کثیر نے مؤطا امام مالک سے بسند عمرو بن دینار عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے۔ (۱/۵۴۱، سورہ البقرہ: ۲۲۷)

یہ اثر مؤطا امام مالک میں نہیں ملا، دوسرے یہ کہ عمرو بن دینار نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

(دیکھئے تحفۃ الاشراف ۸/۹۴ ح ۱۰۶۱۳، ولفظہ: عمرو بن دینار المكي الأثرم عن عمر ...... ولم يدركه)

بیہقی نے اسماعیل بن ابی اویس حدثنی مالك عن عبدالله بن دينار عن ابن عمر قال :خرج عمر بن الخطاب رضي الله عنه من الليل فسمع امرأة تقول ...... الخ کی سند سے اس کے ہم معنی روایت (چار یا چھ مہینے انتظار کے بارے میں) بیان کی ہے (السنن الکبریٰ ۹/۲۹) تفسیر ابن کثیر میں اس کا ایک شاہد بھی ہے (۱/۵۴۱) مصنف عبدالرزاق (۱/۱۵۰، ۱۵۱، ح ۱۲۵۹۳ ۱۲۵۹۴) اور المحلیٰ لابن حزم (۱۰/۴۰ مسئلہ: ۱۸۸۶) وغیرہما میں اس مفہوم کی دوسری سندیں بھی ہیں لیکن اس کی ہر سند فرداً فرداً ضعیف ہے، لہٰذا راجح تحقیق میں یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(۱۶_۵_۲۰۰۴) [الحدیث:۳]

تنبیہ: اسماعیل بن ابی اویس کے بارے میں راجح تحقیق یہ ہے کہ جمہور محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے۔ دیکھئے شرح صحیح مسلم للنووی (۲/۱۴ تحت ح ۲۰۹۴)

لہٰذا السنن الکبریٰ للبیہقی والی روایت حسن ہے۔ روایت کا مفہوم درج ذیل ہے:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک رات ایک عورت کو یہ کہتے ہوئے سنا: رات لمبی ہوگئی اور اس کا ایک پہلو کالا ہوگیا۔ اس بات نے میرے دل کو رُلا دیا کہ میرا حبیب نہیں جس سے میں کھیلوں۔!

تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: عورت اپنے شوہر کے بارے میں کتنا صبر کرسکتی ہے؟ انھوں نے کہا: چھ یا چار مہینے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے فوجیوں کو اس سے زیادہ نہیں روکوں گا۔ (السنن الکبریٰ ۹/۲۹ وسندہ حسن)

میدانِ جہاد اور ماں کی اجازت

سوال مجھے جہاد کرنے کا بہت شوق ہے، مگر ماں اجازت نہیں دیتی۔ کیا ماں یا باپ کی اجازت کے بغیر جہاد ہو جائے گا؟ اگر ان میں سے ایک مان جائے ایک نہ مانے تو کیا پھر بھی جہاد ہو جائے گا؟ (محمد ابراہیم، ٹنڈو آدم)

الجواب اگر نفیر عام یعنی فرضِ عین نہ ہو تو جہاد بالسیف کے لئے مسلم والدین کی اجازت ضروری ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص (سیدنا) جاہمہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جہاد کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمھارے والدین زندہ ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: تم ان (کی خدمت) میں جہاد کرو۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۴۲۱ ح ۳۰۰۴، صحیح مسلم: ۲۵۴۹/۵)

اس حدیث اور دیگر احادیث سے جمہور علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر والدین مسلمان ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر جہاد کرنا جائز نہیں اِلا یہ کہ جہاد فرض عین ہو اور نفیر عام کا حکم ہو۔ دیکھئے فتح الباری (ج ۶ ص ۱۴۰، ۱۴۱)

خلاصہ یہ کہ والدین کی رضامندی ضروری ہے اس مسئلہ میں تفصیلی بحث ''الجہاد فی سبیل اللہ'' لعبداللہ بن احمد الدکتور (ج ۱ ص ۹۰۔۹۲) وغیرہ میں موجود ہے۔ [شہادت، مئی ۱۹۹۹ء]



معاملات اور خرید و فروخت کے مسائل

حرمتِ سود

سوال سائل نے محمد رفیع مفتی صاحب سے سوال کیا کہ "ہمارے ملک میں جو بھی کاروبار کیا جائے، اس کے لئے بنک سے سود پر قرض لینا پڑتا ہے۔ کیا سود دینا بھی اسلام میں اسی طرح ممنوع ہے جیسے کہ سود لینا؟

محمد رفیع صاحب کا جواب ہے کہ

"بنک وغیرہ سے سود پر قرض لینا جائز ہے۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ شریعت نے سود کھانے یعنی سود لینے سے منع کیا ہے، سود دینے سے نہیں۔ حدیث میں سود کھلانے والے کو بھی سود لینے والے ہی کی طرح مجرم قرار دیا گیا ہے۔ یہ سود کھلانے والا کون ہے۔ بعض علما نے سود دینے والے ہی کو سود کھلانے والا قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں۔ سود کھلانے والا دراصل وہ ایجنٹ ہے، جو سود خور کے لئے گاہک لاتا، اس کی نمائندگی کرتا اور اس کے سودی نظام کو چلاتا ہے۔" (ماہنامہ اشراق لاہور۔ اپریل ۲۰۰۷ء)

حیرت کی بات ہے کہ سود خور کے لئے گاہک لانے والا اور اس کے سودی نظام کو چلانے والا تو حدیث کی نظر میں مجرم ہے مگر جس کے لئے گاہک لایا جا رہا ہے یعنی جو سود پر قرض فراہم کرے گا اس کا کام حلال ٹھہرا۔ یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ آپ مجھے بتلائیں کہ کیا رفیع صاحب کا فتویٰ درست ہے؟ (عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑا)

الجواب محمد رفیع صاحب نے لکھا ہے کہ "شریعت نے سود کھانے یعنی سود لینے سے منع کیا ہے، سود دینے سے نہیں۔"

عرض ہے کہ جب شریعت نے سود لینے سے منع کیا ہے تو پھر یہ فتویٰ "بنک وغیرہ سے سود پر قرض لینا جائز ہے۔ اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔" کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ((لعن اللّٰہ آکل الربا و موکلہ و شاھدہ و کاتبہ.))

اللہ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے گواہ اور کاتب (لکھنے والے) پر لعنت

فرمائی ہے۔ (مسند احمد ج۱ص۳۹۳ ح ۳۷۲۵ وسندہ صحیح)

یہ حدیث سند و متن دونوں لحاظ سے صحیح ہے اور اس میں سماک بن حرب پر جرح مردود ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۲ص ۱۷تا ۲۳

اس حدیث کی سند اور مفہومی متن کو امام ترمذی (۱۲۰۶) اور ابن حبان (الاحسان ۵۰۰۳/ ۵۰۲۵) نے صحیح قرار دیا ہے۔ والحمد للہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت دوسری سند کے ساتھ مختصراً صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے اور سود کھلانے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۷، وترقیم دارالسلام: ۴۰۹۲)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سُود کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: ((هم سواء .)) یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۸، وترقیم دارالسلام: ۴۰۹۳)

تنبیہ بلیغ: صحیح بخاری وصحیح مسلم میں تمام مدلسین کی معنعن روایات سماع یا متابعات وغیرہ پر محمول ہیں لہٰذا صحیحین کی روایات پر تدلیس کی جرح بالکل باطل اور مردود ہے۔ سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے سُود کھانے اور سود کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح بخاری: ۵۳۴۷)

ان صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ سود کھانے، سود کھلانے، سودی کھاتہ لکھنے والے اور سود کے گواہ سب ملعون ہیں لہٰذا سود لینے والے اور سود دینے والے مثلاً مروّجہ تمام سودی بنک ایک جیسے مجرم ہیں۔

درج بالا تحقیق سے معلوم ہوا کہ بنک وغیرہ سے سود پر قرض لینا ناجائز اور حرام ہے اور اس میں زبردست شرعی قباحت ہے کیونکہ شریعت نے ایسے تمام کاموں کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا رفیع صاحب کا فتویٰ غلط اور باطل ہے۔ وما علينا إلا البلاغ .

(۱/ اگست ۲۰۰۷ء)

[الحدیث: ۴۲]

موجودہ بنکاری نظام اور ملازمت

سوال موجودہ بنکاری نظام جو سود پر مشتمل ہے، اس میں ملازمت کرنے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ اگر ملازمت ناجائز ہے تو بنکاری نظام کیسے چلے گا؟

(ایک بہن، ٹنڈو آدم سندھ)

الجواب موجودہ بنکاری نظام میں ملازمت کرنا جائز نہیں ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ " **لعن رسول الله ﷺ آكل الربا و موكله و كاتبه و شاهديه وقال: ((هم سواء))** " (صحیح مسلم:۱۵۹۸)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اور ارشاد فرمایا: یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ اور گناہ و سرکشی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ (المائدہ:۲) یہ بھی اس کی ایک دلیل ہے۔

[شہادت، اگست ۲۰۰۱ء]

سودی معاملات کرنے والوں سے تعلقات

سوال سودی معاملات کنندگان سے تعلقات، لین دین اور دعوت و قبول دعوت از روئے شریعت کیسے ہیں؟ (محمد صدیق، ایبٹ آباد)

الجواب سودی معاملات کرنے والا فاسق و فاجر ہے۔ اگر کوئی دنیوی نفع ہو تو ایسے شخص سے تعلقات، لین دین و قبول دعوت سے اجتناب کیا جا سکتا ہے اور کوئی دینی نفع ہو تو تعلقات، لین دین اور دعوت بھی قبول کی جا سکتی ہے۔

دعوت کے قبول کرنے کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کی دعوت قبول فرمائی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سودی لین دین یہودیوں کا خاص وطیرہ

ہے۔ یہودیوں کا حلال کھانا ہمارے لئے بنص قرآنی حلال ہے۔
نیز دیکھئے مصنف عبدالرزاق (ج ۸ ص ۱۵۱ ح ۱۴۶۸۱، قول الحسن البصری، باب طعام الامراء واکل الربا، وغیرہ)
تاہم اگر خاص کھانے کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ یہ خالصتاً سودی مال سے پکا ہوا یا خریدا ہوا ہے تو یہ نہیں کھانا چاہیے۔ [شہادت، اپریل ۲۰۰۲ء]

نقد اور ادھار میں فرق

سوال میرا ایک موٹر سائیکل ہے جسے میں نے ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) روپیہ میں نقد لیا ہے اور دس مہینے ادھار کے لئے گاہک کو (۹۵۰۰۰) ہزار میں دینا چاہتا ہوں، وہ گاہک بھی بخوشی خریدنے کے لئے تیار ہے۔ اب میرا منافع ٹھہرتا ہے پینتیس (۳۵۰۰۰) روپیہ۔ کیا اس قسم کی تجارت جائز ہے؟ (نیک محمد، مانجھی پورہ)

الجواب سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سودے میں دو سودوں سے منع کیا ہے: ''**نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة**''
(سنن ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۲۳۵ ح ۱۲۳۱، وقال: ''حدیث حسن صحیح''، سنن نسائی ج ۷ ص ۲۹۵، ۲۹۶ ح ۴۶۳۶)

اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔ اسے ابن حبان (الموارد: ۱۱۰۹) اور ابن الجارود (۶۰۰) نے صحیح کہا ہے۔ بغوی نے ''حسن صحیح'' کہا۔ (شرح السنۃ ج ۸ ص ۱۴۲ ح ۲۱۱۱)
امام ترمذی اور محدث بغوی وغیرہما نے اس کی ایک تشریح بیان کی ہے لیکن اس حدیث کے راوی عبدالوہاب بن عطاء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ (آدمی) کہے: میں تجھے نقد دس کی اور ادھار بیس کی بیچتا ہوں۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۳۴۳ وسندہ حسن)
یہی تحقیق قاضی شریح وغیرہ کی ہے اور اہل لغت میں خطابی، ابن قتیبہ کا بھی یہی قول

ہے۔محدثین میں امام نسائی اور ابن حبان کی بھی یہی تحقیق ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سودے میں دو سودوں کو سود قرار دیا گیا ہے۔ (مسند احمد ج۱ص ۳۹۳)

اس کی سند حسن ہے اور اسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ (الموارد: ۱۱۱۱، ۱۱۱۲)

اس کے راوی سماک بن حرب بھی وہی تشریح کرتے ہیں جو کہ عبدالوہاب بن عطاء کے قول میں مذکور ہے۔ (السنۃ للمروزی ص ۵۴، مسند احمد ج۱ص ۳۹۸)

لہٰذا ثابت ہوا کہ نقد اور ادھار میں فرق کرنا جائز نہیں ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی بہترین کتاب ''تجارت اور لین دین کے مسائل واحکام'' (ص ۱۱۱، ۱۱۲)

یہاں بطورِ تنبیہ اس بات کا ذکر کر دینا مناسب ہے کہ طاہر القادری (بریلوی) نے اپنی کتاب ''بلا سود بنکاری (عبوری خاکہ)'' میں (ص ۹۷) پر ''حیلہ اسقاط ربوا'' کا باب باندھا ہے۔یعنی سود کے ''جائز'' ہونے کا حیلہ!!

اس کے اگلے باب میں ''دس کا نوٹ سال کے وعدے پر بارہ روپے میں بیچنا'' کی سرخی کے ساتھ اپنے ممدوح ''احمد رضا خان بریلوی'' سے نقل کیا ہے کہ ''اگر کوئی شخص دس روپے کا نوٹ دوسرے شخص کو سال بھر کے وعدے پر بارہ روپے میں بیچ دے تو جائز ہے۔'' (ص ۱۰۰)!

إنا لله و إنا إليه راجعون

آخر میں مختصراً عرض ہے کہ اگر نقد اور ادھار کا فرق نہ ہو تو سودا جائز ہے چاہے تقسیط (قسطیں) ہوں یا نہ ہوں۔شریعت میں نفع میں کوئی خاص حد مقرر نہیں ہے بشرطیکہ ادھار میں اضافہ کر کے دوسرے شخص کی مجبوری سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔واللہ اعلم

[شہادت، مئی ۱۹۹۹ء]

قسطوں پر خریداری

سوال کیا قسطوں پر گاڑی یا موٹر سائیکل خریدنی جائز ہے؟ مثلاً ہم دکان سے موٹر سائیکل خریدتے ہیں، اور پہلے طے کر لیتے ہیں دکاندار کہتا ہے کہ ۲۵ ہزار نقد دے دو اور باقی دو ہزار مہینے کی قسط ہو گی۔ اور ۸۰ ہزار کا موٹر سائیکل ملے گا۔ اور اگر نقد رقم دو تو ۷۵ ہزار میں ملے گا۔ کیا اس طرح کا سودا سود تو نہیں، کیونکہ فتاویٰ اسلامیہ جلد دوم میں فتویٰ ہے کہ یہ جائز ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا اس طرح چیز خریدنا جائز ہے؟ سود تو نہیں وضاحت فرمائیں۔

(ظفر اقبال)

الجواب نقد اور ادھار میں اگر فرق ہو جائے تو اس بیع کے جائز اور ناجائز ہونے میں علماء کا اختلاف مشہور ہے۔

شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے۔ راقم الحروف کی تحقیق بھی یہی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی موقف کی موید ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ شہادت جلد ۶ شمارہ ۵ ص ۳۰، مئی ۱۹۹۹ء) [شہادت، جولائی ۲۰۰۳ء]

سوال ایک ہی چیز کی نقد اور ادھار علیحدہ علیحدہ قیمتیں متعین کرنا کیا یہ سود ہے؟

(محمد صدیق، ایبٹ آباد)

الجواب راقم الحروف کے نزدیک نقد اور ادھار میں فرق کرنا سود اور ناجائز ہے۔

دیکھئے شہادت جولائی ۲۰۰۳ء ج ۱۰ شمارہ ۷ و شہادت ج ۶ شمارہ ۵ ص ۳۰ مئی ۱۹۹۹ء

بعض علماء اسے جائز سمجھتے ہیں جبکہ صحیح یہی ہے کہ یہ بیع ناجائز و سود ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "أخبرنا أبو عبدالله الحافظ و أبو سعيد بن أبي عمرو قالا: ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب: ثنا إبراهيم بن منقذ: حدثني إدريس بن يحيى عن عبدالله بن عياش قال: حدثني يزيد بن أبي حبيب عن أبي مرزوق التجيبي عن فضالة بن عبيد صاحب النبي ﷺ أنه قال:

كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا / موقوف "ہر وہ قرض جو نفع کھینچے وہ سود کی وجوہ میں سے ایک وجہ (قسم) ہے۔ یہ روایت موقوف ہے۔ (السنن الکبریٰ ۵/۳۵۰)
اس روایت کی سند صحیح (یا حسن لذاتہ) ہے۔
دیکھئے بلوغ المرام بتحقیقی (۷۲۶) وانحطاً من ضعفہ .

[شہادت، اپریل ۲۰۰۴ء، الحدیث حضرو: ۹]

رہن (گروی) رکھنا یا دینا

سوال زمین رہن رکھنا اور دینا جائز ہے یا نہیں؟ دلیل سے واضح کریں۔

(ظفر اقبال، شکر گڑھ)

الجواب جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زرہ رہن کی تھی۔

(صحیح بخاری: ۲۵۰۸، وصحیح مسلم: ۱۶۰۳)

اگر زمین لینے والا زمین سے نفع اٹھائے تو اپنے پاس لکھتا جائے، بعد میں اس فائدہ کو رہن کی رقم سے کاٹ کر اپنی باقی رقم لے کر زمین چھوڑ دے گا۔ واللہ اعلم

[شہادت، اگست ۲۰۰۰ء]

لین دین میں کمیشن

سوال ہمارے علاقہ میں بلکہ پورے پاکستان میں یہ پراپرٹی والی وبا پھیلی ہے وضاحت فرمائیں قرآن وسنت اور دیگر جدید مسائل سے۔ میں ماہنامہ الحدیث کا ایک سال سے قاری ہوں۔ چونکہ لوگ مشقت والا کام چھوڑ کر اس پراپرٹی والے سلسلے میں پڑے ہیں اور آپکو علم ہو گا اس میں بہت منفعت ہے۔ ایک دن میں لاکھوں کا مالک بن جاتا ہے، چاہے وہ پہلے بالکل غریب ہی کیوں نہ ہو۔ وضاحت فرمائیں۔ چونکہ اس حوالہ سے دشواری کا سامنا ہے۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔ جزاکم اللہ خیراً

(عبدالوحید زاہد، خطیب جامع مسجد محمدی اہلحدیث۔ چکبیلی خان تحصیل راولپنڈی)

الجواب کمیشن کے بارے میں جہاں تک میری معلومات ہیں، یہ دلالی کی ایک قسم ہے۔ دلالی کے بارے میں دو موقف ہیں:

اول: اگر فریقین راضی ہوں۔ باہم دھوکہ، فراڈ اور کذب بیانی نہ ہو تو جائز ہے۔

سیدنا قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كنا نسمى السماسرة على عهد رسول الله ﷺ فأتانا ونحن بالبقيع ومعنا العصي فسمانا باسم هو أحسن منه فقال: ((يا معشر التجار..))

ہمیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دلال کہا جاتا تھا۔ پس (ایک دن) آپ ہمارے پاس آئے اور ہم بقیع میں اپنی رسیوں کے ساتھ (تجارت میں مصروف) تھے۔ آپ (ﷺ) نے ہمیں اس سے بہترین نام کے ساتھ آواز دی، فرمایا: اے تاجرو!

(مسند الحمیدی تحقیقی قلمی ج۱ ص۳۰۴ ح۴۳۸ وسندہ صحیح، ونسخہ حسین سلیم اسد ج۱ ص۴۰۵ ح۴۴۲)

یہ روایت مختلف اسانید کے ساتھ سنن ابی داود (۳۳۲۶) وسنن الترمذی (۱۲۰۸ وقال: حسن صحیح) وسنن النسائی (۳۸۲۸، ۳۸۲۹) وسنن ابن ماجہ (۲۱۴۵) ومنتقی ابن الجارود (۵۵۷) ومستدرک الحاکم (۵/۲ وصححہ ووافقہ الذہبی) ومشکل الآثار للطحاوی (۱۳/۳، ۱۴) میں موجود ہے۔

اس حدیث سے دلالی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ عربی لغت میں "السمسرۃ" کا معنی "دلالی، ایجنٹ گری، کمیشن اور دلالی کی اجرت" ہے۔ (دیکھئے القاموس الوحید ص۸۰۰)

نیز دیکھئے صحیح بخاری کتاب الاجارۃ باب أجر السمسرۃ قبل ح۲۲۷۴

دوم: دلالی ممنوع ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يبع حاضر لباد)) کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال تجارت نہ بیچے۔

(صحیح بخاری: ۲۷۲۳ وصحیح مسلم: ۱۵۱۵/۱۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ "حاضر لباد" کا کیا مطلب ہے؟
تو انھوں نے فرمایا: "لایکون له سمسارًا" اس کا دلال نہ بنے۔
(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۱۹۸ ح ۱۴۸۷۰ وسندہ صحیح، ومصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۷۸ ح ۲۲۰۵۸)
اس حدیث سے دلالی کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

ان دونوں روایتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ دھوکہ، فراڈ اور کذب بیانی والی دلالی ہو تو حرام ہے اور اگر یہ بُرائیاں نہ ہوں۔ باہمی مفاد و خیر خواہی مطلوب ہو اور فریقین راضی ہوں تو مع الکراہت جائز ہے۔ واللہ اعلم (۱۱/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ)

[الحدیث: ۱۴]

جائز واجبات کے لئے کمیشن

سوال میں انجینئر ہوں اور میرا ذاتی کاروبار ہے، مختلف محکمہ جات سے اپنے جائز واجبات وصول کرنے کے لئے ہمیں کمیشن دینا پڑتا ہے اور اس کو دیئے بغیر آپ کا کام ہونا ناممکن ہے۔ ہم تو صرف اپنا جائز منافع اور مزدوری لیتے ہیں، لیکن جائز کام کے لئے بھی جب آپ کو کمیشن دینا پڑے تو کیا ایسی صورت میں آپ کی آمدنی قرآن وحدیث کی روشنی میں حلال ہوگی؟ (آفتاب احمد، اسلام آباد)

الجواب اگر اس کمیشن دینے میں کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہو، جائز کام ہو، شریعت کی مخالفت بھی نہ ہو تو جائز ہے لہٰذا آپ کی یہ آمدنی حلال ہے۔ واللہ اعلم

[شہادت، مئی ۲۰۰۰ء]

مشترکہ فیکٹری اور اس کے حصہ داروں کا مسئلہ

سوال سائل اور اس کے ساتھیوں کو چند کاروباری معاملات میں دینی رہنمائی کی ضرورت ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ و

الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [النساء:٥٩]

مسئلہ یہ ہے کہ ایک فیکٹری (کارخانہ) جس کے تقریباً سولہ سو(1600) حصہ دار ہیں، اس کا (MD) مسئول ایک اور نئی فیکٹری لگانا چاہتا ہے، جس سے موجودہ فیکٹری کو خام مال بھی ملے گا اور زائد پیداوار مارکیٹ میں فروخت ہوگی۔ وہ اس کے لئے دنیا کے کئی ممالک کا سفر کرتا ہے اور اس پر اپنے ذاتی پیسے خرچ کرتا ہے اور دوسرے حصہ داروں کو کہتا ہے کہ یہ فیکٹری مَیں اپنے پیسے، اپنے وسائل اور اپنے لئے لگاؤں گا۔ اس کے لئے وہ تقریباً دو سال صَرف کرتا ہے لیکن سوائے مختلف قسم کے معاہدے (agreements) کہ وہ فیکٹری نہیں لگا سکتا۔ چونکہ ہر فیکٹری کے لئے بنیادی طور پر سرمایہ کی ضرورت ہے۔ جس کو وہ اپنے وسائل سے حاصل نہیں کرسکتا اب مجبور ہوکر وہ اپنے حصہ داروں کو دعوت دیتا ہے کہ ان میں سے جو چاہے نئی فیکٹری میں شریک ہوسکتا ہے اور باہر کے لوگوں کو بھی دعوت دیتا ہے، وہ بھی اس کے شریک کار ہوسکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس کے لئے مطلوبہ سرمایہ مہیا کرنے میں حصہ لیں اور موجودہ فیکٹری کی زمین اور نقد روپیہ جو نئی فیکٹری کا تقریباً 1/3 حصہ ہوگا لگائیں اور اپنے پاس سے بھی حتی المقدور سرمایہ کاری کریں لیکن میں یعنی (MD) مسئول اپنے لئے نئی فیکٹری کے کل سرمایہ کا 5% فیصد وصول کرونگا اور اس میں کوئی دوسرا حصہ دار نہیں ہوگا اور 5% بطور شیئرز سرٹیفکیٹ کے وصول کرونگا۔ چونکہ فیکٹری سٹاک ایکسچینج میں رجسٹرڈ ہوگی، اس لئے فیکٹری مکمل ہونے تک سٹاک ایکسچینج میں اس کی قیمت جو پڑے گی اس کا فائدہ اٹھانے کا حق دار بھی میں ہونگا، کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا، اس پر اس کے سمجھدار حصہ داروں نے اعتراض کیا کہ تم جس فیکٹری کے 1/3 حصہ کو بنیاد بنا کر 2/3 حصہ سرمایہ لوگوں سے لینا چاہتے ہو تو تم اس کے تنخواہ دار ہو اور آج جو بڑی فیکٹریاں ہیں ان کے مطابق تنخواہ، گھر، گاڑیاں، ٹیلیفون، ملازم، ساری دنیا کا سفر، میڈیکل: بیماری کا علاج چاہے لاکھوں میں ہو، وصول کررہے ہو اور تم نے یہ تمام معاہدے اس فیکٹری کے سربراہ کی حیثیت سے کئے ہیں۔ اگر تم اس فیکٹری کی سربراہی سے علیحدہ ہوکر معاہدے

کرتے تو تمھیں کمیشن لینے کا اختیار تھا لیکن موجودہ فیکٹری کے سربراہ ہوتے ہوئے جب تم بڑے معاہدے کرتے ہو تو تمھاری پوزیشن اس سربراہ حکومت کی ہو جاتی ہے جو حکومت کا سربراہ ہونے کے باوجود معاہدے کو اپنی ذاتی حیثیت میں شمار کرے اور اس کے لئے کمیشن مانگے لیکن (MD) مسئول کا استدلال یہ ہے کہ یہ نئی فیکٹری ہے اور اس کے لئے کچھ ابتدائی اخراجات میں نے اپنے پاس سے کئے اور ساری منصوبہ بندی اپنی عقل سے کی ہے لیکن اختلاف کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ نئی فیکٹری ایک بہت بڑی فیکٹری جس کی مشینری کی قیمت اربوں روپے میں اور یہاں پاکستان میں بھی مشینری کے علاوہ اربوں روپے درکار ہیں۔ ذاتی حیثیت سے مشینری فروخت کرنے والے تمھیں ملاقات کا ٹائم بھی نہ دیتے اور نہ معاہدہ کرتے کہ یہ اربوں روپے کی مشینری ادھار کئی سال کے لئے دی جائے گی اور پاکستان کے اندر جو سرمایہ کی ضرورت ہے وہ بھی اربوں روپے ہے، ذاتی حیثیت سے کوئی شخص تمھارے ساتھ سرمایہ کاری نہیں کرے گا۔ اگر تم آزمائش کرنا چاہتے ہو تو اس فیکٹری کی سربراہی سے استعفیٰ دیکر پھر لوگوں کو سرمایہ کاری کی دعوت دو کیا وہ تمھاری دعوت قبول کرتے ہیں؟ اور باہر کے جو معاہدے ادھار مشینری کے تم نے کئے وہ بھی اپنی ذاتی حیثیت سے کرو، اگر تم کو کامیابی مل جاتی ہے تو 5% فیصد چھوڑ کر 10% کمیشن نئی فیکٹری سے لے لو لیکن موجودہ فیکٹری کے سربراہ ہوتے ہوئے جس کے تقریباً 1600 حصہ دار ہیں اور اسکی مالیت بھی کئی ارب روپیہ ہے تم اپنی ذات کے لئے کمیشن نہیں لے سکتے اگر کمیشن وصول کرنا ہے تو وہ موجودہ فیکٹری کے منافع میں جمع کر کے 1600 حصہ داروں میں تقسیم کرو، چونکہ تم اس فیکٹری کے سربراہ ہی نہیں امین بھی ہو اور تمھارا اس فیکٹری میں تقریباً 15% حصہ ہے۔ جب یہ کمیشن منافع کی شکل میں ملے گا تو تمھیں تمھارا 15% یعنی کمیشن 1/6 حصہ خود بخود مل جائے گا اور دوسرے حصہ دار کچھ 15% اور کچھ زیادہ اور کچھ کم کے جو مالک ہیں، اسی نسبت سے ان کو بھی کمیشن منافع میں سے حصہ مل جائے گا اور تم جو ابتدائی اخراجات کر چکے ہو چاہے نئی فیکٹری میں، اس کو حصہ

کے طور پر رکھ لو یا رقم واپس وصول کر لو لیکن وہ شخص اس سے شدید اختلاف کرتا ہے اور اپنی ضد پر اصرار کرتا ہے۔ ہم سب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ شریعت سے رہنمائی حاصل کریں لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ آج کے علماء کاروباری معاملات نہیں سمجھتے اس لئے وہ ہماری مشکل حل نہیں کر سکتے۔

جناب حافظ صاحب (حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ) ابھی حال ہی میں آپ نے علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیا ہے۔ جس میں چوٹی کے علماء حضرات ہیں، یہ مسئلہ ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے اس کو حل کر کے کاروباری لوگوں کی شریعت کے اندر رہنمائی فرمائیے تاکہ نہ کوئی ظلم کرے اور نہ اس پر ظلم کیا جائے۔ (سائل: آپ کا ایک دینی بھائی)

الجواب نفع اور نقصان کی بنیاد پر شراکت والا کاروبار مثلاً فیکٹری اور کارخانہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں سود، فراڈ اور دھوکے کا نام ونشان تک نہ ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ﴾ اور بہت سے حصہ دار، شریک کار ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور یہ بہت تھوڑے ہیں۔ (ص:۲۴)

اگر تمام حصہ دار مذکورہ ایم ڈی (MD) سے متفق ہیں تو اس کے لئے نفع ونقصان میں سے یا فیکٹری کے سرمائے سے کچھ حصہ مثلاً پانچ فی صد مختص کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((المسلمون علی شروطھم)) مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں۔

(سنن ابی داود: ۳۵۹۴ وسندہ حسن وصححہ ابن الجارود: ۶۳۷ وابن حبان: ۱۱۹۹، وعلقہ البخاری فی صحیحہ قبل ح ۲۲۷۴ نحو المعنیٰ)

اور اگر حصہ دار راضی نہ ہوں یا شک محسوس کریں تو ایم ڈی صاحب کو منع کر دیں اور کہہ دیں کہ ایم ڈی سمیت تمام حصہ دار نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوں گے یا وہ اس کاروبار کو ہی چھوڑ دیں۔

شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جس چیز کے بارے میں دل میں

کھٹک محسوس ہو اور آدمی مطمئن نہ ہو تو اس چیز کو چھوڑ دینا چاہئے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۳/ اگست ۲۰۰۷ء) [الحدیث: ۴۱]

رشوت حرام ہے، نماز کا ترک کفر ہے اور سودی، گناہگار کے گھر سے کھانا پینا؟

سوال اللہ آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے اور میری دعا ہے کہ اللہ آپ سے دینِ حق اور دینِ اسلام کا زیادہ سے زیادہ کام لے اور شہادت کی موت عطا فرمائے۔ محترم مجھے کچھ مسائل درپیش ہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں مجھے ان کا حل بتا دیں۔ جزاکم اللہ خیراً

① میرے بھائی کو کچھ عرصہ پہلے Medical rap کی نوکری ملی ہے۔ ایک دفعہ اُنہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ مجھے ایک ڈاکٹر نے کہا کہ میں اگر تمہاری دوائیاں فروخت کروں تو مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ بھائی نے جواب دیا کہ جو کچھ آپ چاہیں؟ اس قسم کی بحث کے بعد آخر کار ڈاکٹر نے کہا کہ مجھے ایک عدد موبائل کارڈ لا دیں۔ آپ کی دوائیاں (Medicine) کل تک فروخت ہو جائیں گی۔ ۳۰۰ والا کارڈ لا دیا اور بعد میں کمپنی سے اپنے پیسے وصول کر لیے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ معاملہ رشوت میں آئے گا یا نہیں اگر یہ رشوت ہے تو ان حالات میں مَیں کیا کروں کیونکہ میں گھر میں اکیلا اہلِ حدیث ہوں۔ اور میرے منع کرنے سے جھگڑا ہو سکتا ہے۔ (قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں)

② میرا کزن بینک کی نوکری کرتا ہے۔ اگر میں اُس کے گھر جاؤں تو کچھ کھا سکتا ہوں یا نہیں یا اُس کی دعوت قبول کر سکتا ہوں۔ اُس کے والد ملک سے باہر کام کرتے ہیں اور مجھے اُن کی کمائی پر کوئی شک نہیں۔ اور کیا بینک کی تمام نوکریاں حرام ہیں؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

③ کیا بے نمازی کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی اور سالن کھا سکتے ہیں۔ میری والدہ کبھی نماز

پڑھتی ہے اور کبھی نہیں۔ حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

④ کیا میں دینی پروگرام میں جاسکتا ہوں جبکہ میرے ابوان سے منع کرتے ہیں اور مجھ سے ناراض ہوتے ہیں اور گھر میں اس وجہ سے جھگڑا بھی ہوتا ہے۔ میں کوئی پروگرام چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔ ان حالات میں میں کیا کروں۔

مجھے آپ کی طرف سے نصیحت بھی مطلوب ہے کیونکہ میرے گھر کے حالات میرے اہل حدیث ہونے کی وجہ سے سخت ہیں اور کبھی کسی بات سے بہت خراب ہو جاتے ہیں۔

اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ سے دعا کی درخواست ہے۔ شکریہ [ایک سائل]

الجواب آپ کے سوالات کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں:

① رشوت حرام ہے

یہ رشوت کے حکم میں آتا ہے۔ آپ صبر کریں اور جب موقع ملے بڑے اچھے طریقے، ادب اور پیار سے اپنے بھائی کو سمجھا دیں۔ اگر وہ ناراض ہوں تو بحث نہ کریں۔ ادب واحترام اور محبت سے اُن سے تعلقات قائم رکھیں۔ قطع رحمی سے مکمل طور پر اجتناب کریں۔

② سودی، گناہگار کے گھر سے کھانا پینا

بینک کی نوکری سُودی کاروبار کی وجہ سے ناجائز ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اپنے کزن سے بائیکاٹ کر دیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ''میرا ایک پڑوسی ہے جس کا مال میرے خیال میں خبیث یا حرام ہی ہے۔ وہ مجھے کبھی کبھار (کھانے کی) دعوت دے دیتا ہے۔ اگر میں نہ جاؤں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ائته أو أجبه فإنما وزره علیه'' جا کر دعوت قبول کر لیا کرو، اس کا گناہ صرف اُسی پر ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۳۳۵ وسندہ حسن)

تنبیہ (۱): دعوت دینے والا اگر کسی خاص کھانے کے بارے میں کہے کہ یہ سود یا حرام سے تیار شدہ ہے تو یہ کھانا نہیں کھانا چاہیے۔

ایک عورت نے نبی کریم ﷺ کی دعوت کی۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ دعوت کا گوشت چوری کا ہے تو آپ نے وہ قیدیوں کو کھلانے کا حکم دیا، یعنی خود نہیں کھایا۔

دیکھئے سنن ابی داود (۳۳۳۲ وسندہ صحیح)

تنبیہ (۲): جو شخص سودی اور حرام کاروبار کرتا ہے اسے مناسب موقع محل پر نصیحت کرنا، قرآن وحدیث سنانا اور اس کاروبار سے توبہ کرانے کی کوشش کرنا انتہائی مستحسن کام ہے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی بُرائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اور اگر ہاتھ سے (تبدیل کرنے کی) طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۴۹ وترقیم دارالسلام: ۱۷۷)

بس یہ یاد رکھیں کہ صلہ رحمی اور رشتہ داری ٹوٹ نہ جائے۔

تنبیہ (۳): اگر گناہ گار آدمی کی دعوت قبول نہ کرنے میں یہ امکان ہے کہ وہ توبہ کرکے گناہ چھوڑ دے گا تو پھر دعوت رد بھی کی جاسکتی ہے۔

④ نماز کا ترک کردینا کفر ہے

نماز کا ترک کردینا کفر ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بے نمازی کا پکا ہوا کھانا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک یہودیہ عورت کی دعوت قبول فرمائی تھی۔

دیکھئے صحیح بخاری (۲۶۱۷، ۴۴۲۸) وصحیح مسلم (۲۱۹۰) وسنن ابی داود (۴۵۰۸، ۴۵۱۱)

آپ اپنی والدہ کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی اور سالن بغیر کسی شک وشبہ کے کھا سکتے ہیں۔ اگر والدین مشرک بھی ہوں تب بھی دنیا میں اچھے طریقے سے اُن کی مصاحبت اختیار کرنی چاہیے۔ دیکھئے سورۃ لقمان، آیت: ۱۴، ۱۵

آپ اپنی والدہ کی خوب خدمت کریں۔ معروف (نیکی) میں پوری پوری اطاعت کریں۔ ان کا دل دُکھانے کی کبھی جسارت نہ کریں۔ انتہائی پیار ومحبت اور ادب کے ساتھ انہیں نماز پڑھنے کی دعوت دیتے رہیں اور اللہ سے رو رو کر دعا کریں کہ وہ انہیں نماز پڑھنے

کی توفیق عطا فرمائے۔

④ دینی اُمور کی دو قسمیں ہیں:

اول: جو فرض و واجب ہے مثلاً نماز پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا وغیرہ ان امور میں اگر والدین یا حاکم یا جو کوئی شخص منع کرے تو اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ((**لا طاعة في معصية**))

(اللہ کی) نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۷۲۵۷ و صحیح مسلم: ۱۸۴۰)

دوم: جن دینی اُمور میں جانا جائز و مستحب ہے مثلاً تبلیغی جلسے اور پروگرام وغیرہ، اگر ان سے والدین منع کریں تو ان کی اطاعت کریں اور ان جلسوں و پروگراموں میں نہ جائیں۔ یاد رہے کہ والدین کی اطاعت بھی فرض ہے اِلا یہ کہ وہ قرآن و حدیث کی مخالفت کا حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ آپ اپنے والدین کو ناراض نہ کریں اور نہ گھر میں جھگڑا کرنے کی کوشش کریں رہا پروگرام تو کسی دوست سے اس کی کیسٹ کروالیں اور بعد میں مناسب موقع پر سُن لیں۔ اگر آپ کسی پروگرام یا دینی کام میں شامل نہ ہوں اور اس کا نقصان و ضرر زیادہ ہو تو پھر اجتہاد کر کے ان کاموں میں شامل ہو جائیں اور ہر ممکن طریقے سے والدین کو راضی رکھنے کی کوشش کریں۔ واللہ اعلم **وما علينا إلا البلاغ**

(۱۳/ رجب ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۸]

سودی کاروبار اور سرکاری نوکری

سوال ① ایسے معاشرے میں سرکاری نوکری کرنا جائز ہے جہاں سارا معاشرہ سود کی لپیٹ میں ہو۔ جس طرح ہماری حکومت آئی ایم ایف وغیرہ سے سود پر قرض لیتی ہے اور ملک کو چلاتی ہے۔ کیا ہم سود میں شامل ہیں یا نہیں؟

② پنشن لینا یا گولڈن ہینڈ شیک لینا یا بنکوں میں نوکری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(اقبال یوسف، راولپنڈی)

الجواب مجبوری کی حالت میں ایسی نوکری جائز ہے جس میں طاغوت اور سودی حکومت کو تقویت نہ ملتی ہو۔

ابو سعید (الخدری) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ليأتين على الناس زمان يكون عليكم أمراء سفهاء يقدّمون شرار الناس و يظهرون بخيارهم و يؤخرون الصلوة عن مواقيتها فمن أدرك ذلك منكم فلا يكوننّ عريفاً و لا شرطياً و لا جابياً و لا خازناً .))

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب تمھارے حکمران بے وقوف ہوں گے۔ وہ بُرے لوگوں کو حکومت میں آگے لائیں گے اور نیک لوگوں کو پیچھے ہٹائیں گے۔ نماز کو اس کے اوقات سے لیٹ کر کے پڑھیں گے تم میں سے جو شخص ان کا زمانہ پائے تو نہ ان کا عریف (قوم کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا یعنی قومی وصوبائی اسمبلی کا نمائندہ، کونسلر، بی ڈی ممبر وغیرہ) بنے۔ نہ فوجی (سپاہی) بنے اور نہ ٹیکس اکٹھا کرنے والا اور نہ خزانچی بنے۔

(مسند ابی یعلیٰ ۳۶۲/۲ ح ۱۱۱۵، وسندہ حسن، موارد الظمآن: ۱۵۵۸)

اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔ عبدالرحمٰن بن مسعود کو ابن حبان، حاکم، ذہبی (المستدرک ج ۳ ص ۱۶۶) ہیثمی (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۴۰) نے ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیا ہے۔

عریف کے بارے میں النہایہ (۲۱۸/۳) میں لکھا ہوا ہے: ''وهو القيم بأمور القبيلة أو الجماعة من الناس يلي أمورهم و يتعرف الأمير منه أحوالهم .''

اس تعریف میں MPA, MNA، کونسلرز اور بی ڈی ممبران سب آتے ہیں۔

[شہادت، اکتوبر ۱۹۹۹ء]



وراثت سے متعلق مسائل

جائیداد کی تقسیم

سوال ہم تین سگے بھائی ہیں۔ہمیں والدہ کی چھوٹی سی جائیداد ملی تھی۔بڑے بھائی نے ہم چھوٹے بھائیوں سے صلاح مشورہ کیے بغیراور ہماری عدم موجودگی میں بعض سودے بھی کیے۔جن میں کبھی نفع اور کبھی نقصان ہوا جس پر ہم نے کبھی اعتراض نہیں کیا چاہے نفع ہو یا نقصان غرضیکہ ہم چھوٹے بھائی بڑے کے پیچھے اس کے بال بچے اور کاروبار سنبھال رہے تھے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور ہم تینوں کی مشترکہ کوشش اور تعاون سے کافی جائیداد ہوگئی۔اب قرآن وسنت کی روشنی میں جائیداد کی تقسیم کیسے ہوگی؟

نوٹ: منجھلا بھائی بڑے بھائی سے ڈیڑھ سال چھوٹا ہے اور میں بڑے بھائی سے ڈھائی سال چھوٹا ہوں۔اور اب ہم تینوں ۶۰ کی دہائی میں زندگی کی سانسیں لے رہے ہیں۔

(امان اللہ ترین،کوئٹہ)

الجواب صورتِ مسئولہ میں آپ تینوں بھائی برابر کے شریک ہیں۔اگر آپ کے علاوہ والد کی چھوڑی ہوئی جائیداد کا کوئی اور وارث نہیں تو اُن کی جمع شدہ جائیداد،تینوں بھائیوں میں برابر برابر تقسیم ہوجائے گی۔ [شہادت،فروری ۲۰۰۲]

وراثت کا ایک مسئلہ

سوال گذارش ہے کہ مجھے اپنے حقیقی ماموں (شیخ محمد سمیع مرحوم) کی وراثت کی تقسیم کیلئے قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی درکار ہے۔مرحوم غیر شادی شدہ تھے۔ان کا انتقال ۱۹۷۹ء میں ہوا۔جبکہ ان کے والدین ان کی وفات سے قبل ہی وفات پاچکے تھے۔

مرحوم کے وارثان میں مندرجہ ذیل افراد شامل ہیں:

حقیقی ہمشیران:۵(پانچ)،پھوپھی:۱(ایک)،چچازاد بہن:۱(ایک)،چچازاد بھائی:۱(ایک)

جو مرحوم سے پہلے ہی ۱۹۷۵ میں فوت ہوئے،وہ درج ذیل ہیں:

(ان چچازاد کی اولاد) بیٹے:۴(چار)، بیٹیاں:۴(چار)

براہِ کرم مذکورہ رشتہ داروں میں وراثت کی تقسیم کیلیے رہنمائی فرمائیں۔

(دعاگو، ارشد محمود سیٹھی)

الجواب صورتِ مسئولہ میں وراثت کی تقسیم درج ذیل ہے:

پانچ (۵) حقیقی ہمشیروں کا حصہ: دوتہائی (۲/۳)

دلیل کے لئے دیکھئے سورۃ النساء آیت: ۱۷۶

باقی بچا ایک تہائی (۱/۳) یہ حصہ

حدیث: ((**الحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فهو لأولى رجل ذكر**)) وراثت کو اس کے حق داروں تک پہنچادو۔ اور جو باقی بچے تو وہ (میت کے) سب سے زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کا حصہ ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۷۳۲ وصحیح مسلم: ۱۶۱۵)

کی رو سے چچازاد بھائی کے چاروں بیٹوں کو ملے گا۔ اس حدیث کی رو سے، صورتِ مسئولہ میں میت کی پھوپھی، میت کی چچازاد بہن اور چچازاد بھائی کی بیٹیاں وراثت سے محروم رہیں گی۔

تنبیہ: یہ جواب صرف اسی حالت میں ہے کہ میت کا دوسرا کوئی قریبی رشتہ دار موجود نہیں ہے۔ صرف وہی رشتہ دار ہیں جو اس سوال میں مذکور ہیں۔ **وما علينا إلا البلاغ**

(۱۷/محرم ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۲]

مقتول کی وراثت

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مسمی غلام رسول شیخ جو حال ہی میں ہندو سے مسلمان ہوا، جسے ایک شخص مسمی اعجاز علی نے قتل کردیا جبکہ مقتول نے اپنے پیچھے درج ذیل ورثاء چھوڑے ہیں:

(۱) والدہ مسمی وسایو (ہندو) (۲) مسماۃ بچی (ہندو) (۳) ایک چچازاد (مسلمان)

قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کریں کہ اس صورت میں مقتول کا حقیقی وارث کون ہے؟

(مدرسہ شمس العلوم، بدین)

الجواب صحیح حدیث میں آیا ہے:

((لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم)) یعنی مسلم کا کافر وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلم کا وارث ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۷۶۴، صحیح مسلم: ۱۶۱۴)

اس حدیث کی رو سے متوفی کے والد اور ماں اس کے وارث نہیں ہیں۔ اب اس کے رشتہ داروں میں جو "اولیٰ ذکر" مسلم زندہ ہے، وہی وارث ہے۔ مثلاً چچازاد مسلمان بھائی اس کا وارث ہے، اگر دوسرا کوئی اولیٰ ذکر (قریبی رشتہ دار مرد) موجود نہ ہو۔

[شہادت، نومبر ۲۰۰۰ء]

منکوحہ غیر مدخولہ اور مسئلہ وراثت

سوال ایک آدمی کا نکاح ہوا لیکن رخصتی ابھی نہیں ہوئی اور وہ آدمی فوت ہو گیا، کیا وہ لڑکی آدمی کی وراثت کی حقدار ہے اور اگر وہ کہیں اور نکاح کرے تو پھر بھی وراثت کی حقدار ہو گی؟

(ظفر اقبال، شکر گڑھ)

الجواب میت کی منکوحہ، غیر مدخولہ بھی اس کی وراثت کی حقدار ہے، اگر میت کی اولاد تھی تو آٹھواں حصہ اور اگر اولاد نہیں تھی تو چوتھا حصہ، صرف حق مہر میں اسے آدھا ملے گا۔ واللہ اعلم

دلیل کے لئے دیکھئے سنن النسائی (۱۲۲/۶ ح ۳۳۶۰ وسندہ صحیح) [شہادت، اگست ۲۰۰۰ء]



اخلاق وآداب سے متعلق مسائل

دوسروں کی عیب جوئی اور غیبت

سوال کسی متقی شخص یا گروہ کے عیوب سے لوگوں کو اس لئے مطلع کرنا کہ وہ ان کے عیوب کو دین کا حصہ نہ سمجھ لیں، درست ہے؟ کسی کاروباری سلسلہ، رشتہ یا کسی دوسری ضرورت کے تحت کوئی تمھارے بھائی کے عیوب کے متعلق دریافت کرے تو کیا اسے اپنے بھائی کے عیوب اس کی عدم موجودگی میں بتائے جا سکتے ہیں؟ بعض لوگ اپنے بھائی کی برائی کسی کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اس کی یہ برائی اس کے سامنے بھی بیان کر سکتے ہیں لہٰذا یہ غیبت نہیں، بعض کہتے ہیں کہ اگر ہم اس کے سامنے اس کے یہ عیوب بیان کریں تو وہ بُرا محسوس نہیں کرے گا۔ اس لئے یہ غیبت نہیں؟ مختصر اور جامع جواب دیں۔

(ظفر اقبال)

الجواب اگر ان عیوب (خامیوں) کے بیان کرنے میں شرعی عذر اور "النصیحة ... للمسلمین" (مسلمانوں کی خیر خواہی مقصود) ہو تو جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: ((**أما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه و أما معاوية فصعلوك لا مال له**)) ابوجہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتا اور معاویہ سخت فقیر ہے، اس کے پاس کوئی مال نہیں ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق باب المطلقة البائن لا نفقة لها ح ۱۴۸۰)

خواہ مخواہ بغیر کسی شرعی عذر اور النصیحة للمسلمین کے کسی مسلمان کے بارے میں پروپیگنڈا کرنا، انتہائی مذموم، غیبت اور بہتان ہے لہٰذا یہ حرام ہے۔ غیبت اور بہتان دونوں کا تعلق کبیرہ گناہوں سے ہے۔ والعیاذ باللہ [شہادت، مئی ۲۰۰۰ء]

اللہ کی رضا کے لئے صلح اور اس کی فضیلت

سوال اگر دو آدمی آپس میں جھگڑتے ہیں اور دونوں پھر آپس میں اللہ کی رضا کے لئے صلح کر لیتے ہیں تو اس کی فضیلت کیا ہے؟ (عبدالقادر، دیپالپور)

الجواب ابن ابی شیبہ کی ایک حدیث میں آیا ہے: ((وأیما بدأ صاحبه کفّرت ذنوبه)) اور ان دونوں میں سے جو بھی (صلح میں) ابتدا کرتا ہے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۵۶)

اس روایت کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

دیکھئے صحیح الترغیب والترہیب (۳/ ۵۰، ۵۱ ح ۲۷۵۹)

لیکن مجھے اس کی سند نہیں ملی لہٰذا اس تصحیح میں نظر ہے۔

[بعد میں اس کی سند مل گئی جو مع متن درج ذیل ہے:

" أبو بكر بن أبي شيبة :حدثنا إسحاق بن منصور : ثنا عبدالوارث عن يزيد الرشك عن معاذة عن هشام [بن] عامر قال قال رسول الله ﷺ :

((لا يحل أن يصطرما فوق ثلاث فإن اصطرما فوق ثلاث لم يجتمعا في الجنة أبدًا و أيهما بدأ صاحبه كفرت ذنوبه و إن هو سلّم فلم يرد عليه ولم يقبل سلامه رد عليه الملك ورد على ذلك الشيطان .)) "

(الاحکام الکبریٰ لعبد الحق الاشبیلی ۳/ ۱۸۲، بحوالہ المکتبۃ الشاملہ، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ والحمد للہ)]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((و أولهما فيئًا يكون فيئه كفارة له .)) جو شخص پہلے صلح کرے گا، اس کی پہل اُس کے لئے کفارہ بن جائے گی۔ (الزھد لابن المبارک: ۷۸۴ وسندہ صحیح واللفظ لہ، مسند احمد ۴/ ۲۰ ح ۱۶۲۵۷، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۵۶۳۵، دوسرا نسخہ: ۵۶۶۴)

اس حدیث کے مفہوم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے صلح کرنے میں سبقت کرنے کی کوشش کریں گے تو دونوں کے لئے بڑا ثواب ہے، ان کا یہ عمل اُن کے لئے کفارہ بن جائے گا۔ ان شاء اللہ، واللہ اعلم [شہادت، مئی ۲۰۰۰ء]

غرباء ومساکین سے تعاون اور مسلمانوں کی ذمہ داری

سوال ایک عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہے، اس عورت کی ایک جوان بیٹی بھی ہے، ان کا ذریعہ آمدنی کچھ بھی نہیں ہے، لڑکی کی ماں بیمار ہے، اگر لڑکی کام کاج کے سلسلے میں گھر سے باہر نکلتی ہے تو لوگ اس کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہیں، کوئی شادی کے لئے بھی تیار نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ وہ گھر کو کس طرح چلائے؟ آیا اپنے آپ کو ان درندوں کے حوالے کر دے، بھوکی مر جائے، خودکشی کرے، مانگنا شروع کر دے، ماں کا گلا دبا دے، وہ کیا کرے؟ ایسے ملک میں جہاں اسلامی قوانین بھی لاگو نہیں ہیں، ایسی صورت میں وہ کس کے پاس جائے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب دیں۔ (عمران، بہاولنگر)

الجواب بشرطِ صحتِ سوال، اس کے محلے والے اور ارد گرد کے لوگوں پر یہ لازم ہے کہ اس عورت کی، زکوٰۃ وصدقات وغیرہ سے بھرپور امداد کریں۔ اگر وہ نہیں کریں گے تو سارے لوگ گناہ گار ہوں گے۔ رہا برائی کرنا، جان بوجھ کر بھوکا مر جانا، خودکشی کرنا، ماں کا گلا دبا دینا وغیرہ تو یہ سارے کام حرام ہیں۔ گلی کوچوں میں مانگنا بھی انتہائی مذموم و ناجائز ہے۔ محلّہ کے لوگوں کو چاہئے کہ سب سے پہلے اس نوجوان لڑکی کا نکاح کسی صحیح العقیدہ آدمی سے کر دیں تاکہ فتنہ کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ ہمارے معاشرے کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اکثر لوگ مستحقین تک زکوٰۃ وصدقات نہیں پہنچاتے۔ صرف ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو انھیں ووٹ دیں یا خان، ملک، چوہدری وغیرہ کہیں۔ ذاتی مفاد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں اور بعض ایسے بدنصیب بھی ہوتے ہیں جن کا سارا مال مختلف جماعتیں اور پارٹیاں لے جاتی ہیں اور بہانہ یہ ہوتا ہے کہ ہم دین اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ حالانکہ حکم یہ ہے کہ ((اِبدأ بمن تعول)) اس شخص سے شروع کرو جس کا نان ونفقہ تمھارے ذمہ ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۴۲۷، صحیح مسلم: ۱۰۳۴)

اگر مخیّر حضرات ان جماعتوں اور پارٹیوں کے جال سے نکل کر صحیح العقیدہ اور مستحق

اشخاص تک زکوٰۃ وصدقات وغیرہ پہنچائیں تو ان شاء اللہ کوئی غریب، غریب نہیں رہے گا۔ ضرورت یہ ہے کہ ائمہ مساجد وخطباء حضرات لوگوں کی صحیح تربیت کریں۔ انھیں انفاقِ مال کا صحیح طریقہ بتائیں نہ کہ وہ اپنی جھولیاں بھرنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہیں۔!

وما علینا إلا البلاغ [شہادت، مئی ۲۰۰۰ء]

مسلمان کی جان بچانے کے لئے خون دینا

سوال کیا مسلمان کسی مسلمان کی جان بچانے کے لئے خون دے سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ مسلمانوں کا جان و مال اور خون مسلمان پر حرام ہے۔ سوال کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر دے سکتا ہے تو مسلمان عیسائی کو خون دے سکتا ہے اور کیا عیسائی مسلمان کو خون دے سکتا ہے؟ (حافظ محمد عمران، حافظ آباد)

الجواب مسلمان دوسرے مسلمان کی جان بچانے کے لئے خون دے سکتا ہے۔

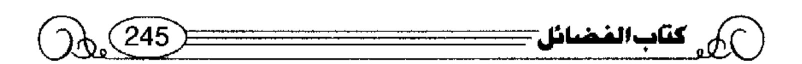
ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ﴾

اور جس نے ایک انسان کو بچالیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو بچالیا۔ (سورۃ المائدۃ:۳۲)

اس بات کی واضح دلیل ہے۔ رہا رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ ''مسلمانوں کا جان و مال اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل کرنا حرام ہے نہ یہ کہ ایک تھوڑی مقدار میں کسی ضرورت مند کو خون دے دینا جس سے نہ جسم کو نقصان پہنچتا ہے اور نہ موت واقع ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث صورت مسؤلہ پر دلالت نہیں کرتی۔

مسلم کا کافر کو خون دینا یا لینا بغیر کسی مستند عالمِ دین کے فتوے کے جائز نہیں ہے لہٰذا شدید ضرورت کے وقت اپنے علاقے کے صحیح العقیدہ عالمِ دین سے اس کے بارے میں پوچھ لیں۔ [شہادت، دسمبر ۲۰۰۰ء]





فضائل ومناقب

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں

سوال راقم الحروف کو صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک حدیث کی وضاحت درکار ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ اس کی وضاحت ماہنامہ ''الحدیث'' میں شائع فرمادیں۔

جزاکم اللہ خیراً.

سیدۃ النساء کون؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت شروع ہوئی تو ایک دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے آئیں۔ آپ نے مرحبا کہہ کر ان کا استقبال کیا اور ان کو برابر بٹھا لیا اور ان سے سرگوشی میں کچھ کہا جس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ دوبارہ سرگوشی فرمائی تو سیدہ فاطمہ ہنسنے لگیں۔ میں (سیدہ عائشہ) نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ سوال کیا کہ کیا راز و نیاز کی باتیں ہوئیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا نہیں کرسکتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گفتگو کی تھی وہ بیان کرو۔ انھوں نے کہا: اب کوئی حرج نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار فرمایا تھا کہ ''میری موت قریب آ گئی ہے۔'' اس پر میں رونے لگی۔ دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی فرمائی ''کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم مومنین کی عورتوں کی سردار ہو یا امت کی عورتوں کی سردار ہو؟

(صحیح مسلم: ۲۴۵۰) اور صحیح بخاری (۶۲۸۵، ۶۲۸۶) میں آخری الفاظ یہ ہیں: ''کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو یا مومنین کی عورتوں کی؟'' یہاں چند امور غور طلب ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطابات فرمائے اس میں خود راویوں کا اختلاف ہے۔

۲۔ ایک بیٹی جس کو یہ اطلاع دی گئی ہے کہ عنقریب اس کے والد کا انتقال ہونے والا ہے اور وہ اس بات پر رو رہی ہے کیا محض خطاب دینے سے وہ خوش ہو جائے گی؟

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات قریب ہونے کی اطلاع مختلف مواقع پر ظاہر کردی

تھی یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جو مخفی ہو۔

۴۔ کیا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا و دیگر ازواج مطہرات کی بھی سردار ہوں گی؟

۵۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کے مناقب بیان فرمائے اور فضیلت کا اظہار بھی فرمایا تو کسی موقع پر بھی اخفاء سے کام نہیں لیا۔ یہ ایسی خاص بات نہ تھی جو وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک ظاہر نہیں کی جا سکتی تھی۔

۶۔ فراس (راوی) کی روایت میں صراحت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سرگوشی کے بارے میں پوچھا حالانکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حالت نہیں رہی تھی کہ کھڑے ہو سکیں۔

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں، جن میں سے سیدہ زینب اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما نے اسلام کی خاطر مصائب برداشت کیے۔ ان سب کو چھوڑ کر صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سیدۃ النساء کہنا محلِ نظر ہے۔!

حقیقی سیدۃ النساء کون؟ اب قرآن کی رو سے حقیقی سیدۃ النساء کون ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد بار ازواج مطہرات کو "یا نساء النبی" کہہ کر خطاب کیا ہے پورے قرآن میں کسی مقام پر بھی "یا بنات النبی" کہہ کر صاحبزادیوں کو مخاطب نہیں کیا گیا اور نہ کسی جگہ ان کی فضیلت کا ذکر ہے۔ یہ امر خود اس بات کی دلیل ہے کہ امت کی خواتین میں ذکر کے قابل صرف ازواج مطہرات تھیں۔ اگر کوئی اور خاتون اس مقام پر پہنچتی تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا۔ حالانکہ سابقہ امتوں میں سے مریم بنت عمران اور آسیہ امراۃ فرعون کا ذکر کیا۔ ازواج مطہرات کی فضیلت کی صرف یہی دلیل کافی ہے اور از روئے قرآن ازواج مطہرات کا جنتی ہونا یقینی ہے۔ (سورۂ احزاب)

۲۔ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے مقابلے میں ہر عمل کا دوہرا اجر ملتا ہے، اسی طرح ازواج مطہرات کے ساتھ اسی اصول کو بیان کرنے سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات کے بعد ازواج مطہرات تمام امت کی رہنما ہیں اور ان کی اقتدا امت پر لازم ہے۔
اس سے ظاہر ہوا کہ کوئی امتی خواہ کتنا ہی بلند مقام حاصل کر لے ازواجِ مطہرات کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ جو عمل سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہم اجمعین انجام دیں تو انھیں اکہرا (ایک) اجر ملتا ہے اور وہی عمل اگر سیدہ عائشہ یا ام حبیبہ رضی اللہ عنہما انجام دیں تو انھیں دوہرا اجر ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ کوئی امتی ازواج مطہرات کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بشرطیکہ تقویٰ اختیار کرو۔'' (الاحزاب:۳۲)

اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے مریم بنت عمران، آسیہ امرأۃ فرعون یا اس امت میں سیدہ فاطمہ کو امہات المؤمنین میں سے کسی پر فضیلت حاصل ہے تو یہ یقیناً قرآن کا انکار ہے۔ دنیا کی کسی عورت کو امہات المؤمنین کے برابر قرار دینا ہی گناہِ عظیم ہے کجا کہ ان پر فوقیت دینا۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''مردوں میں تو بہت کامل گزرے ہیں لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ امرأۃ فرعون کے علاوہ کوئی کامل نہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام عورتوں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے ثرید کو کھانوں پر۔''

اس حدیث میں اس بات کی نفی فرمائی گئی ہے کہ خواتین میں ان دو خواتین کے علاوہ کوئی کامل نہیں ہوئیں۔ اس فرمان سے تمام خواتین خارج ہو گئیں لیکن رسول اکرم ﷺ کا سیدہ عائشہ کو مستثنیٰ قرار دینا اور انھیں دنیا کی ساری عورتوں پر فضیلت دینا، اس امر کا ثبوت ہے کہ اصل مقام فضیلت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے اور یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

۵۔ قرآنِ مجید میں رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات سے شادی کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ ایسی کوئی ممانعت رسول اکرم ﷺ کی صاحبزادیوں کے

نکاح سے متعلق نہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا اپنی صاحبزادیوں کا دوسروں سے نکاح کرنا اور اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو منع کرنا کہ آپ کی ازواج سے نکاح نہ کیا جائے، اس امر کا ثبوت ہے کہ ازواج مطہرات صاحبزادیوں کے مقابلے میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔

۶۔ ازواجِ مطہرات کی ایک اور فضیلت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
''نبی تو مومنین کے لئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہیں اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

(الاحزاب:٦)

لہٰذا تمام امت پر بشمول سیدنا علی و سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما امہات المؤمنین کی اطاعت فرض ہوئی۔

۷۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سب سے بڑا مقام یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کی براءت میں سورۃ النور کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں۔

۸۔ طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دیگر امہات المؤمنین کی وکیل سیدہ فاطمہ کو فرمایا: کیا تو اس (سیدہ عائشہ) سے محبت نہیں کرتی جس سے میں محبت کرتا ہوں؟ سیدہ فاطمہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس (سیدہ عائشہ) سے محبت کر۔ یہاں پر سیدہ عائشہ کی فضیلت اظہر من الشمس ہے۔

(محمد عمران المحمدی، لاہوری)

الجواب سب سے پہلے یہ عرض ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ''سيدة نساء أهل الجنة'' والی حدیث بالکل صحیح ہے۔ اسے امام بخاری و مسلم کے علاوہ امام احمد بن حنبل (٢٨٢/٦) ابن ماجہ (١٦٢١) نسائی (فضائل الصحابہ: ٢٦٣، السنن الکبریٰ: ٨٠٧٨، ٨٣٦٨) ابوداود الطیالسی (١٣٧٣) ابن سعد (الطبقات ٢/٢٤٧۔٢٤٨) ابویعلی الموصلی (٦٧٤٤، ٦٧٤٥) طحاوی (شرح مشکل الآثار: ٥٩٤٥، تحفۃ الاخیار ٩/٩٨، ٩٩) طبرانی (الکبیر ٢٢/٤١٩ ح ١٠٣٢، ١٠٣٣) اور بیہقی (دلائل النبوۃ ٦/٣٦٤، ٧/١٦٤۔١٦٥) وغیرہم نے ''فراس عن الشعبي عن مسروق عن عائشة'' رضی اللہ عنہا کی سند سے بیان کیا ہے۔ نیز دیکھئے الموسوعۃ الحدیثیۃ (ج ٢٤ ص ١٠، ١١)

فراس بن یحییٰ الہمدانی کو جمہور محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اسماء الرجال کے جلیل القدر امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے بھی فراس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی:۷۱)

امام اہلِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فراس کو ثقہ کہا۔ (مسائل ابن ہانی ۲/ ۲۱۳، ۲۱۴)

جمہور کی توثیق کے مقابلے میں بعض الناس کی جرح مردود ہے۔

عامر الشعبی ثقہ مشہور فقیہ فاضل تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۳۰۹۲)

مسروق بن الاجدع الہمدانی رحمہ اللہ: ثقہ فقیہ عابد تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب:۶۶۰۱)

معلوم ہوا کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

اس مفہوم کی روایت مسروق کے علاوہ ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کر رکھی ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۱۲/ ۱۲۶ ح ۳۲۲۶۰ وسندہ حسن) فضائل الصحابۃ للنسائی (۲۶۱ والسنن الکبریٰ لہ:۸۳۶۶) صحیح ابن حبان (الاحسان:۶۹۱۳ دوسرا نسخہ:۶۹۵۲)

ابو سلمہ ثقہ مکثر (کثرت سے حدیثیں بیان کرنے والے) ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۸۱۴۲) اور ان تک سند حسن لذاتہ ہے۔ محمد بن عمرو بن علقمہ اللیثی جمہور کے نزدیک موثق ہیں لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔ "سيدة نساء أهل الجنة" کے مفہوم والی روایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ درج ذیل صحابہ سے بھی مروی ہے:

۱۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ (النسائی فی الکبریٰ:۸۳۶۵ وسندہ حسن، المستدرک للحاکم ۳/ ۱۵۲ وصححہ ووافقہ الذہبی)

۲۔ ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ (المستدرک للحاکم ۳/ ۱۵۴ ح ۴۷۳۳ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

۳۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (احمد ۱/ ۲۹۳ ح ۲۶۶۸ وسندہ صحیح، ۱/ ۳۱۶، ۳۲۲، مسند عبد بن حمید: ۵۹۷، النسائی فی الکبریٰ: ۸۳۶۴، الطحاوی فی مشکل الآثار، تحفۃ الاخیار ۹/ ۱۰۱ ح ۶۴۰۵، ابو یعلیٰ: ۲۷۲۲، المستدرک ۳/ ۱۶۰ ح ۴۷۵۴ وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

۴۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ (الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم:۲۹۶۱ وسندہ حسن، والطبرانی فی تفسیرہ ۳/ ۲۶۳، الکامل لابن عدی ۴/ ۱۵۳۳، الکبیر للطبرانی ۲۲/ ۴۰۲ ح ۱۰۰۴)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ اس کے شواہد کے لئے دیکھئے مسند احمد (۳/ ۱۳۵) سنن

الترمذی (۳۸۷۸ وقال: ''صحیح'' وھو صحیح بالشواہد) مصنف عبدالرزاق (۲۰۹۱۹) وصحیح ابن حبان (الاحسان: ۶۹۱۲/ ۶۹۵۱، ۶۹۶۴، ۷۰۰۳) المستدرک للحاکم (۱۵۷/۳ ح ۴۷۴۵) ''من حديث قتادة عن أنس رضي الله عنه'' فضائل الصحابہ لاحمد (۱۳۳۲، ۱۳۳۸) والمستدرک (۱۵۷/۳، ۱۵۸) ''من حديث الزهري عن أنس رضي الله عنه''

۵: ام سلمہ رضی اللہ عنہا (سنن الترمذی: ۳۸۷۳ وقال: ''حسن غریب'' وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ یہ روایت یقینی وقطعی طور پر صحیح ہے۔ والحمدللہ

اس تمہید کے بعد غور طلب امور کی وضاحتیں درج ذیل ہیں:

(۱) راویوں کا بعض اختلاف قطعاً مضر نہیں ہے کیونکہ مفہوم ایک ہے۔

(۲) جی ہاں! اسے سو فیصد یقین ہے کہ اس کا ابا سچا رسول ہے جس کی ہر بات برحق ہے۔ اپنے ابا سے ملاقات پر ہر مومن کو خوشی ہوتی ہے اور ہر مومن کا مطلوب ومقصود اخروی کامیابی ہی ہے۔

(۳) وفات کے قریب الوقوع ہونے کی خبر تو آپ نے بیان فرمادی تھی۔ اس حدیث میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور ''سيدة نساء أهل الجنة'' کی خبر بھی بیان فرمادی جو مخفی نہ رہی بلکہ حدیث کی کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ مدوّن ہو کر ہمیشہ کے لئے حجتِ قاطعہ بن گئی۔

(۴) اس حدیث میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ عام میں سے تخصیص ہو سکتی ہے لہٰذا مفہوم یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عام عورتوں کی (باستثنائے اپنی والدہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وامہات المومنین) سردار ہوں گی۔

واللہ اعلم

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہے جب آپ نے مناسب سمجھا بیان فرمادیا۔ آپ نے ساری باتیں ایک دفعہ ہی تو بیان نہیں فرمائیں بلکہ مختلف مواقع ومختلف مجالس میں علم وحکمت کے موتی بہادیئے۔ فداه أبي وأمي

(۶) یہ کہنا کہ ''مرض وفات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی حالت نہیں رہی تھی کہ کھڑے

ہوسکیں'' بلا دلیل ہے۔اسی بیماری کی حالت میں آپ کا مسجد نبوی میں نماز کے لئے چل کر جانا اور بیٹھ کر نماز پڑھانا ثابت ہے لہٰذا فراس راوی کی روایت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

(۷) بعض صحابہ کی فضیلتوں کا دوسرے صحابہ کی فضیلتوں سے مقابلہ کرنا عقل مندی نہیں ہے۔ یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ انبیاء ورسل میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے لہٰذا اگر بیٹیوں میں سے ایک کو دوسری بیٹیوں پر کچھ فضیلت ثابت ہوگئی تو اعتراض کی کیا بات ہے؟ اب ''حقیقی سیدۃ النساء کون؟'' کے سلسلے میں غور طلب امور پر تبصرہ درج ذیل ہے:

(۱) قرآن میں ''یا نساء النبی '' کے خطاب اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے جنتی ہونے کا یہ مطلب کہاں سے آگیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار نہیں ہیں؟

(۲) ازواجِ مطہرات کو دوہرا اجر ملنے کا یہ مفہوم کس طرح بن گیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار نہیں ہیں؟ کچھ تو غور کریں!

یاد رہے کہ یہ کہنا ''جو عمل سیدنا علی رضی اللہ عنہ ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما انجام دیں تو انھیں ایک اجر ملتا ہے'' بالکل بلا دلیل اور بے ثبوت ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں (رضی اللہ عنہن) کی فضیلت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار نہیں ہیں۔ کیا جنت میں دنیا والی سرداری ہوگی؟ کیا کوئی بدنصیب یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جنتی عورتوں کی سردار کہہ کر قرآن کا انکار کر دیا تھا؟ خاص دلیل کے مقابلے میں عمومات سے استدلال کر کے خود مسئلے گھڑنا ان لوگوں کا کام ہے جو در اصل قرآن وحدیث پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۴) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت نہیں ہے۔ خاص کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا غلط ہوتا ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ، اہلِ بیت اور ازواجِ مطہرات کو بے شمار فضیلتیں حاصل ہیں اور سب جنت میں راضی خوشی رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی ۔

یہ کہنا ''اصل مقام فضیلت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے اور یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں

ہوسکتا'' بے دلیل ہے۔ کیا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا؟ بے دلیل باتیں لکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے لہٰذا بات گول نہیں کی گئی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے ساتھ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کا ذکر بھی صحیح حدیث میں آیا ہے۔ دیکھئے مسند احمد (۱/۲۹۳ ح ۲۶۶۸ وسندہ صحیح)

(۵) نکاح کی ممانعت سے یہ مطلب کدھر سے آ نکلا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار نہیں ہیں؟ سبحان اللہ!

(۶) کسی مومن کے نزدیک ازواجِ مطہرات کی فضیلتوں کا انکار نہیں بلکہ ہر صحیح وثابت فضیلت واجب التسلیم ہے۔ سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور تمام مومنین کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی بیویاں مائیں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار نہیں ہیں۔ اہلِ ایمان کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ صحیح احادیث پر ایمان لاتے ہیں اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ والی حدیث بالکل صحیح، یقینی اور قطعی ہے لہٰذا اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ منکرینِ حدیث کے راستوں پر وہی لوگ گامزن ہیں جو قرآن وحدیث پر ایمان نہیں لاتے۔

(۷) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ فضیلت بالکل صحیح وثابت ہے۔

(۸) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت والی حدیث بھی صحیح وثابت ہے اور اسی طرح یہ حدیث بھی صحیح وثابت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۳۱ ص ۵۲، ۵۴ (۲۶/ستمبر ۲۰۰۷ء)

[الحدیث: ۴۶]

حسن وحسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں

سوال راقم الحروف کو ایک حدیث کے بارے میں چند اشکالات ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ ان کے ترتیب وار جوابات اپنے ماہنامہ ''الحدیث'' میں دیں۔

ترمذی کی روایت میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہوں گے۔''

اس حدیث میں چند اشکالات ہیں:

۱۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا، کیا اس وقت حسن وحسین رضی اللہ عنہما نوجوان تھے؟

۲۔ ہمارے علماء کے بموجب جنت میں سب ہی نوجوان ہوں گے۔ ان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ، چچا جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی ہوں گے۔ کیا یہ دونوں بچے ان کے بھی سردار ہوں گے؟

۳۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی سب نوجوان ہوں گے۔ اس روایت کی رو سے کیا حضرات حسنین رضی اللہ عنہما انبیاء کے بھی سردار ہوں گے؟

۴۔ یہ مسلمہ امر ہے کہ ہمیشہ ایک گروہ کا صرف ایک ہی سردار ہوتا ہے۔ یہ بات کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں سردار ہوں گے محلِ نظر ہے۔

۵۔ اسلام میں چونکہ شخصیت پرستی نہیں ہے اور اللہ کے نزدیک اکرام کی بنیاد تقویٰ پر ہے اور کسی شخصیت کا اعتراف اس کی خدمات کے پیشِ نظر ہوتا ہے اسی لئے اگر کسی کو جنت کا سردار بنانا ہی تھا تو ان کو سردار بنانا چاہیئے تھا جنھوں نے جنگ بدر میں حصہ لے کر ابوجہل کو قتل کیا تھا اور اس طرح تاریخ عالم کا دھارا بدل دیا تھا۔

٦۔ امام ترمذی کی ایک اور روایت ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ سامنے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں جنت میں تمام اولین وآخرین میں جتنے بوڑھے ہوں گے سب کے سردار ہوں گے بجز انبیاء ورسل کے۔ اے علی! ان دونوں کو مطلع نہ کرنا۔ یہ بھی خوب ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی ذات کا مسئلہ آیا تو انبیاء ورسل خارج کر دیئے گئے اور جب حسنین کا معاملہ آیا تو بات گول کر دی گئی۔ پھر ہر دو روایات سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ خود حضرت علی جوانوں کی صف میں داخل ہوں گے یا بوڑھوں کی وہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قیادت قبول کریں گے یا اپنے صاحب

زادگان کی؟" "ان دونوں کو مطلع نہ کرنا" والی بات بھی بڑی دلچسپ ہے۔ یہ راز پھر دنیا میں کیسے ظاہر ہو گیا؟ (محمد عمران المحمدی، لاہوری)

الجواب روایت مذکورہ "حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں" بالکل صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۶ ص ۶۳

اس کے بعد اشکالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱: نوجوان نہیں تھے۔ وفاتِ نبوی کے وقت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً ۵ سال اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً ۸ سال تھی۔

۲: سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو نوجوانی میں فوت نہیں ہوئے بلکہ ۶۳ سال کی عمر میں ۴۰ھ کو شہید ہوئے تھے۔ جنتی نوجوانوں کے سردار کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر بن ابی طالب الطیار رضی اللہ عنہ کے بھی سردار ہیں۔ اپنی طرف سے بے ثبوت بات گھڑ کر بیان کرنا انتہائی مذموم حرکت ہے جس کا حبیب الرحمٰن کاندھلوی اور عزیز احمد صدیقی وغیرہما جیسے کذابین و منکرینِ حدیث ہی ارتکاب کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں ان لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

۳: یہ کہنا کہ انبیاءِ کرام کے بھی سردار ہوں گے، غلط باطل اور مردود ہے۔

۴: جنت میں دنیا والی سرداری نہیں، یہ تو ایک اعزاز ہے۔ جنت میں تو سب بااختیار اور اپنی مرضی کے مالک ہوں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) تمام بڑی عمر والے جنتیوں کے سردار ہوں گے سوائے نبیوں اور رسولوں کے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۰۰ وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد: ۲۱۹۲)

۵: یہ سوال سرے سے باطل ہے کیونکہ اسلام قرآن و حدیث کی اطاعت کا نام ہے۔ منکرینِ حدیث کی عقلی موشگافیاں گوزِ خر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنھیں جنتی نوجوانوں کا سردار قرار دیا ہے، اس کا انکار کرنا صحیح حدیث کا انکار ہے۔ یہ ہونا چاہئے تھا اور وہ ہونا چاہئے تھا، اس میں اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں ہے لہٰذا منکرینِ حدیث کا فلسفہ یہاں مردود ہے۔

٦: سنن ترمذی والی روایت بلحاظِ سند (حارث الاعور کی وجہ سے) ضعیف ہے لیکن سنن ابن ماجہ والی روایت صحیح ہے ایک روایت میں کسی کی فضیلت سے دوسرے کی تنقیص کشید کرنا انتہائی غلط حرکت ہے۔ اسی علمِ کلام سے کام لے کر اگر کوئی شخص سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل لے کر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی توہین و تنقیص شروع کر دے تو یہ حرکت ہر لحاظ سے باطل ہوگی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی صف میں ہوں گے۔ لیکن ہمارا کیا ہوگا، ہم کہاں ہوں گے؟ اپنی خیر منانی چاہئے۔ صحیح احادیث کے انکار کی وجہ سے اگر جہنم کا فیصلہ ہو گیا تو اس دن اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا؟ یاد رہے کہ (زمانۂ تدوینِ حدیث کے بعد) ایک صحیح و ثابت حدیث کا انکار کرنے والا بھی زندیق ہے۔ (۲۶/ستمبر ۲۰۰۷ء)

[الحدیث:۴٦]

حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں

سوال ''کچھ حدیثیں ارسال کر رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر اسماء رجال کی نظر میں (تحقیق کریں کہ) یہ روایات کیسی ہیں؟

نمبر ۱: حضرت اُم فضل فرماتی ہیں ایک روز میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: میرے ماں باپ قربان آپ کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے اور مجھے بتایا کہ میری اُمت میرے اس بیٹے کو قتل کرے گی۔ جبرائیل اس جگہ کی سُرخ مٹی بھی میرے پاس لائے جہاں انھیں قتل کیا جائے گا۔ مشکوٰۃ، بیہقی فی دلائل النبوۃ۔

نمبر ۲: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جو حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے۔ حسین میری نسلوں میں سے ایک نسل ہے۔ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۵۹''

(فضل حسین۔ قلعہ دیدار سنگھ)

الجواب ① ام الفضل بن الحارث رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب روایت دلائل النبوۃ

للبیہقی (۶/ ۴۶۹) میں بحوالہ محمد بن مصعب: حدثنا الاوزاعی عن شداد بن عبداللہ کی سند سے مذکور ہے۔اس کی سند محمد بن مصعب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(اضواء المصابیح فی تحقیق مشکوٰۃ المصابیح: ۶۱۷۱)

محمد بن مصعب بن صدقہ القرقسائی پر جمہور محدثین نے جرح کر رکھی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: محمد بن مصعب القرقسانی کی اوزاعی سے حدیث مقارب (یعنی صحت وتحسین کے قریب) ہوتی ہے۔

(مسائل ابی داود: ۳۲۸ بحوالہ موسوعۃ اقوال الامام احمد ۳/ ۳۱۷، ۳۱۸، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۷۷ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں ابوزرعہ الرازی نے کہا: ''محمد بن مصعب یخطئ کثیراً عن الأوزاعي وغیرہ'' محمد بن مصعب اوزاعی وغیرہ سے بہت غلطیاں کرتا ہے۔

(کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ج ۲ ص ۴۰۰)

حافظ ابن حبان نے محمد بن مصعب کی اوزاعی سے ایک روایت کو''باطل'' کہا۔

(کتاب المجروحین ۲/ ۲۹۴)

ابواحمد الحاکم نے کہا: ''روی عن الأوزاعي أحادیث منکرۃ'' اس نے اوزاعی سے منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۶۱، ولعلہ فی کتاب الکنیٰ لأبی احمد الحاکم)

معلوم ہوا کہ قولِ راجح میں محمد بن مصعب کی اوزاعی سے بھی روایت ضعیف ہی ہوتی ہے، اُسے ''مقارب'' کہنا صحیح نہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

④ یہ روایت ''حسین مني وأنا من حسین ، أحب اللّٰہ من أحب حسیناً ، حسین سِبط من الأسباط'' کے متن کے ساتھ عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن ابی راشد عن یعلی العامری کی سند سے درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

مسند الامام احمد (۴/ ۱۷۲) وفضائل الصحابۃ للامام احمد (ح ۱۳۶۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۲/ ۱۰۲، ۱۰۳ ح ۳۲۱۸۶) المستدرک للحاکم (۳/ ۱۷۷ ح ۴۸۲۰ وقال: ھذا حدیث صحیح الاسناد ووافقہ الذھبی: صحیح)

صحیح ابن حبان (الاحسان: ۶۹۳۲، دوسرا نسخہ: ۶۹۷۱) المعجم الکبیر للطبرانی (۴/ ۳۳ ح ۲۵۸۹ و ۲۲/ ۲۷۴ ح ۷۰۲) سنن ابن ماجہ (۱۴۴) سنن الترمذی (۳۷۷۵ وقال: "هذا حديث حسن")

اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح اور ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔ بوصیری نے کہا: "هذا إسناد حسن، رجاله ثقات"

اس کے راوی سعید بن ابی راشد: صدوق ہیں۔ حافظ ذہبی نے کہا: صدوق

(الکاشف ۱/ ۲۸۵ ت ۱۹۰۰)

انھیں ابن حبان، ترمذی اور حاکم نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔ بعض الناس کا یہ کہنا کہ "اس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے" باطل ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے غلط فہمی کی بنیاد پر سعید بن ابی راشد پر جرح کرنے کے باوجود اس حدیث کو شواہد کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے اور اسے اپنی مشہور کتاب السلسلۃ الصحیحہ میں نقل کیا ہے۔ دیکھئے (ج ۳ ص ۲۲۹ ح ۱۲۲۷)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہے۔ والحمد للہ (۲۰/ صفر ۱۴۲۷ھ)

[الحدیث: ۲۴]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور پہلا سمندری جہاد

سوال اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا))

میری اُمت کا پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے گا، اُن کے لئے (جنت) واجب ہو چکی ہے۔ (صحیح بخاری ح ۲۹۲۴)

کیا سب سے پہلے سمندر پر جہاد کرنے والے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں؟

(عبداللہ طاہر، اسلام آباد)

الجواب اس پہلے سمندری جہاد میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما شامل تھے۔

دیکھئے صحیح البخاری کتاب الجہاد (باب ۸ ح ۲۷۹۹، ۲۸۰۰)

یہ جہاد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ (کی خلافت) کے زمانے میں ہوا تھا۔

(دیکھئے صحیح البخاری، کتاب الاستئذان باب من زار قوماً فقال عندھم ح ۶۲۸۲، ۶۲۸۳) والحمدللہ

(۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۷]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب الوحی صحابی ہیں

سوال کیا سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا کاتب الوحی ہونا ثابت ہے؟ صحیح حدیث سے جواب دیں۔ (فضل اکبر کاشمیری)

الجواب امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أخبرناه أبو عبدالله الحافظ: حدثنا علي بن حمشاد: حدثنا هشام بن علي: حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا أبو عوانة عن أبي حمزة قال: سمعت ابن عباس قال: كنت ألعب مع الغلمان فإذا رسول الله ﷺ قد جاء فقلت: ماجاء إلا إلي فاختبات على باب فجاء فحطأني حطأة فقال: اذهب فادع لي معاوية، وكان يكتب الوحي" إلخ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۲۴۳)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ ابوحمزہ القصاب عمران بن ابی عطاء الاسدی صحیح مسلم کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں۔ (دیکھئے میری کتاب نور العینین طبع جدید ص ۱۴۸)

اس روایت "وكان يكتب الوحي" اور آپ (سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ) وحی لکھتے تھے، سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتبِ وحی ہونا ثابت ہے۔ والحمدللہ

تنبیہ: ابوحمزہ عن ابن عباس والی یہ روایت مختصراً صحیح مسلم (۲۶۰۴ وترقیم دارالسلام: ۶۶۲۸) میں بھی موجود ہے۔ (۵/ شعبان ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۸]

عظمتِ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور منکرینِ حدیث

سوال ایک صاحب کی زبانی واقعہ سننے کا اتفاق ہوا: ''ایک دن مسجد نبوی کے صحن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اور کچھ حاضرین کو کوئی حدیث بیان کر رہے تھے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو کہنے لگے: ابو ہریرہ! جو بات آپ بیان کر رہے ہیں، جب یہ واقع رونما ہوا اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور یہ بات ہرگز ایسے نہ تھی، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط بات منسوب کرتے ہوئے خدا کا خوف محسوس نہ ہوا اور اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں (عمر) اس کی گردن مار دیتا'' **العیاذ باللّٰہ**

کیا یہ واقعہ صحیح ثابت ہے؟

ساتھ ہی گفتگو کے دوران اُن صاحب نے اس بات کا بھی اضافہ کیا کہ

''ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے دریافت کیا: اب آپ بہت سی احادیث روایت کرتے ہیں جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایسا نہیں تھا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس وقت مجھے اپنی گردن ماری جانے کا خوف تھا۔''

کیا یہ واقعات صحیح ہیں؟ (فخر الحسن گیلانی، راولپنڈی)

الجواب

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على رسوله الأمين ، أما بعد:

یہ (پہلا) واقعہ بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع اور باطل ہے۔ مجھے کسی کتاب میں یہ واقعہ باسند صحیح نہیں ملا۔ اس بے اصل قصے کے سراسر برعکس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ اس کی دلیل کے طور پر صحیح احادیث سے تین حوالے پیشِ خدمت ہیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

① سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جو کھال پر سوئی سے گود کر لکھتی تھی تو

عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور (صحابۂ کرام سے) فرمایا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوئی سے گودنے کے بارے میں کچھ سنا ہے؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا: اے امیر المومنین! میں نے سنا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا سنا ہے؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

((لَا تَشِمْنَ وَلَا تَسْتَوْ شِمْنَ .)) گودنے کا کام نہ کرو اور نہ کسی سے گدواؤ۔ (صحیح بخاری: ۵۹۴۶)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کے بارے میں پوچھنا اور اس پر اعتراض نہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سچا اور قابلِ اعتماد سمجھتے تھے۔

② ایک دفعہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے کہ وہاں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گزرے تو انھوں نے سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو گوشۂ چشم سے (غصے کے ساتھ) دیکھا۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تو اس وقت بھی مسجد میں اشعار پڑھتا تھا جب اس میں آپ سے بہتر شخص سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تھے پھر انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ((أَجِبْ عَنِّيْ، اَللّٰهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ .))

میری طرف سے جواب دو، اے اللہ! اس (حسان) کی روح القدس کے ذریعے سے مدد فرما؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں۔ (صحیح مسلم: ۲۴۸۵/۱۵۱ [۶۳۸۴])

③ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''يا أبا هريرة! أنت كنت ألزمنا لرسول الله ﷺ وأحفظنا لحديثه''

اے ابو ہریرہ! آپ ہم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سب سے زیادہ رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے تھے۔

(سنن الترمذی: ۳۸۳۶ وسندہ صحیح، وقال الترمذی: ''ھذا حدیث حسن'' وصححہ الحاکم ۳/۵۱۰، ۵۱۱ ح ۶۱۶۷ ووافقہ الذہبی)

اِن صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر بھرپور اعتماد تھا اور وہ اس کا اعتراف بھی کرتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہ صرف عمر رضی اللہ عنہ بلکہ رسول اللہ

ﷺ اور خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے بھی محبوب تھے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (حجۃ الوداع میں) منادی کرنے والا بنا کر بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۶۹)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا مقام تھا۔ یاد رہے کہ اس حج میں سیدنا رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منادی کرنے والا بنا کر بھیجا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بارے میں پوچھا گیا پس انھوں نے فرمایا:

"صدق أبو هريرة" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔ (طبقات ابن سعد ۴/۳۳۲ وسندہ صحیح)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔

(التاریخ الصغیر للبخاری ص ۵۵ دوسرا نسخہ ۱/۱۲۸، ۱۲۹ وسندہ صحیح، ابن وہب رواہ عن ابن جریج والراوی عنہ ابن صالح أو ابن عیسیٰ المصری وکلاہما ثقتان)

سیدنا رسول اللہ ﷺ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے میرے اللہ! ابو ہریرہ اور اس کی ماں کو اپنے مومن بندوں کا محبوب بنا دے۔ (صحیح مسلم: ۲۴۹۱/۱۵۸ [۶۳۹۶])

یہ دعا قبول ہوئی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہر مومن جو میرے بارے میں سن لیتا

ہے تو بغیر دیکھے ہی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۴۹۱ نحو المعنیٰ)

خلاصۃ التحقیق: ان تمام روایات اور دیگر احادیثِ صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسئولہ بالا قصہ بے اصل اور موضوع ہے۔

دوسرا قصہ: گردن ماری جانے کا خوف!

یہ قصہ بھی بے اصل اور موضوع ہے۔اس سلسلے میں چند دیگر روایات کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱۔ محمد بن عجلان سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے: میں ایسی حدیثیں بیان کرتا ہوں، اگر میں عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں یہ حدیثیں بیان کرتا تو آپ میرا سر (مار مار کر) زخمی کر دیتے۔ (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۱۰۷/۸، وسیر اعلام النبلاء للذہبی ۶۰۱/۲)

عبداللہ بن وہب المصری رحمہ اللہ سے نیچے سند غائب ہونے کے ساتھ ساتھ یہ روایت سخت منقطع ہے۔ دیکھئے الانوار الکاشفہ (ص ۱۵۵) ابن عجلان مدلس بھی تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین لابن حجر (۳/۹۸، المرتبۃ الثالثۃ) ومشکل الآثار للطحاوی (۱۰۰/۱، ۱۰۱)

۲۔ صالح بن ابی الاخضر عن الزہری عن ابی سلمۃ کی سند سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہم عمر (رضی اللہ عنہ) کی وفات سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان نہیں کر سکتے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۰۷/۸)

یہ سند ضعیف ومردود ہے۔صالح بن ابی الاخضر: ''ضعیف یعتبر به'' ہے۔ (التقریب:۲۸۴۴)

امام زہری مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۳/۱۰۲، المرتبۃ الثالثۃ) اور شرح معانی الآثار للطحاوی (۵۵/۱ باب مس الفرج)

صالح بن ابی الاخضر سے نیچے والی سند یہاں غائب ہے اور سیر اعلام النبلاء (۶۰۲/۲) میں اس کا صالح سے راوی یزید بن یوسف الرجبی ضعیف ہے لہٰذا یہ سند صالح سے بھی ثابت نہیں ہے۔

۳۔ بغیر سند کے ''محمد بن یحیی الذهلي: ثنا عبدالرزاق عن معمر عن الزهري'' کی سند سے مروی ہے کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی زندگی

میں یہ حدیثیں بیان نہیں کر سکتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میری پیٹھ پر کوڑا برسے گا۔

(البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

یہ روایت کئی وجہ سے مردود ہے: ① امام زہری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ ان کی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت منقطع ہوتی ہے۔ دیکھئے الاتحاف المہرۃ لابن حجر (۵۹۰/۱۵) وتحفۃ التحصیل فی ذکر رواۃ المراسیل للعراقی (ص ۲۸۹) وجامع التحصیل (ص ۲۶۹)

② امام زہری کی تدلیس کے علاوہ امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمہ اللہ بھی مدلس تھے۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۲/۵۸، المرتبۃ الثانیۃ، صحیح یہ ہے کہ وہ مرتبۂ ثالثہ سے ہیں) وکتاب الضعفاء للعقیلی (۱۱۰/۳، ۱۱۱ وسندہ صحیح)

صرف یہ روایت ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (کثرت سے) حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمھیں (تمھارے قبیلے) دوس میں بھیج دوں گا۔ (تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۱۴۷۵، وسندہ صحیح)

یہ روایت اس پر محمول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کثرت سے احادیث بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تاکہ لوگ فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ (دیکھئے البدایۃ والنہایۃ ۱۱۰/۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح دوسرے صحابہ کو بھی منع کیا تھا کہ کثرت سے حدیثیں بیان نہ کریں۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء للذہبی (۶۰۱/۲)

اس فاروقی اجتہاد کے مقابلے میں دیگر صحابہ مثلاً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ وغیرہم کثرت سے صحیح احادیث بیان کرتے تھے اور جمہور صحابہ کا یہی طرزِ عمل راجح ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے عظیم حافظے کا ایک صحیح واقعہ

ابو زعیزعہ کاتب مروان سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور (حدیثیں) پوچھنے لگا۔ مروان نے مجھے پردے کے پیچھے بٹھا رکھا

تھا تا کہ میں (یہ حدیثیں) لکھوں ۔ اگلے سال مروان نے (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو دوبارہ بلایا اوران احادیث کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں لکھی ہوئی کتاب کو دیکھتا رہوں ۔ میں نے دیکھا کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے ایک حرف کا بھی فرق نہیں کیا۔ (الاشراف علیٰ مناقب الاشراف لابن ابی الدنیا ص ۱۵۷، ۱۵۸ ح ۳۱۱ وسندہ حسن، المستدرک للحاکم ۵۱۰/۳ ح ۶۱۶۴ وقال: ''ھٰذا حدیث صحیح الاسناد'' وقال الذہبی: ''صحیح'')

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے کیسا عظیم الشان حافظہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔!

تنبیہ: حاکم اور ذہبی کی توثیق بذریعۂ تصحیح حدیث کے بعد ابوزعیزعہ کو مجہول کہنا غلط ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم الشان کرامت

قاضی ابو الطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم جامع منصور میں ایک حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک خراسانی نوجوان آیا تو اس نے جانور کے تھنوں میں دودھ روکنے کے مسئلے کے بارے میں پوچھا اور دلیل کا مطالبہ کیا تو ایک استدلال کرنے والے (محدث) نے اس مسئلے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث پیش کی تو وہ خبیث نوجوان بولا: ''أبو هريرة غير مقبول الحديث'' ابو ہریرہ کی حدیث مقبول نہیں ہے۔ قاضی ابو الطیب نے فرمایا: اس نوجوان نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ اتنے میں جامع مسجد کی چھت سے ایک بہت بڑا سانپ گر پڑا تو لوگ بھاگنے لگے اور وہ نوجوان بھی اس سانپ کے آگے بھاگنے لگا۔ بعد میں یہ سانپ غائب ہو گیا۔ (المنتظم لابن الجوزی ۱۰۶/۱۷ وسندہ صحیح)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی محبت سے بھر دے۔ آمین

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لئے علمائے حق نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے درج ذیل دو کتابیں انتہائی اہم ہیں:

① دفاع عن ابی ہریرۃ (تصنیف عبدالمنعم صالح العلی العزی)

② الانوار الکاشفۃ (ص ۱۴۰ تا ۲۲۸ تصنیف الشیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ)

فائدہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سات سو سے زیادہ راویوں نے حدیث بیان کی ہے۔ دیکھئے دفاع عن ابی ہریرۃ (ص ۲۷۳ تا ۳۱۴) اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ سو سے زیادہ راویوں نے ان سے روایت بیان کی ہے۔ (۲۴/ نومبر ۲۰۰۶ء) [الحدیث:۳۲]

مَن کُنتُ مولاہ فعلي مولاہ

سوال دو حدیثوں کی تحقیق مطلوب ہے:

① من كنت مولاه فعلي مولاه .

② أنا مدينة علم وعلي بابها. (کلیم حسین شاہ، راولپنڈی)

الجواب آپ کے سوالات کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ من كنت مولاه فعلي مولاه

یہ حدیث بالکل صحیح اور متواتر ہے۔ دیکھئے ماہنامہ "الحدیث" حضرو، ج ۲ شمارہ: ۱۱ عدد مسلسل: ۱۸ ص ۴۶

ونظم المتناثر من الحديث المتواتر ص ۲۰۶ حدیث: ۲۳۲، وقطف الأزهار المتناثرة في الأخبار المتواترة ص ۲۷۷ ح: ۱۰۲، ولقط اللآلي المتناثرة في الاحاديث المتواترة ص ۲۰۵ ح: ۶۱

۲۔ أنا مدينة العلم وعلي بابها

یہ روایت سخت ضعیف و مردود ہے۔ دیکھئے المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۲۷ ح ۴۶۳۷

تنبیہ بلیغ: حافظ حاکم نے کہا:

"هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه وأبو الصلت ثقة مأمون..."

حافظ ذہبی نے حاکم کا رد کرتے ہوئے کہا: " بل موضوع... (وأبو الصلت)... لا والله لا ثقة ولا مأمون" (تلخیص المستدرک ۱۲۷/۳)

اس روایت کی سند میں اعمش راوی مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔ دوسرے راوی ابو معاویہ (محمد بن خازم الضریر) مدلس ہیں اور یہ روایت عن سے ہے۔ تیسرا راوی

عبدالسلام بن صالح ابوالصلت : جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح ہے۔ چوتھے راوی محمد بن عبدالرحیم الہروی کے حالات مطلوب ہیں۔

سنن الترمذی (۳۷۲۳) میں ایک روایت ہے کہ" أنا دار الحكمة وعلي بابها"

اس روایت کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں:" هذا حديث غريب منكر"

اس روایت کے ایک راوی شریک بن عبداللہ القاضی مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔

دوسرا راوی محمد بن عمر بن عبداللہ بن فیروز، ابن الرومی: لین الحدیث (ضعیف) ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب: ۶۱۶۹

اس روایت کی دوسری سندیں بھی سخت ضعیف و مردود ہیں۔ (۲۸/ رمضان ۱۴۲۶ھ)

[الحدیث: ۲۰]

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

سوال حضورؐ سے منقول ہے کہ ابن عباسؓ نے خواب میں آپ کو دیکھا چہرہ گرد آلود ہے بال بکھرے ہوئے ہیں ہاتھ میں خون کی بوتل تھی حضرت عباسؓ نے پوچھا یارسول اللہ یہ خون کی بوتل کیسی ہے۔ حضور ﷺ نے کہا کہ میں مقتل حسین گاہ سے آرہا ہوں اور تمام دن حضرت حسینؓ اور ان کے خاندان کا خون اکٹھا کرتا رہا۔

(مظاہر حق جدید، صفحہ نمبر ۷۹۳ امام بیہقی اور مسند احمد)

مولانا صاحب کچھ شیعہ حضرات نے ان احادیث پر اعتراض کیا ہے اور ان کی اسناد کے صحیح ہونے پر شک کیا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر ہمیں قرآن و حدیث اور اسماء الرجال سے مطالعہ فرما کر ان کے راویوں کے بارے میں تحقیق و وضاحت تحریر فرمائیں۔

اگر یہ روایات صحیح ہیں تو بھی ان کے بارے میں مدلل تحریر کریں اور اگر ضعیف اور غریب ہیں تو ان کے ضعیف اور کمزور سند ہونے کی وجہ تحریر کریں۔ (عابد حسین شاہ ولد ظہور شاہ)

الجواب یہ روایت مظاہر حق قدیم (ج ۵ ص ۳۸۷) و مشکوۃ المصابیح (ح ۶۱۸۱)

میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی (۴۷۱/۶) و مسند احمد (۲۴۲/۱ ح ۲۱۶۵) مذکور ہے۔

وعن ابن عباس أنه قال: رأيت النبي ﷺ فيما يرى النائم ذات يوم بنصف النهار أشعث أغبر، بيده قارورة فيها دم، فقلت: بأبي أنت وأمي ماهذا؟ قال: ((هذا دم الحسين وأصحابه، لم أزل ألتقطه منذ اليوم، فأحصي ذلك الوقت فأجد قتل ذلك الوقت))

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: میں نے ایک دن دوپہر میں نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں خون کی ایک بوتل ہے۔ میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟ (یعنی آپ کی یہ حالت اور خون کی بوتل یا پیالہ کیوں ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حسین (رضی اللہ عنہ) اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے، اسے میں (قتل گاہ حسین میں) صبح سے اکٹھا کر رہا ہوں۔

(ابن عباس نے) فرمایا: پھر میں نے اس (خواب کے) وقت کو یاد رکھا تو معلوم ہوا کہ اسی وقت (اور دن) وہ (حسین رضی اللہ عنہ) شہید ہوئے تھے۔

اسے احمد (المسند ۲۴۲/۱ ح ۲۱۶۵، ۲۸۳/۱ ح ۲۵۵۳ کتاب فضائل الصحابۃ ۷۷۹/۲ ح ۱۳۸۱) طبرانی (الکبیر ۱۱۰/۳ ح ۲۸۲۲، ۱۸۵/۱۲ ح ۱۲۸۳۷) حاکم (۳۹۷/۴، ۳۹۸ ح ۸۲۰۱) بیہقی (دلائل النبوۃ ۴۷۱/۶) اور ابن عساکر (تاریخ دمشق ۲۲۸/۱۴) نے حماد بن سلمہ عن عمار بن ابی عمار عن ابن عباس کی سند سے روایت کیا ہے۔ اسے امام حاکم و ذہبی دونوں نے صحیح مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر الدمشقی نے کہا: '' **تفرد به أحمد وإسناده قوي** '' اسے (کتب سبعہ میں سے) صرف احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۲۰۲/۸)

شیخ وصی اللہ بن محمد عباس المدنی المکی فرماتے ہیں:

'' **إسناده صحيح** '' اس کی سند صحیح ہے۔ (تحقیق فضائل الصحابۃ ۷۷۹/۲)

حماد بن سلمہ: آپ صحیح مسلم و سنن اربعہ کے مرکزی راوی ہیں: مثلاً دیکھئے صحیح مسلم (ج ا

ص ۵٦ ح ۱۱۰/۵۹) وترقیم دارالسلام (۲۱۴، ج ۱ ص ۵۷ ح ۱۸۷/۱۱۹، ج ۱ ص ۹۱ ح ۲۵۹/۱٦۲)

حماد بن سلمہ پر جرح مردود ہے۔

امام یحییٰ بن معین نے کہا: "حماد بن سلمة ثقة" حماد بن سلمہ قابل اعتماد راوی ہیں۔

(الجرح والتعدیل ۱۴۲/۳ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے تاریخ الدارمی: ۳۷ وسوالات ابن الجنید: ۱۷۲، وقال: ثقة ثبت

العجلی المعتدل نے کہا: "بصری ثقة، رجل صالح، حسن الحديث"

(التاریخ بترتیب الہیثمی والسبکی: ۳۵۴)

یعقوب بن سفیان الفارسی یا حجاج (بن منہال) نے کہا: "وهو ثقة"

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲٦۱/۲)

اسے درج ذیل محدثین نے بھی ثقہ وصحیح کہا ہے:

۱: احمد بن حنبل (سوالات ابن ہانی: ۲۱۳۰، ۲۱۳۱، ۳ وموسوعۃ اقوال الامام احمد بن حنبل ۲۹۹/۱)

۲: ابن حبان (کتاب الثقات ۲۱٦/٦ وصحیح ابن حبان الاحسان: ۱۴، ۲۲، ۵۰....)

۳: ابن شاہین (ذکر من اختلف العلماء ونقاد الحدیث فیہ ص ۴۱)

۴: الترمذی (۷۲، ۳۰۷، ۱۲۳۸....)

۵: ابن الجارود (۴٦، ۱۰۷، ۱۲۴....)

٦: الحاکم (۲/ ٦۰۸ ح ۴۲۰۵ وغیرہ)

۷: ابن خزیمہ (۲۰۸/۱ ح ۴۰۰ و ح ۳٦۰، ۱۴۱۲)

۸: الساجی: "كان حافظًا ثقة مامونًا" (تہذیب التہذیب ۱۵/۳) وغیرہم

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ "الإمام الحافظ شيخ الاسلام" (تذکرۃ الحفاظ ۲۰۲/۱ ت ۱۹۷)

"ولم ينحط حديثه عن رتبة الحسن" اور اس کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۴٦/۷)

حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: "ثقة عابد أثبت الناس في ثابت، وتغير حفظه

بأخرة " ثقہ عابد تھے، ثابت (البنانی) سے روایت کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ ثقہ ہیں، آپ کا حافظہ آخری عمر میں متغیر ہو گیا تھا۔ (تقریب التہذیب:۱۴۹۹)

حماد بن سلمہ سے روایت مذکورہ درج ذیل محدثین نے بیان کی ہے۔

۱: عبدالرحمٰن بن مہدی (احمد ۲۴۲/۱)

۲: عفان (احمد ۲۸۳/۱)

۳: الحسن بن موسی الاشیب (الحاکم فی المستدرک ۳۹۷/۲) وغیرہم

حماد بن سلمہ سے عبدالرحمٰن بن مہدی، عفان اور حسن بن موسیٰ کی روایات صحیح مسلم میں بطورِ حجت موجود ہیں۔ (تہذیب الکمال/موسسۃ الرسالۃ ۲۷۸/۲ وصحیح مسلم ۲۹۷/۷، ۱۸۱ دارالسلام: ۴۴۹، ۲۰۳/۳۴۷، سلام: ۵۰۰، ۱۸۷/۱۱۹ اسلام: ۳۱۴)

صحیحین میں جس مختلط و متغیر الحفظ راوی سے استدلال کیا گیا ہے اس کی دلیل ہے کہ مذکورہ روایات قبل از اختلاط کی ہیں۔ دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح (ص ۴۶۶ دوسرا نسخہ ۴۹۹)

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ پر اختلاط کی جرح مردود ہے کیونکہ یہ اختلاط وتغیر سے پہلے کی ہے۔ والحمدللہ

نتیجہ: یہ روایت صحیح (یا حسن لذاتہ) ہے۔ (۲/فروری ۲۰۰۵ء) [الحدیث:۱۰]

صحابی ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ پر ایک بہتان اور اس کا رد

سوال قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴾

ان میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ اپنے فضل سے، ہمیں (مال) دے گا تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے اور ضرور ہم صالحین میں سے ہوں گے۔ پس

جب اللہ نے انھیں اپنے فضل سے (مال) عطا کیا تو انھوں نے بخل کیا اور منہ پھیر کر اعراض کرتے ہوئے چلے گئے۔ پس اللہ کے ساتھ اس وعدہ خلافی اور ان لوگوں کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے اللہ نے قیامت تک ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ (سورۃ التوبۃ: ۷۵۔۷۷)

اس آیت کی تشریح میں تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہوا ہے کہ "یہ آیت ثعلبہ بن حاطب انصاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لیے مالداری کی دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: تھوڑا مال جس کا شکر ادا ہو اس بہت سے مال سے اچھا ہے جو اپنی طاقت سے باہر ہو۔ اس نے دوبارہ درخواست کی تو آپ نے سمجھایا: کیا تو اپنا حال اللہ کے نبی جیسا رکھنا پسند نہیں کرتا؟ واللہ میں اگر چاہتا تو پہاڑ سونے چاندی کے بن کر میرے ساتھ چلتے۔ اس نے کہا: واللہ میرا ارادہ ہے کہ اللہ مجھے مالدار کر دے تو میں خوب سخاوت کروں، ہر ایک کو اس کا حق ادا کر دوں۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے مال میں برکت کی دعا فرمائی تو اس کی بکریوں میں اتنا اضافہ ہوا کہ مدینہ شریف اس کے جانوروں کے لیے تنگ ہو گیا۔

یہ (ثعلبہ بن حاطب) ایک میدان میں نکل گیا۔ ظہر و عصر تو جماعت کے ساتھ ادا کرتا، باقی نمازیں اسے جماعت سے نہیں ملتی تھیں۔ جانوروں میں اور برکت ہوئی تو اسے اور دور جانا پڑا۔ اب سوائے جمعہ کے سب جماعتیں اس سے چھوٹ گئیں۔ مال بڑھتا گیا۔ ہفتے بعد جمعہ کے لیے آنا بھی اس نے چھوڑ دیا۔ آنے جانے والے قافلوں سے پوچھ لیا کرتا تھا کہ جمعہ کے دن کیا بیان ہوا؟

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اس کا حال دریافت کیا تو لوگوں نے سب کچھ بیان کر دیا۔ آپ نے اظہار افسوس فرمایا۔

ادھر یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کے مال سے صدقہ (زکوۃ) لے لو۔ (سورہ توبہ: ۱۰۳)

اور صدقات کے احکام بھی بیان ہوئے۔

آپ ﷺ نے دو آدمیوں کو زکوۃ اکٹھا کرنے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ ثعلبہ سے اور

بنی سلیم کے فلاں آدمی سے صدقہ (زکوۃ) لے آؤ۔

یہ دونوں جب ثعلبہ کے پاس پہنچے اور فرمانِ رسول دکھایا تو یہ کہنے لگا: واہ واہ یہ تو جزیئے کی بہن ہے، یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے کافروں سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ بنو سلیم والے آدمی نے تو اپنے بہترین جانور زکوۃ میں نکال کر ان دونوں آدمیوں کے حوالے کئے۔ مگر ثعلبہ نے زکوۃ ادا نہ کی۔

آپ ﷺ نے ثعلبہ پر اظہار افسوس کیا اور بنو سلیم والے شخص کے لئے برکت کی دعا کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیات (التوبہ: ۷۵۔۷۷) نازل فرمائیں۔ ثعلبہ کے ایک قریبی رشتہ دار نے جب یہ سب کچھ سنا تو ثعلبہ سے جا کر واقعہ بیان کیا اور آیت بھی سنائی۔ وہ آپ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے تو آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ (ثعلبہ) اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ آپ ﷺ نے وفات تک اس کی کوئی چیز قبول نہ فرمائی۔ پھر بعد میں صدیق اکبر، عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی اس کی زکوۃ قبول نہ فرمائی۔

"پھر خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی تو یہ ازلی منافق پھر آیا اور لگا منت سماجت کرنے لیکن آپ نے بھی یہی جواب دیا کہ خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں خلیفوں نے تیرا صدقہ قبول نہیں کیا تو میں کیسے قبول کروں؟ چنانچہ قبول نہیں کیا۔ اسی اثناء میں یہ شخص ہلاک ہو گیا" (تفسیر ابن کثیر مترجم ج ۲ ص ۵۸۸، ۵۸۹، طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۳ء بتصرف یسیر)

کیا یہ واقعہ صحیح سند سے ثابت ہے؟
تحقیق کر کے تفصیل سے جواب دیں، جزاکم اللہ خیراً (ایک سائل)

الجواب تفسیر ابن کثیر میں یہ واقعہ بحوالہ تفسیر ابن جریر طبری (۱۰/۱۳۰، ۱۳۱) وتفسیر ابن ابی حاتم الرازی (۶/۱۸۴۷۔۱۸۴۹)

"معان بن رفاعة عن علي بن يزيد عن أبي عبد الرحمٰن القاسم بن عبدالرحمٰن عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه" مذکور ہے۔ (ج ۳ ص ۴۱۶، ۴۱۷)

تفسیر ابن کثیر کے محقق جناب عبدالرزاق المهدی لکھتے ہیں:

"إسناده واه بمرة والمتن باطل .... وإسناده ضعيف جدًا" یہ انتہائی کمزور سند ہے اور یہ متن باطل ہے۔ اور اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ (حاشیہ تفسیر ابن کثیر ۳/۴۱۷)

اس کا راوی علی بن یزید الالھانی سخت ضعیف راوی ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں: "منكر الحديث" (کتاب الضعفاء بتحقیقی تحفۃ الاقویاء ص ۷۹ ت ۲۶۲)

امام بخاری کے نزدیک اس شخص سے روایت حلال نہیں ہے جسے وہ "منكر الحديث" کہہ دیں۔ (دیکھئے لسان المیزان ج ۱ ص ۲۰)

امام نسائی نے فرمایا: "متروك الحديث" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۴۳۲)

متروک راوی کی روایت، بغیر تنبیہ کے بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (ص ۳۸)

اس سند کا دوسرا راوی معان بن رفاعہ: لین الحدیث (یعنی ضعیف) ہے۔ (التقریب: ۶۷۴۷)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت باطل اور مردود ہے۔

اس روایت پر تفصیلی جرح کے لئے عداب محمود الحمش کی کتاب "ثعلبة بن حاطب، الصحابي المفترى عليه" دیکھیں (ص ۶۷ تا ۷۳)

تنبیہ: تفسیر ابن کثیر عربی میں "ازلی منافق" کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ اب اس روایت کے شواہد (تائید والی روایتوں) کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

۱: "محمد بن سعد العوفي عن أبيه عن عمه عن أبيه عن أبيه عن ابن عباس" کی سند سے ایک مختصر روایت اس کی مؤید ہے۔

(دیکھئے تفسیر طبری ۱۰/۱۳۰ و تفسیر ابن ابی حاتم ۶/۱۸۴۹ ح ۱۰۵۰۰)

اس روایت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نیچے سارے راوی ضعیف ہیں۔

(۱) محمد بن سعد العوفی ضعیف عندالجمہور ہے۔ (۲) سعد بن محمد بن الحسن العوفی جہمی (سخت گمراہ) ہے [دیکھئے لسان المیزان ۳/۱۹] کسی نے بھی اس کی توثیق نہیں کی (۳) سعد

العوفی کا چچا الحسین بن الحسن بن عطیۃ العوفی ضعیف و مجروح ہے۔[دیکھئے لسان المیزان ۲/۲۷۸](۴) الحسن بن عطیۃ العوفی ضعیف ہے۔[تقریب: ۱۲۵۶](۵) عطیۃ العوفی ضعیف الحفظ و مدلس ہے۔[دیکھئے طبقات المدلسین بتحقیقی: ۱۲۲/۴ ضعفہ الجمہور]

خلاصۃ التحقیق: یہ سند باطل و مردود ہے۔

۲: " ابن جریر الطبري قال: حدثنا ابن حمید قال: ثنا سلمة عن ابن إسحاق عن عمرو بن عبید عن الحسن " إلخ (تفسیر طبری ۱۰/ ۱۳۳)

اس میں محمد بن حمید الرازی: " حافظ ضعیف ، و کان ابن معین حسن الرأی فیه " ہے(تقریب: ۵۸۳۴) ابن معین کی حسن رائے جمہور کی جرح کے مقابلے میں مردود ہے۔

محمد بن اسحاق بن یسار صدوق مدلس ہے اور روایت معنعن (عن سے) ہے۔عمرو بن عبید المعتزلی : کذاب ہے۔ دیکھئے میری کتاب تحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء للبخاری (ص ۸۱ ت ۲۶۹) و تہذیب التہذیب (۸/ ۷۰) و میزان الاعتدال (۳/ ۲۷۳)

خلاصۃ التحقیق: یہ سند عمرو بن عبید کی وجہ سے موضوع ہے۔

۳: قتادہ تابعی سے روایت ہے:

"ذکر لنا أن رجلاً من الانصار أتی مجلس من الأنصار فقال: لئن آتاه الله مالاً لیؤدین إلی کل ذي حق حقه فآتاه الله مالاً فصنع فیه ماتسمعون "

ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایک انصاری آدمی انصاریوں کی مجلس میں آیا اور کہا: اگر اللہ مجھے مال دے تو میں ہر حق دار تک اس کا حق پہنچا دوں گا۔پس اللہ نے اسے مال دیا تو اس نے وہ کام کیا جو آپ سن رہے ہیں۔ (تفسیر طبری ۱۰/ ۱۳۱ من طریق سعید عن قتادہ بہ)

اس میں سعید بن ابی عروبہ ثقہ مدلس ہیں۔ دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (۲/ ۵۰) و تقریب التہذیب (۲۳۶۵)

لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔قتادہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

تنبیہ: اس ضعیف روایت میں ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کا نام مذکور نہیں ہے۔

۲: مجاہد تابعی سے روایت ہے: " رجلان خرجا على ملا قعود فقالا :والله لئن رزقنا الله لنصدقن ، فلما رزقهم بخلوا به "

دو آدمی ایک گروہ کے پاس سے گزرے جو بیٹھے ہوئے تھے تو ان دونوں نے کہا: واللہ اگر ہمیں اللہ رزق دے تو ہم ضرور صدقہ کریں گے۔ پس جب اللہ نے انھیں رزق دیا تو انھوں نے بخل کیا۔ (تفسیر طبری ۱۰/۱۳۲ وتفسیر ابن ابی حاتم ۶/۱۸۴۹ ح ۱۰۵۰۱ من حدیث ابن ابی نجیح عن مجاہد بہ)

اس روایت کے راوی عبداللہ بن ابی نجیح ثقہ مدلس ہیں۔ دیکھئے طبقات المدلسین بتحقیقی (۳/۷۷) وتقریب التہذیب (۳۶۶۲) لہٰذا یہ روایت ابن ابی نجیح کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تنبیہ: اس ضعیف روایت میں بھی ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا نام موجود نہیں ہے۔

تحقیق کا خلاصہ: ان تمام روایات کی تحقیق کا نتیجہ اور خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ثعلبہ بن حاطب الانصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ قصہ بے بنیاد و باطل ہے جسے بعض قصہ گو حضرات مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ اس مردود قصے سے سیدنا ثعلبہ رضی اللہ عنہ بری ہیں۔

تنبیہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق میں ثعلبہ بن حاطب الانصاری البدری رضی اللہ عنہ دوسرے صحابی ہیں اور ثعلبہ بن حاطب اور ابن ابی حاطب الانصاری، غیر البدری، رضی اللہ عنہ دوسرے صحابی ہیں۔

دیکھئے الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (طبع بیت الافکار ص ۱۵۶ ت ۹۷۰) [الحدیث:۱۳]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا حرام ہے

سوال بعض واعظین حضرات سے یہ واقعہ سنا ہے کہ "ایک دفعہ نبی ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ پوچھا گیا کیوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص (سیدنا) عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔ اور محمد ﷺ اس کا جنازہ نہیں پڑھتا جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہو۔" غالباً یہ ترمذی کی روایت

ہے۔ براہِ مہربانی اس واقعہ کی تحقیق وتخریج سے آگاہ فرمادیں۔

(عبداللہ طاہر، اسلام آباد)

الجواب یہ بالکل صحیح ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا جزوِ ایمان ہے۔ اور آپ سے بغض رکھنا حرام ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ١٦ ص ٤٦ تا ٤٨)

آپ نے جس روایت کے بارے میں پوچھا ہے اسے ترمذی (٣٧٠٩) ابن عدی (الکامل ٦/ ٢١٤٣) اور حمزہ بن یوسف السہمی (تاریخ جرجان ص ١٠٠ رقم: ٧٧) نے ''عثمان ابن زفر: حدثنا محمد بن زياد عن محمد بن عجلان عن أبي الزبير عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه'' کی سند سے بیان کیا ہے۔

ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث غریب ہے۔ اسے ہم اسی سند سے جانتے ہیں اور یہ محمد بن زیاد، میمون بن مہران کا شاگرد حدیث میں سخت ضعیف ہے۔''

ابوحاتم رازی نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ (علل الحدیث: ١٠٨٧)

محمد بن زیاد الطحان کے بارے میں امام احمد نے فرمایا:

''كان أعور كذاباً خبيثاً يضع الأحاديث''

یہ کانا کذاب (اور) خبیث تھا، حدیثیں گھڑتا تھا۔ (الجرح والتعدیل ٧/ ٢٥٨ وسندہ صحیح)

عمرو بن علی الفلاس نے کہا: یہ کذاب متروک الحدیث تھا۔ (ایضاً ص ٢٥٨ وسندہ صحیح)

ابوزرعہ الرازی نے کہا: ''كان يكذب'' وہ جھوٹ بولتا تھا۔

(کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ج ٢ ص ٤٤٧)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے لہٰذا اسے بغیر جرح کے بیان کرنا حلال نہیں ہے۔

(٢٣/ ربیع الثانی ١٤٢٧ھ) [الحدیث: ٢٧]

سیدنا اویس القرنی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ

سوال مجھے کافی عرصہ سے حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ سے متعلق کچھ سوالات کے جواب معلوم کرنا تھے مہربانی فرما کر رہنمائی فرمائیں۔

① جنگ اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہونے پر آپ یعنی اویس قرنی نے اپنے تمام دانت توڑ لیے کیا یہ درست ہے۔ کیا ایسا کرنا اور خود کو نقصان پہنچانا جائز ہے؟

② نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم خاص طور سے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ آپ ان سے دعا کروایا کریں؟ کیا یہ درست ہے؟ جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما کا رتبہ ان سے بلند ہے اور ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے.....

③ آپ رحمہ اللہ اپنے والدین کی خدمت میں مشغولیت کے باعث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ والدین کی خدمت اپنی جگہ درست۔ میں نے کہیں پڑھا تھا غالباً یوں کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کی اولاد اس کے ماں باپ سے زیادہ اس کو عزیز نہ ہو جاؤں۔ مہربانی فرما کر اس کی بھی تصحیح فرما دیجئے اور جواب بھی تحریر فرمائیے۔ (لیاقت علی، لاہور پلاسٹک موچی بازار راولپنڈی)

الجواب ① یہ روایت کہ سیدنا اویس بن عامر القرنی رحمہ اللہ نے اپنے تمام دانت توڑ دیئے تھے، بے اصل اور من گھڑت روایت ہے جو کہ جاہل عوام میں مشہور ہو گئی ہے۔ محدثین کی کتابوں میں اس روایت کا کوئی وجود نہیں ہے۔

اپنے آپ کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے۔

② سیدنا اویس القرنی رحمہ اللہ کے بارے میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف تھا لیکن صحیح و محقق بات یہی ہے کہ ان کا وجود ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**إن خير التابعين رجل يقال له أويس، وله والدة، وكان به بياض، فمروه فليستغفر لكم**)) تابعین میں سے بہترین انسان وہ شخص ہے جسے اویس کہتے ہیں، اس

کی والدہ (زندہ) ہے اور اس (کے جسم) میں سفیدی ہے۔ اس سے کہو کہ تمہارے لئے دعا کرے۔ (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل اویس القرنی ح ۲۵۴۲ و ترقیم دار السلام: ۶۴۹۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اویس رحمہ اللہ مستجاب الدعوات تھے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی دعا خاص طور پر قبول فرماتا تھا۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر نہ ہو سکے جس میں آپ ﷺ کی رضامندی شامل تھی۔

روایات اویس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی ذکر نہیں تاہم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ان سے استغفار (دعا کی درخواست) کرانا مذکور ہے۔ (صحیح مسلم، ترقیم دار السلام: ۶۴۹۲)

کسی افضل شخص کا مفضول شخص سے دعا کروانا توہین کی بات نہیں ہوتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے افضل تھے مگر ان سے آپ کا (استسقاء کی) دعا کروانا ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۰۱۰، ۳۷۱۰)

تنبیہ بلیغ: سیدنا اویس رحمہ اللہ بذاتِ خود دوسرے مفضول اور غیر افضل افراد سے دعا کرواتے تھے۔ دیکھئے صحیح مسلم (ح ۶۴۹۲ ترقیم دار السلام)

لہٰذا اس قسم کی باتوں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

③ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ نبی کریم ﷺ سے اپنے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہ کرے۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۱۵ و صحیح مسلم: ۴۴)

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں اسلام لانے والے تمام تابعین پر یہ فرض و واجب تھا کہ وہ ضرور آپ ﷺ کی ملاقات کرتے اگرچہ ان کے پاس حاضر نہ ہو سکنے کا شرعی عذر بھی تھا۔ دوسرے یہ کہ راقم الحروف نے حدیث کی روشنی میں عرض کر دیا ہے کہ اویس رحمہ اللہ کا مدینہ منورہ تشریف نہ لانا آپ ﷺ کی اجازت سے تھا ورنہ آپ ﷺ انہیں حکم دیتے کہ مدینہ حاضر ہو جاؤ۔ واللہ اعلم

تنبیہ: اویس قرنی والی روایت امام مسلم اور جمہور محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔ امام بخاری کا اس پر جرح کرنا صحیح نہیں ہے۔ (۱۱/ ذوالقعدہ ۱۴۲۷ھ) [الحدیث:۲۲]



قرآن سے متعلق مسائل

کیا آیت الکرسی قرآن کا چوتھائی ہے؟

سوال جلال الدین السیوطی کی کتاب: ''الاتقان فی علوم القرآن جلد دوم اردو ایڈیشن'' شائع کردہ میر محمد کراچی صفحہ نمبر ۴۸۱ میں حدیث ہے کہ مسند احمد میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آیت الکرسی قرآن کا ایک چوتھائی ہے۔ (یعنی ثواب میں ربع قرآن کے برابر ہے)

آپ براہ کرم مسند احمد میں سیدنا انس کی روایات میں حدیث بالا تلاش کر کے حدیث کی اسنادی تحقیق منظر عام پر لا کر آگاہ فرمائیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیۃ الکرسی کی مندرجہ بالا فضیلت ثابت ہے یا نہیں؟ (محمد صدیق تلیاں، ایبٹ آباد)

الجواب الاتقان للسیوطی، نسخہ عربیہ (ج ۲ ص ۱۹۵) کی محولہ بالا روایت مسند احمد (ج ۳ ص ۲۲۱) الثواب لابی الشیخ الاصبہانی (الجامع الصغیر للسیوطی حدیث ۲۱ کنز العمال حدیث ۲۵۳۶) اور الفردوس للدیلمی (فیض القدیر للمنذری ج ا ص ۸۰، ۸۱) میں سلمہ بن وردان عن انس رضی اللہ عنہ کی سند کے ساتھ موجود ہے۔ یہی روایت سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن باب ماجاء فی اذا زلزلت حدیث: ۲۸۹۵ میں سلمہ بن وردان عن انس کی سند کے ساتھ مطولاً موجود ہے لیکن اس میں آیت الکرسی کا ذکر سہواً یا روایتاً حذف ہے۔ واللہ اعلم

اگرچہ امام ترمذی نے اس سند کو ''حسن'' قرار دیا ہے لیکن اصول حدیث کی رو سے یہ سند ضعیف ہے۔ سلمہ بن وردان کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ راقم الحروف نے تقریب التہذیب کے حاشیہ پر ثابت کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے اسے ''لین الحدیث'' (المغنی فی الضعفاء ج ا ص ۴۳۴) یعنی ضعیف اور حافظ ابن حجر نے ''ضعیف'' کہا ہے۔

(تقریب التہذیب مع تحقیق الاثری ص ۱۳۱)

حافظ نورالدین الہیثمی یہ روایت نقل کر کے لکھتے ہیں: ''رواہ احمد و سلمۃ ضعیف'' اسے احمد نے روایت کیا ہے اور (اس کا راوی) سلمہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۴۷)

سلمہ بن وردان کے بارے میں ابو حاتم رازی اور الحاکم النیسابوری نے یہ جرح مفسر کی ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سلمہ مذکور کی عام روایتیں منکر ہیں۔امام ابن عدی الکامل میں اور حافظ الذہبی میزان الاعتدال (ج ۲ ص ۱۹۳) میں سلمہ کی درج بالا روایت بطور منکر روایت لائے ہیں۔علامہ سیوطی جیسے متساہل محدث نے بھی اس روایت کو ''ضعیف'' ہی قرار دیا ہے۔ [شہادت، اکتوبر ۱۹۹۹ء]

حافظِ قرآن اور رشتہ داروں کی شفاعت

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ حافظ قرآن قیامت کے دن رشتہ داروں کی شفاعت کرے گا؟ (حاجی منظور، حضرو)

الجواب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۱/ ۱۴۸ ح ۱۲۶۸، ۱۴۹ ح ۱۲۷۸) ترمذی (۲۹۰۵) ابن ماجہ (۲۱۶) نے حفص بن سلیمان ابو عمر البزاز عن کثیر بن زاذان عن عاصم بن ضمرہ عن علی (بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) کی سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**من قرأ القرآن و حفظه أدخله الله الجنة و شفعه في عشرة من أهل بيته ، كلهم قد استوجب النار**'' ''جس نے قرآن پڑھا اور اسے یاد کرلیا (پھر اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا) اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔اور اس کے دس گھر والوں میں، جن پر جہنم واجب ہوگئی اس کی شفاعت قبول کرے گا۔

(نیز دیکھئے مشکوۃ المصابیح: ۲۱۴۱ وما بین القوسین منہ)

اس روایت کے بعد امام ترمذی نے لکھا ہے کہ ''**هذا حديث غريب .... وليس له إسناد صحيح و حفص بن سليمان أبو عمر بزاز كوفي يضعف في الحديث.**'' یہ حدیث غریب ہے....اور اس کی کوئی صحیح سند نہیں ہے اور حفص بن سلیمان ابو عمر البزاز الکوفی کو حدیث میں ضعیف سمجھا جاتا ہے۔

حفص بن سلیمان مذکور کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا: ''**تركوه**''

محدثین نے اسے ترک کردیا ہے۔ (کتاب الضعفاء للبخاری: ۳۰۷ بتحقیقی)

امام نسائی نے فرمایا: ''متروك الحديث'' متروک الحدیث ہے۔

(کتاب الضعفاء للنسائی: ۱۳۴)

اس راوی پر مزید جروح کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال للمزی (۳۶/۵، ۳۷)

تنبیہ: باسند صحیح یہ ثابت نہیں ہے کہ امام وکیع نے اسے ثقہ کہا ہے، اور اگر یہ ثابت ہو تو اس کا تعلق قراءت سے ہے، یعنی وہ قراءت میں ثقہ ہے اور حدیث میں متروک ہے۔ اس کے دوسرے راوی کثیر بن زاذان کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی اور ابو زرعہ الرازی نے کہا: ''شيخ مجهول'' شیخ مجہول ہے۔ (الجرح والتعدیل ۱۵۱/۷)

لہٰذا ثابت ہوا کہ روایت مذکورہ سخت ضعیف ہے، الشیخ الالبانی نے بھی اسے ''ضعيف جدًا'' (سخت ضعیف) قرار دیا ہے۔ دیکھئے ضعیف الترغیب والترہیب (۴۳۲/۱) وضعیف الجامع (۵۷۶۱)

جرح کے بغیر سخت ضعیف روایت کا بیان کرنا حلال نہیں ہے اور تعجب ہے ان واعظین پر جو تکمیل حفظ قرآن کی مجالس میں یہ روایت مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔

ضعیف روایت کے بارے میں علماء کے دو موقف ہیں:

① یہ فضائل ومناقب میں بھی حجت نہیں ہے۔ یہ موقف ابن العربی وغیرہ کا ہے اور یہی راجح ہے۔

② یہ فضائل ومناقب میں حجت، مستحب یا جائز ہے۔ یہ موقف نووی وغیرہ کا ہے اور مرجوح ہے۔

ثانی الذکر کے موقف کی تشریح میں حافظ ابن حجر العسقلانی یہ شرط لگاتے ہیں:

''الأول متفق عليه أن يكون الضعف غير شديد'' پہلی شرط پر سب کا اتفاق ہے کہ اس روایت کا ضعف شدید نہ ہو۔ (القول البدیع للسخاوی ص ۲۵۸)

[شہادت، نومبر ۲۰۰۴ء]

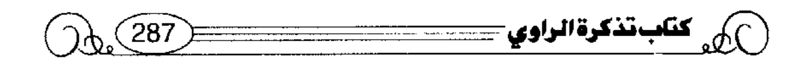
قرآن یاد کرنے کا طریقہ

سوال قرآن پاک کو حفظ کرنے کا طریقہ تحریر فرمائیں۔ (ظفر اقبال)

الجواب روزانہ صبح سے پہلے اور بعد سبق یاد کریں۔ اور روزانہ سبقی (وہ پارہ جسے آپ حفظ کررہے ہیں) اور منزل (سابقہ پاروں کا ایک مقرر حصہ) سنائیں۔

جمعہ کے دن پورے ہفتے کی ساری منزل زبانی سنادیں۔ ان شاءاللہ یہ نسخہ بہت کارگر ہے۔ بشرطیکہ محنت شاقہ اور کمال استقامت سے کام لیں۔ [شہادت، جولائی ۲۰۰۳ء]





اصول، ضوابط وتذکرۃ الراوی

خبر واحد کے ساتھ قرآنِ مجید کی تخصیص

سوال کیا خبر واحد کے ساتھ قرآنِ مجید کے عام حکم کی تخصیص جائز ہے؟

(ایک سائل)

الجواب خبر واحد، صحیح کے ساتھ قرآنِ مجید کے عام حکم کی تخصیص کرنا، جائز بلکہ ضروری ہے۔

مثلاً عام حکم ہے: ﴿حرمت علیکم المیتة﴾ تم پر، مردار حرام کیا گیا ہے۔ (المآئدة:۳)

جبکہ خاص حکم ہے:

((میتة البحر حلال)) سمندر کا مردار (مچھلی وغیرہ) حلال ہے۔

(المستدرک ۱/۱۴۳ح ۵۰۱ وسندہ حسن)

اس خاص حکم نے عام حکم کی تخصیص کر دی لہٰذا مردار حرام ہے سوائے مچھلی (وغیرہ) کے۔

قرآن کی تخصیص، خبر واحد کے ساتھ کرنا صحابۂ کرام، تابعین عظام اور جمہور اُمت کا مسلک ہے (اور روایت ہے کہ) ائمۂ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) بھی اس کے قائل ہیں۔

"وأما بالخبر الواحد فقال بجوازہ الأئمة الأربعة" اور (رہی بات) خبر واحد کے ساتھ (قرآن کی تخصیص) تو ائمۂ اربعہ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

(منتہی الوصول لابن الحاجب ص ۱۳۰ غیث الغمام لعبد الحی اللکنوی ص ۲۷۷، الاحکام للآمدی ج ۲ ص ۳۴۷، اجابۃ السائل شرح بغیۃ الآمل للصنعانی ص ۳۲۹)

شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس القرافی (متوفی ۶۸۴ھ) نے بھی اسے امام ابوحنیفہ، امام شافعی وغیرہما کا مسلک قرار دیا ہے۔

(شرح تنقیح الفصول فی اختصار المحصول فی الاصول ص ۲۰۸)

عیسیٰ بن ابان یا بعض متاخرین حنفیہ واہلِ کلام کا خبر واحد کو ظنی کہہ کر تخصیصِ عموم

القرآن نہ کرنا ائمۂ اربعہ کے بھی خلاف ہے اور اَدلۂ صحیحہ کے بھی الٹ ہے۔ یہ مردود ہے۔

[الحدیث:۲۸]

مرسل روایت کا حکم

سوال جمہور ائمہ محدثین، مرسل روایت کو احکام و مسائل میں معتبر گردانتے ہیں یا ضعیف سمجھتے ہیں۔ نیز کیا جمہور محدثین میں، محدثین احناف بھی شامل ہیں؟

(حافظ عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑہ)

الجواب جمہور محدثین کے نزدیک تابعی کی مرسل روایت ہر لحاظ سے مردود ہے۔

امام مسلم بن الحجاج النیسابوری (متوفی ۲۶۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**والمرسل من الروايات في أصل قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة**"

ہمارے (محدثین) کے اصل قول اور (دوسرے) علماء کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ہے۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲ بعد ح ۹۲ و فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۰)

حافظ ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی (متوفی ۸۰۶ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"**ورده جماهير النقاد للجهل بالساقط في الإسناد**"

اور مرسل کو جمہور ناقدین (محدثین) نے رد کر دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سند میں سے ساقط شدہ واسطہ مجہول ہوتا ہے۔ (الفیۃ العراقی مع فتح المغیث ج ۱ ص ۱۳۴)

علامہ ابن الصلاح الشہرزوری (متوفی ۶۴۳ھ) لکھتے ہیں:

"**وما ذكرناه من سقوط الاحتجاج بالمرسل والحكم بضعفه هو المذهب الذي استقر عليه آراء جماهير حفاظ الحديث ونقاد الأثر**"

اور ہم نے جو ذکر کیا ہے کہ مرسل ضعیف ہوتی ہے اور اس سے حجت پکڑنا ساقط ہے، یہی وہ مذہب (یعنی مسلک) ہے جس پر جمہور حفاظ حدیث اور ناقدین حدیث کا اتفاق ہوا ہے۔

(علوم الحدیث مع التقیید والایضاح ص ۷۴ و نسخہ محققہ ص ۱۳۰)

امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

" والحديث اذا كان مرسلاً فإنه لا يصح عند أكثر أهل الحديث "

اور حدیث اگر مرسل ہو تو اکثر اہل حدیث (یعنی جمہور محدثین) کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

(کتاب العلل ط دار السلام ص ۸۹۶، ۸۹۷ وشرح علل الترمذی لابن رجب ۱/۲۷۳)

حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" وعلى ذلك أكثر الأئمة من حفاظ الحديث ونقاد الأثر "

اور اس پر (یہ کہ مرسل حجت نہیں ہے) اکثر ائمہ حفاظ حدیث اور ناقدین حدیث ہیں۔

(الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۳۸۴)

حافظ متقن علامہ ابن خلفون الاندلسی (متوفی ۶۳۶ھ) اپنی کتاب "المنتقی فی الرجال" میں لکھتے ہیں: " ولا اختلاف أعلمه بينهم أنه لا يجوز العمل بالمرسل إذا كان مرسله غير متحرز يرسل عن غير الثقات " اس بات میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے کہ اگر ارسال کرنے والا محتاط نہ ہو اور غیر ثقہ راویوں سے روایت کرے تو مرسل پر عمل جائز نہیں ہے۔ (النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح للزرکشی ص ۱۵۸)

حافظ یحییٰ بن شرف النووی (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

"ثم المرسل حديث ضعيف عند جماهير المحدثين وكثير من الفقهاء وأصحاب الأصول " پھر یہ کہ مرسل حدیث جمہور محدثین، بہت سے فقہاء اور علمائے اصول کے نزدیک ضعیف حدیث ہے۔ (تقریب النووی مع تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۹۸)

ان نقولِ علماء کے مقابلے میں "رسالہ ابی داود الی اھل مکہ فی وصف سننہ" میں لکھا ہوا ہے:

" وأما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى مثل سفيان الثورى"

اور مراسیل سے اگلے علماء حجت پکڑتے تھے جیسے سفیان ثوری۔ (رسالہ ابی داود ص ۲۵)

اسے عبدالحیٔ لکھنوی حنفی (متوفی ۱۳۰۴ھ) نے " وأما المراسيل فقد كان أكثر العلماء يحتجون بها فيما مضى مثل سفيان الثورى " (ظفر الامانی فی مختصر

الجرجانی ص ۳۸۴، ۳۸۵) کے الفاظ میں نقل کیا ہے۔

تنبیہ: اکثر العلماء کا لفظ رسالہ ابوداود میں موجود نہیں ہے۔

نیز دیکھئے النکت لابن حجر (۵۶۸/۱)

ایسی نقول پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) لکھتے ہیں:

"وينبغي أن يكون مرادهم أكثر أهل الأصول"

اور اس سے مراد یہ لینی چاہیے کہ اکثر اہلِ اصول (و اہلِ فقہ) ہیں۔ (النکت للزرکشی ص ۱۵۶)

اس سلسلے میں ابن جریر طبری کی طرف منسوب ایک مردود و باطل قول بھی ہے، اس کی تردید کے لیے النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح للحافظ ابن حجر (۵۶۸/۱) وغیرہ دیکھیں۔

حافظ العلائی (متوفی ۷۶۱ھ) اس پر (یعنی ابن جریر کی طرف منسوب قول پر) تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ان دعوی الاجماع فی ذلک باطل قطعًا"

اس (مرسل کی حجیت) کے بارے میں دعوی اجماع یقیناً باطل ہے۔

(جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۶۸)

خلاصہ یہ کہ صحابہ کی مراسیل روایات تو قطعاً مقبول ہیں لیکن تابعین کی مرسل روایات جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و غیر مقبول ہیں۔

محدثین احناف میں سے امام ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ہے۔ حافظ طحاوی حنفی (متوفی: ۳۲۱ھ) کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ منقطع (یعنی) مرسل روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے شرح معانی الآثار (ج ۲ ص ۱۶۴ کتاب السیر باب الرجل یسلم فی دار الحرب وعندہ اکثر من اربع نسوۃ)

حافظ طحاوی حنفی (جمہور) محدثین کے بارے میں لکھتے ہیں:

" وهم لا يحتجون بالمرسل " اور وہ مرسل کو حجت نہیں مانتے۔

(معانی الآثار ۶/۲ کتاب النکاح، باب النکاح بغیر ولی عصبۃ)

حافظ ابن عبدالبر الاندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ (مرسل کو حجت سمجھنے

والے) حنفی و مالکی حضرات مناظروں میں مرسل کو حجت نہیں سمجھتے۔

دیکھئے التمہید (ج ۱ ص ۷)

ابن حزم الاندلسی (متوفی ۴۵۶ھ) نے ان لوگوں کا سختی سے رد کیا ہے جو مرسل کو حجت تسلیم کرنے کے بعد خواہشاتِ نفسانیہ کے لیے اسے رد کر دیتے ہیں۔

دیکھئے المحلی (ج ۲ ص ۱۲ مسئلہ ۱۷۸) [الحدیث:۱۰]

اجماع سے کیا مراد ہے؟

سوال آپ کا کسی مسئلہ پر اجماع کا حکم لگانا، پوری امت مسلمہ کا کلی اجماع ہے یا یہ چند محدثین کا اجماع ہے؟ (حافظ عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑہ)

الجواب اجماع سے مراد تمام اہلِ حق، اہلِ سنت مسلمانوں کا اجماع ہے، جس میں محدثین وفقہاء وغیرہم سب شامل ہیں۔ [الحدیث:۱۰]

حدیث کی صحت یا ضعف کا حکم کس بنیاد پر ہے؟

سوال کیا کسی روایت پر صحیح، حسن یا ضعیف کا حکم لگانا، مبنی بر اجتہاد ہے؟ جیسا کہ یوسف لدھیانوی صاحب نے ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے اس بات کی توثیق کی ہے اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ائمہ ومحدثین کے مابین اختلاف دراصل اسی اجتہاد کی وجہ سے ہے۔ یعنی کوئی امام یا محدث کسی روایت کو صحیح کہتا ہے تو دوسرا اس کو ضعیف کہتا ہے۔ ایک حسن کہتا ہے تو تیسرا صحیح وغیرھما.....

(حافظ عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑہ)

الجواب صحیح یا ضعیف روایات دو قسم کی ہیں:

اول: ان کے صحیح یا ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔

حافظ ابو حاتم الرازی (متوفی ۲۷۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" واتفاق أهل الحديث على شئ يكون حجة"

اور اہلِ حدیث (محدثین) کا کسی چیز پر اتفاق کرنا حجت ہوتا ہے۔

(کتاب المراسیل ص ۱۹۲ ت ۷۰۳ ترجمۃ محمد بن مسلم الزہری)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحرانی (متوفی ۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" فإذا اجتمع أهل الفقه على القول بحكم لم يكن إلا حقًا وإذا اجتمع أهل الحديث على تصحيح حديث لم يكن إلا صدقًا "

پس فقہاء کسی قول پر اجماع کرلیں تو یہ حق ہی ہوتا ہے اور اگر محدثین کسی حدیث کی تصحیح پر اجماع کرلیں تو یہ حدیث (یقیناً) سچی ہی ہوتی ہے۔ (مجموع فتاویٰ ج ۱ ص ۱۰،۹)

معلوم ہوا کہ اجماعی حدیث کو ماننا اجتہادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اجماع کی پیروی ہے۔

دوم: وہ حدیث جس کے صحیح یا ضعیف ہونے پر اختلاف ہے۔ اس میں جمہور کی تحقیق کو ترجیح دینا اجتہادی مسئلہ ہے۔

یاد رہے کہ جس اصول کو بھی اختیار کیا جائے پھر اس پر عمل ضروری ہے ورنہ قول و فعل میں تضاد کا دوسرا نام منافقت ہے۔

تنبیہ (۱): عبدالوھاب بن علی السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:

" أن عدد الجارح إذا كان أكثر قدم الجرح اجماعًا "

بے شک اگر جارحین کی تعداد زیادہ ہو تو بالا جماع جرح مقدم ہوتی ہے۔

(قاعدۃ فی الجرح والتعدیل ص ۵۰)

اس سے معلوم ہوا کہ جس راوی کو جمہور محدثین مجروح سمجھیں تو متاخرین کے نزدیک یہ راوی مجروح ہی ہوتا ہے۔

حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے پر اختلاف اجتہادی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حنفی حضرات اپنے مطلب کی حدیث کو صحیح اور دوسروں کی حدیث کو ضعیف کہہ کر کام چلا لیں۔ اس میں بھی راجح یہی ہے کہ ائمہ محدثین کی اکثریت جس طرف ہے اسے ہی ترجیح

دی جائے گی۔

تنبیہ (۲): صاحب "اختلاف امت اور صراط مستقیم" کی پارٹی والے لوگ صحیحین کی تلقی بالقبول والی اجماعی احادیث کو رد کر کے اپنے اکابر کے افعال و اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے ارشاد القاری ص۴۱۲ (تصنیف: رشید احمد لدھیانوی) [الحدیث:۱۰]

ثقہ کی زیادت مقبول ہے

سوال مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں: "لہٰذا جب سلیمانؒ کے برعکس شعبہؒ، ہشامؒ، معمرؒ وغیرہ جو اس سے زیادہ ثقہ اور ثبت ہیں۔ اس زیادت کو ذکر نہیں کرتے تو یہ روایت شاذ ہوئی جب کہ شاذ کی تعریف یہی ہے کہ جس میں ثقہ اوثق کی مخالفت کرے...."

(توضیح الکلام طبع جدید ص ۶۶۷)

پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایک راوی کا زیادت کا ذکر کرنا ذکر نہ کرنے والوں کی مخالفت ہے؟ جیسا کہ اس کلام سے بظاہر لگ رہا ہے۔

براہِ مہربانی شاذ کی تعریف میں، مخالفت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ وضاحت کریں۔ ثقہ کی زیادتی کب مقبول ہوتی ہے اور کب شاذ؟ (شعیب محمد، سیالکوٹ)

الجواب مولانا اثری صاحب کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کسی زیادت کو ذکر نہ کرنا مخالفت نہیں ہوتی اور نہ اسے شاذ کہنا صحیح ہے۔ اس میں راجح یہی ہے کہ اگر ایک ثقہ راوی کئی ثقہ راویوں (یا اوثق) کی مخالفت کرے تو وہ روایت شاذ ہوتی ہے۔

دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱۸۲/۱ بتعلیق الالبانی)

مثلاً ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ تشہد میں شہادت کی انگلی ہلاتے تھے اور دوسری میں ہے کہ نہیں ہلاتے تھے۔ دوسری روایت کی سند محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور پہلی صحیح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ یا منکر بھی ہے۔

اگر ثقہ کی سند اور متن میں زیادت کو شاذ قرار دیا جائے تو بہت سی صحیح احادیث کا انکار

لازم آتا ہے جو کہ غلط ہے۔

تنبیہ بلیغ: صحیح مسلم میں سلیمان التیمی رحمہ اللہ کی بیان کردہ حدیث: ((و إذا قرأ فانصتوا.)) اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ، صحیح محفوظ ہے، بعض ائمہ کا اسے ضعیف و معلول قرار دینا صحیح نہیں اور نہ صحیح مسلم کی احادیث کو ضعیف اور شاذ کہنا جائز ہے۔ یاد رہے کہ بعض الناس کا اس سے فاتحہ خلف الامام کے خلاف استدلال دو وجہ سے غلط ہے:

① یہ حدیث حنفی اصول کی رُو سے منسوخ ہے کیونکہ اس کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فاتحہ خلف الامام کا فتویٰ دیا ہے۔

② یہ حدیث ماعدا الفاتحہ (فاتحہ کے علاوہ مطلق قراءت) پر محمول ہے کیونکہ فاتحہ خلف الامام کی تخصیص دوسری صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اصول میں یہ مسئلہ مقرر ہے کہ خاص عام پر مقدم ہو کر اس کی تخصیص کر دیتا ہے۔ (۱۵/ اگست ۲۰۰۷ء) [الحدیث: ۴۷]

اسماء الرجال میں اختلافات کیوں؟

سوال مجھے ابھی تک اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ جب "علم الرجال" پوری طرح مرتب و مدون ہو چکا ہے اور اب اس میں نہ کوئی کمی اور نہ ہی بیشی ہو سکتی ہے تو پھر آج اتنا اختلاف کیوں ہے ہر مسلک کے علماء کا بلکہ ایک ہی مسلک کے علماء کا ایک ہی روایت پر حکم مختلف کیوں ہوتا ہے۔ اگر کوئی روایت حقیقتاً ضعیف ہے تو اس کا ضعف "علم الرجال" کی کتب میں مفصلاً موجود ہے اور اسی طرح صحیح اور حسن کا۔ اس کے باجود مختلف مسالک کے علماء میں جرح و تعدیل، ردوقدح اور ردوقبول میں اتنا ہیر پھیر کیوں ہے۔ بس ذرا اس کو واضح طور پر سمجھا دیں۔ (حافظ عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑہ)

الجواب اختلاف کی وجہ تقلید ہے۔

مثال اول: انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب ایک حدیث کو قوی تسلیم کر کے چودہ سال اس کا جواب سوچتے رہے۔ دیکھئے درس ترمذی (ج ۲ ص ۲۲۴) والعرف الشذی ومعارف

السنن وفیض الباری (ج ۲ ص ۳۷۵)

مثال دوم: رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے کہا:

''معہذا ہمارا فتوی اور عمل قول امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق ہی رہے گا اس لیے کہ ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لیے قول امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلہ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفۂ مجتہد ہے'' (ارشاد القاری الی صحیح البخاری ص ۴۱۲)

مثال سوم: محمود حسن دیوبندی نے کہا:

" الحق والإنصاف أن الترجيح للشافعي في هذه المسئلة ونحن مقلدون يجب علينا تقليد إمامنا أبي حنيفة "

حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلے میں شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور ہم مقلد ہیں، ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ (التقریر للترمذی ص ۳۶)

مثال چہارم: قاری رحمت دین دیوبندی نے حضرو میں میرے سامنے کہا تھا کہ

'' اگر تم دوسو حدیثیں رفع یدین کے بارے میں پیش کرو تو میں نہیں مانتا ''

یہ ہے اصل سبب جس کی وجہ سے مرضی کی حدیث کو صحیح اور مخالف کی حدیث کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔

مثال اول: علی محمد حقانی دیوبندی نے اپنی مرضی والی حدیث میں یزید بن ابی زیاد کو ثقہ اور مرضی کے خلاف والی حدیث میں یزید بن ابی زیاد کو ضعیف قرار دیا ہے۔

دیکھئے نبوی نماز (سندھی ج ۱ ص ۳۵۵ و ص ۱۶۹)

مثال دوم: امین اوکاڑوی دیوبندی نے مرضی والی حدیث میں ''عطاء بن ابی رباح کو دوسو صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے'' کا اعتراف کیا ہے اور مرضی کے خلاف حدیث میں عطاء بن ابی رباح کی دوسو صحابہ سے ملاقات انکار کر دیا ہے۔

دیکھئے مجموعہ رسائل طبع ۱۹۹۱ء ج ۱ ص ۲۶۵ (نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی شرعی حیثیت ص ۹) اور ج ۱ ص ۱۵۶ (تحقیق مسئلہ آمین ص ۴۴)

محدثین ضعیف روایات کیوں بیان کرتے تھے؟

سوال محدثینِ کرام نے کتبِ صحیحہ کے علاوہ دوسری کتابوں میں ضعیف اور مردود روایات کیوں لکھی ہیں؟ براہِ مہربانی اس کی وضاحت فرمائیں۔ (محمد قاسم بره زئی)

الجواب حافظ ابن حجر نے فرمایا: "بل أكثر المحدثين فى الأعصار الماضية من سنة مائتين و هلم جرًا إذا ساقوا الحديث بإسناده اعتقدوا أنهم برؤا من عهدته . والله أعلم "

بلکہ سن دوسو ہجری سے لے کر بعد کے گزشتہ زمانوں میں محدثین جب سند کے ساتھ حدیث بیان کر دیتے تو یہ سمجھتے تھے کہ وہ اس کی مسئولیت سے بری ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم

(لسان المیزان ج ۳ ص ۷۵ ترجمة سليمان بن احمد بن ايوب الطبرانی، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۳۵۳، اللآلی المصنوعہ للسیوطی ج ۱ ص ۱۹، دوسرا نسخہ ص ۲۵، تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۷)

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: لیکن (ابونعیم الاصبہانی نے) روایات بیان کیں جیسا کہ اُن جیسے محدثین کسی خاص موضوع کے بارے میں تمام روایتیں بیان کر دیتے تھے تاکہ (لوگوں کو) علم ہو جائے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی تھی۔ (منہاج السنہ ج ۴ ص ۱۵)

سخاوی نے کہا: اکثر محدثین خصوصاً طبرانی، ابونعیم اور ابن مندہ جب سند کے ساتھ حدیث بیان کرتے تو وہ یہ عقیدہ رکھتے یعنی سمجھتے تھے کہ وہ اس کی مسئولیت سے بری ہو چکے ہیں۔

(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ج ۱ ص ۲۵۴، الموضوع)

ان تحقیقات سے معلوم ہوا کہ صحیحین کے علاوہ کتبِ حدیث مثلاً الادب المفرد للبخاری اور مسند احمد وغیرہما میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں، جنھیں سند کے ساتھ روایت کر کے محدثین کرام بری الذمہ ہو چکے ہیں۔ یہ روایات انھوں نے بطورِ حجت و استدلال نہیں بلکہ بطورِ معرفت و روایت بیان کر دی تھیں لہٰذا اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدِنظر رکھنے کے بغیر صحیحین کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث کی روایات سے استدلال یا حجت پکڑنا اور انھیں بطورِ جزم بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۶/ دسمبر ۲۰۰۹ء)

صحیح حدیث اور درایت؟

سوال کیا یوں کہنا درست ہے کہ فلاں حدیث سنداً تو صحیح ہے مگر متناً ضعیف ہے یا روایتاً صحیح ہے درایتاً ضعیف ہے۔ علم حدیث کی دو (۲) اقسام بعض نصابی کتب، ایم اے اسلامیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، میں لکھی ہوئی ہیں:

۱۔ علم الروایۃ ۲۔ علم الدرایۃ

کیا یہ تقسیم محدثین کے ہاں معروف ہے یا موجودہ تجدد کی اُپج ہے۔ [عبدالقدوس السّلفی]

الجواب اگر کوئی حدیث معلول ہونے یا شذوذ کی وجہ سے ضعیف ہو تو یہ کہنا درست ہے کہ فلاں حدیث (بظاہر) سنداً تو صحیح ہے مگر متناً ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ روایت علتِ قادحہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

علتِ قادحہ اور معلول ہونے کا فیصلہ صرف محدثینِ کرام اور علمِ عللِ حدیث کے ماہرین ہی کر سکتے ہیں۔

''بظاہر'' کی قید ہٹا کر کہنا کہ ''فلاں حدیث سنداً صحیح ہے مگر متناً ضعیف ہے یا روایتاً صحیح ہے درایتاً ضعیف ہے۔'' غلط ہے۔ جو حدیث سنداً صحیح ہو، شاذ یا معلول نہ ہو اور محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہو تو وہ ہمیشہ صحیح ہی ہوتی ہے اور اس کا متن بھی ہمیشہ صحیح ہی ہوتا ہے۔ رہا بعض بظاہر صحیح نظر آنے والی سندوں کا معاملہ جن کا متن ضعیف یا وہم ہوتا ہے تو ان کے ضعیف یا وہم ہونے کا ثبوت بذریعہ محدثین اس روایت میں شذوذ اور علتِ قادحہ سے ملتا ہے۔

اہلِ حدیث (محدثین کرام اور ان کے عوام) کا اس پر اجماع ہے کہ صحیح حدیث کے لئے پانچ شرطیں ہیں:

(۱) ہر راوی عادل ہو (۲) ہر راوی ضابط ہو (۳) سند متصل ہو (۴) شاذ نہ ہو (۵) معلول نہ ہو۔

اس پر اہلِ حدیث کا اجماع ہے۔ دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح مع شرح العراقی (ص۲۰)

شاذ اور معلول کا تعلق درایت سے ہے۔

تنبیہ: جس راوی پر بعض محدثین کی جرح ہو اور جمہور محدثین نے اسے ثقہ وصدوق قرار دیا ہو ایسا راوی ضابط ہونے میں کمی کی وجہ سے حسن الحدیث ہوتا ہے اور اس کی حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ صحیح اور حسن لذاتہ دونوں حدیثیں حجت ہیں۔ والحمدللہ

علم الروایہ کی ایک شاخ علم الدرایہ (معلول اور شاذ ہونے کا علم) ہے۔

جدید دور میں بعض متجددین اور منکرینِ حدیث کا علم الروایہ کو علیحدہ اور علم الدرایہ کو علیحدہ قرار دے کر صحیح احادیث کو قرآن مجید یا بعض الناس کی عقل وغیرہ کے خلاف سمجھ کر رد کر دینا باطل ومردود ہے۔ [الحدیث:۳۷]

محدثین اور تقلیدی فقہاء کا اختلاف

سوال کیا فقہاء ومحدثین میں اصولِ حدیث یا قبولِ حدیث میں کوئی اختلاف ہے؟ سنا ہے تدریب الراوی کے اندر ایسی کوئی بحث موجود ہے کہ فقہاء کے ہاں جو معیار احادیث کے قبول کرنے کا ہے وہ محدثین سے مختلف ہے۔ اس لئے ائمۂ اربعہ کا خصوصاً امام ابوحنیفہ کا محدثین سے اختلاف رہا ہے۔ (عبدالقدوس السلفی)

الجواب صحیح حدیث کی پانچ شرائط: عدل، ضبط، اتصال، عدمِ شذوذ اور عدمِ علتِ قادحہ پر تو سب کا اتفاق ہے۔ بعض جزوی مسائل اور فروع میں محدثین کرام اور بعض اہلِ علم کا آپس میں اختلاف ہے مثلاً:

① ثقہ کی زیادت عدمِ شذوذ کی صورت میں مطلقاً مقبول ہوتی ہے یا اسے مخالفت قرار دیا جاتا ہے۔

② بعض راویوں کی جرح وتعدیل میں اختلاف ہے۔

اگر فقہاء سے تقلیدی اور فرقہ پرست فقہاء مراد نہ ہوں تو محدثین اور فقہاء ایک ہی گروہ کے مترادف صفاتی نام اور القاب ہیں، مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ حدیث کے امام اور امیر المومنین

فی الحدیث تھے، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"وإمام الدنيا في فقه الحديث" (تقریب التہذیب: ۵۷۲۷)

یعنی امام بخاری زبردست محدث وفقیہ ہونے کے ساتھ فقہاء کے سردار تھے۔

صحیح مسلم کے مصنف امام مسلم رحمہ اللہ مشہور محدث تھے، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "عالم بالفقه" فقہ کے عالم تھے۔ (تقریب التہذیب: ۶۶۲۳)

یہ کہنا کہ محدثین علیحدہ ہیں اور فقہاء علیحدہ ہیں، غلط ہے۔

یہ تسلیم ہے کہ تقلیدی اور فرقہ پرست فقہاء علیحدہ چیز ہیں جو اپنی مرضی والی مرسل روایات کو حجت سمجھتے ہیں اور جب مرضی کے خلاف مرسل روایت ہو تو فوراً اسے مرسل یا منقطع کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ زمانۂ تدوینِ حدیث گزرنے کے بعد راویوں پر جرح وتعدیل کا عمل بھی ان کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ مثلاً انور شاہ کشمیری دیوبندی فرماتے ہیں: "میں نے ان لوگوں کو آزمایا ہے، یہ متناقض اصول بناتے ہیں، پس اس کے بعد ان سے اور کیا امید کی جا سکتی ہے، ان میں سے کوئی شخص جب اپنے مذہب کے موافق ضعیف حدیث پاتا ہے تو یہ قانون بنا دیتا ہے کہ تعددِ طرق کی وجہ سے ضعف اٹھ جاتا ہے اور جب اپنے مذہب کے خلاف کوئی صحیح حدیث پاتا ہے تو (فوراً) قانون بنا دیتا ہے کہ یہ شاذ ہے۔" الخ

(فیض الباری ج ۲ ص ۴۲۸، راقم الحروف کی کتاب: تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۵۰)

تدریب الراوی وغیرہ کتابوں میں بہت سے صحیح وضعیف، ثابت وغیر ثابت اور موافق ومتعارض اقوال ملتے ہیں جن کا صرف ایک علاج ہے کہ ہر قول کی سند تلاش کر کے اس کی تحقیق کے بعد ہی اس سے استدلال کیا جائے اور غیر ثابت ہونے کی صورت میں اسے مردود اور ناقابلِ حجت قرار دے کر پھینک دیا جائے۔

تنبیہ: تقلیدی فقہاء کے نام نہاد اصول کا ثبوت باسند صحیح ائمہ اربعہ سے نہیں ملتا مثلاً بعض الناس کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ یا امام مالک کے نزدیک مرسل حجت ہے حالانکہ اس بات کا کوئی ثبوت باسند صحیح یا حسن موجود نہیں ہے۔ تقلیدی فقہاء کی خواہشاتِ نفسانیہ کو چھوڑ

کر اگر مسلّم عند الفریقین محدثین وفقہائے محدثین کی طرف رجوع کیا جائے تو حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا مسئلہ فوراً حل ہو جاتا ہے اور اسی میں نجات ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۴/فروری ۲۰۰۷ء) [الحدیث: ۳۷]

صحیح بخاری اور ضعیف احادیث

سوال کیا صحیح بخاری میں کوئی ضعیف حدیث موجود ہے؟ (ایک سائل)

الجواب صحیح بخاری میں سند متصل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی جتنی احادیث ہیں وہ ساری کی ساری یقیناً صحیح ہیں۔ اُن میں سے ایک بھی ضعیف نہیں۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے بلکہ بعض علماء سے یہ مروی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر صحیح بخاری میں کوئی ضعیف روایت ہو تو میری بیوی طلاق ہے۔ تو ایسے شخص کی بیوی پر طلاق نہیں پڑتی۔ دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح مع التقیید والإیضاح للعراقی (ص ۳۸، ۳۹)

شاہ ولی اللہ الدہلوی فرماتے ہیں:

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ، اردو ج ۱ ص ۲۴۲ مترجم عبدالحق حقانی، طبع محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

دیوبندیوں کی مستند کتاب ''عقائد الاسلام'' میں لکھا ہوا ہے کہ ''اسی لیے حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری سب سے قوی اور معتبر ہے اس کے بعد صحیح مسلم'' (ص ۱۰۰- از عبدالحق حقانی)

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ساری دنیا کے منکرین حدیث کو میرا یہ چیلنج ہے کہ صحیح بخاری کے اُصول میں سے صرف ایک ضعیف حدیث ثابت کرنے کی کوشش کرلیں، ان شاء اللہ اپنی کوشش میں منکرینِ حدیث کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیراً

[الحدیث: ۲۸]

صحیح ابن خزیمہ اور صحیح احادیث

سوال جب یہ کہا جائے کہ امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ اپنی کتاب صحیح ابن خزیمہ میں حدیث روایت کرنے کے بعد ''اس کی سند صحیح ہے'' بھی کہتے ہیں؟ (اعظم المبارکی)

الجواب امام ابن خزیمہ النیسابوری رحمہ اللہ نے صحیح ابن خزیمہ کے شروع میں فرمایا:

''**مختصر المختصر من المسند الصحیح عن النبي** ﷺ...'' (ج ۱ ص ۳)

ان کا اپنی اس کتاب کو المسند الصحیح کہنا، اس کی دلیل ہے کہ کتابِ مذکور میں ہر حدیث امام ابن خزیمہ کے نزدیک صحیح ہے، اِلا یہ کہ وہ کسی روایت کو خود ضعیف کہہ دیں یا کوئی کلام کر کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانی کے استاذ حافظ ابن الملقن نے صحیح ابن خزیمہ کی ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہے: ''**و صححه ابن خزیمة أیضًا لذکره إیاه في صحیحه**'' اور ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کرنے کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔

(البدر المنیر ج ۱ ص ۶۱۹)

علمائے کرام اور عام لوگوں کا یہ طریقۂ کار رہا ہے کہ جس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے بغیر کسی جرح کے اپنی کتاب: صحیح ابن خزیمہ میں روایت کیا تو وہ کہتے ہیں: اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے یا صحیح قرار دیا ہے۔

مثلاً حدیث: ((**هو الطهور ماؤه، الحلال میتته .**))

سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار (مچھلی) حلال ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۱، ۱۱۲)

کے بارے میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ''**و صححه ابن خزیمة**''

اور اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔ (بلوغ المرام: ۱)

چھوٹے بچے کے پیشاب کے بارے میں ایک حدیث سیدنا ابو السمح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،

جسے امام ابن خزیمہ (ج ۱ ص ۱۴۳ ح ۲۸۳) نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں محمد بن علی النیموی نے کہا: ''و صححه ابن خزيمة''
اور اسے ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔ (آثار السنن ص ۳۷ حدیث: ۴۸)

حالانکہ صحیح ابن خزیمہ میں امام ابن خزیمہ نے اس حدیث کے ساتھ ''سنده صحيح'' نہیں لکھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ امام ابن خزیمہ کا کسی حدیث کو اپنی کتاب: صحیح ابن خزیمہ میں بغیر جرح کے صرف نقل کر دینا ہی، اُن کی طرف سے اس حدیث کو صحیح قرار دینا ہے۔

یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ صحیح ابن خزیمہ کی ہر حدیث کے ساتھ اگر امام ابن خزیمہ نے ''سنده صحيح'' لکھا ہوگا تو وہ حدیث امام ابن خزیمہ کے نزدیک صحیح ہوگی، ورنہ نہیں۔!!

بلکہ صرف اُن کا بغیر جرح کے روایت کر دینا ہی تصحیحِ ابن خزیمہ ہے۔

سوال کیا صحیح ابن خزیمہ کی تمام روایات صحیح ہیں؟

(اعظم المبارکی)

الجواب صحیح ابن خزیمہ کی وہ تمام روایات، جنھیں امام ابن خزیمہ نے روایت کر کے کوئی جرح نہیں کی، امام ابن خزیمہ کے نزدیک صحیح ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس تصحیح کے ساتھ ہر عالم متفق ہو۔

صحیح ابن خزیمہ کی عام روایات صحیح و حسن ہیں لیکن بعض روایات ہماری تحقیق میں ضعیف ہیں اور اسی طرح دوسرے لوگوں نے بھی بعض روایات پر اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی روشنی میں جرح کی ہے۔ جس کی دلیل قوی ہوگی، اُسی کی بات راجح ہے۔

یاد رہے کہ صحت کے لحاظ سے صحیح ابن حبان اور المستدرک دونوں سے صحیح ابن خزیمہ بہتر ہے۔ کسی روایت پر صحیح کا حکم لگانے میں غلطی ہو جانا علیحدہ مسئلہ ہے لیکن امام ابن خزیمہ کا متساہل ہونا ثابت نہیں ہے۔ رحمہ اللہ

(۱۶/ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

کیا فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت حجت ہے؟

سوال کیا حافظ ابن حجر العسقلانی کا فتح الباری میں کسی حدیث یا روایت پر سکوت کرنا (جرح نہ کرنا) اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت صحیح یا حسن یعنی حجت ہے؟

(ایک سائل)

الجواب ظفر احمد تھانوی دیوبندی کے نزدیک حافظ ابن حجر کا فتح الباری میں کسی روایت پر سکوت اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت حافظ ابن حجر کے نزدیک صحیح یا حسن ہے۔ دیکھئے اعلاء السنن (ج ۱۹ص ۸۹)

ایک روایت کے بارے میں شوکانی یمنی نے کہا: اسے حافظ نے الفتح میں ذکر کیا اور اس پر کلام نہیں کیا۔

یہ قول ذکر کرنے کے بعد ظفر احمد نے کہا: ''**وفیه دلیل علٰی أن سکوت الحافظ فی الفتح عن حدیث حجة و دلیل علٰی صحته أو حسنه ، واللّٰه أعلم**''

اور اس میں دلیل ہے کہ حافظ کا الفتح (فتح الباری) میں کسی حدیث پر سکوت کرنا حجت ہے اور اس حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۹ص ۹۰، ترجمہ از ناقل)

آلِ دیوبند کا یہ اصول راقم الحروف نے اپنی کتاب ''تعدادِ رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ'' میں بطورِ الزام پیش کیا ہے۔ دیکھئے ص ۲۰

تحقیق یہ ہے کہ فتح الباری (اور التلخیص الحبیر) میں حافظ ابن حجر کا سکوت حدیث کے حسن یا صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے جن احادیث و روایات پر فتح الباری میں سکوت کیا ہے، اُن میں ضعیف اور ضعیف جداً بلکہ موضوع روایات بھی ہیں۔ تحقیق کے لئے دیکھئے انیس الساری فی تخریج وتحقیق الاحادیث التی ذکرھا الحافظ ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری.

فی الحال موضوع روایات کی چار مثالیں پیشِ خدمت ہیں، جن پر حافظ ابن حجر نے فتح

الباری میں سکوت کیا ہے۔

مثال اول: حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا:

"وفيه حديث عند الطبراني و أبي الشيخ عن أنس رفعه : يعق عنه من الإبل والبقر والغنم "اور اس (مسئلے یا باب) میں طبرانی اور ابوالشیخ کی (سیدنا) انس (رضی اللہ عنہ) سے مرفوع حدیث ہے کہ اُس (نومولود) کی طرف سے اونٹوں، گائیوں اور بکریوں میں سے عقیقہ کرنا چاہئے۔ (فتح الباری ۹/۵۹۳ تحت ح ۵۴۷۲)

یہ روایت المعجم الصغیر للطبرانی (ج ۱ ص ۸۴ ح ۲۱۷ بترقیمی) میں مسعدہ بن الیسع کی سند سے مذکور ہے۔ (انیس الساری ج ۹ ص ۶۷۳۱ ح ۴۷۴۰ وقال صاحب الکتاب: "موضوع" مجمع الزوائد ۵۸/۴ وقال الہیثمی: فيه مسعدة بن اليسع وهو كذاب)

اس کے راوی مسعدہ بن الیسع کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:

"هو ذاهب منكر الحديث لا يشتغل به ، يكذب على جعفر بن محمد عندي والله أعلم "وہ گیا گزرا ہے، منکر حدیثیں بیان کرنے والا، اس (کی روایتوں) کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہئے، وہ میرے نزدیک جعفر بن محمد (الصادق رحمہ اللہ) پر جھوٹ بولتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۸/۳۷۱)

نیز دیکھئے لسان المیزان (۲۳/۶)

مثال دوم: حافظ ابن حجر نے کہا:

"و قد أخرج أبو داود من حديث أبي العشراء عن أبيه أن النبي ﷺ سئل عن العتيرة فحسنها " اور ابوداود نے ابوالعشراء عن ابیہ کی حدیث سے روایت کیا کہ نبی ﷺ سے عتیرہ (زمانۂ جاہلیت میں معبودوں کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانور) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اسے اچھا قرار دیا یعنی پسند کیا۔!

(فتح الباری ۹/۵۹۸ تحت ح ۵۴۷۴)

یہ روایت امام ابوداود کی مشہور کتاب السنن میں نہیں، بلکہ کسی دوسری کتاب میں

عبدالرحمٰن بن قيس عن حماد بن سلمة عن أبى العشراء الدارمي عن أبيه کی سند سے مذکور ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (۱۲/ ۱۶۶۔ ۱۶۷، دوسرا نسخہ ۱۲/ ۱۸۶، ترجمۃ ابی العشراء) تہذیب الکمال للمزی (۸/ ۳۷۱) اور انیس الساری (۲/ ۱۱۸۴ ح ۸۴۳ وقال: موضوع)

اس کا راوی ابومعاویہ عبدالرحمٰن بن قیس الضبی البصری کذاب (جھوٹا راوی) تھا۔

اس کے بارے میں امام ابوزرعہ الرازی نے فرمایا: ''وکان کذاباً'' اور وہ جھوٹا تھا۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۵/ ۲۷۸)

خود حافظ ابن حجر نے کہا: '' متروك كذبه أبو زرعه وغيره ''وہ متروک ہے، اسے ابوزرعہ وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۳۹۸۹)

مثال سوم: حافظ ابن حجر نے کہا:

''وروى البيهقي أن يهوديًا سمع النبي ﷺ يقرأ سورة يوسف فجاء و معه نفر من اليهود فأسلموا كلهم ''اور بیہقی نے روایت کیا کہ ایک یہودی نے نبی ﷺ کو سورت یوسف پڑھتے ہوئے سنا، پھر وہ اپنے ساتھ دوسرے یہودیوں کو لے کر آیا تو وہ سارے کے سارے مسلمان ہو گئے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۲۷۶ تحت ح ۳۹۴۱، انیس الساری ۱۰/ ۹۸۴ وقال: موضوع)

یہ روایت دلائل النبوۃ للبیہقی (۶/ ۲۷۶) میں محمد بن مروان السدی الصغير عن الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس کی سند سے موجود ہے۔

محمد بن مروان السدی کذاب راوی ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (شمارہ ۲۴ ص ۵۰۔ ۵۲) ابن نمیر نے کہا: وہ (محمد بن مروان السدی) کذاب ہے۔

(الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/ ۱۳۶، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰)

خود حافظ ابن حجر نے کہا: '' متهم بالكذب '' (تقریب التہذیب: ۶۲۸۴)

سدی صغیر کا استاد محمد بن السائب الکلبی کذاب تھا۔ (الحدیث حضرو: ۲۴ ص ۵۳۔ ۵۴)

سلیمان التیمی نے کہا: کوفہ میں دو کذاب تھے، ان میں سے ایک کلبی ہے۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۷/۲۷۰ وسندہ صحیح)

خود حافظ ابن حجر نے اسے ''المفسر منهم بالكذب ورمي بالرفض'' قرار دیا۔
دیکھئے تقریب التہذیب (۵۹۰۱)

حاکم نیشاپوری نے کلبی کے بارے میں کہا: ''أحاديثه عن أبي صالح موضوعة''
اس کی ابو صالح سے حدیثیں موضوع ہیں۔ (المدخل الی الصحیح ص۱۹۵ ت۱۷۱)

خلاصہ یہ کہ یہ سند موضوع ہے۔

مثال چہارم: حافظ ابن حجر نے کہا:

''ومن حديث بريده رفعه: اللهم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما جعلتها علىٰ إبراهيم وعلىٰ آل إبراهيم وأصله عند أحمد'' اور (ابو العباس السراج نے روایت کیا) بریدہ (رضی اللہ عنہ) کی مرفوع حدیث ہے کہ ''اللهم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كما جعلتها علىٰ إبراهيم وعلىٰ آل إبراهيم'' اور اس کی اصل احمد کے پاس (یعنی مسند احمد میں) ہے۔

(فتح الباری ۱۱/۱۵۹ تحت ح ۶۳۵۷، ۶۳۵۸، اور انیس الساری ج ۱ ص ۸۳۸ ح ۵۶۷)

مسند احمد (۵/۳۵۳) وغیرہ کی اس روایت کی سند میں ابو داود نفیع بن الحارث الاعمیٰ ہے۔
دیکھئے انیس الساری (۱/۸۳۸)

ابو داود الاعمیٰ کے بارے میں اس کے ہم عصر امام قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''کذاب'' وہ جھوٹا ہے۔ (الکامل لابن عدی ۷/۲۵۲۳-۲۵۲۴ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۸/۳۲۸،
نیز دیکھئے مسائل صالح بن احمد بن حنبل: ۳۱۷، اور موسوعۃ اقوال الامام احمد ۴/۲۶)

حاکم نیشاپوری نے کہا: ''روى عن بريدة الأسلمي وأنس بن مالك أحاديث موضوعة'' اس نے بریدہ الاسلمی اور انس بن مالک (رضی اللہ عنہما) سے موضوع حدیثیں بیان

کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص۲۱۸ ت ۲۱۰)

خود حافظ ابن حجر نے کہا: "متروك و قد كذبه ابن معين" وہ متروک ہے اور ابن معین نے اسے کذاب کہا۔ (تقریب التہذیب: ۷۱۸۱)

خلاصہ یہ کہ یہ سند بھی موضوع ہے۔

ان چار مثالوں سے ثابت ہوا کہ فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا کسی حدیث یا روایت پر سکوت کرنا اس کے صحیح یا حسن یا حجت ہونے کی دلیل نہیں بلکہ علماء کو چاہئے کہ اصل کتابوں کی طرف رجوع کر کے مذکورہ روایت کی تحقیق کریں اور پھر اگر صحیح و حسن ثابت ہو جائے تو بطورِ حجت پیش کریں۔

اگر ایسا ممکن نہ ہو تو مجرد سکوت سے استدلال نہ کریں اور ہمہ تن تحقیق کے لئے مصروف رہیں۔ وما علينا إلا البلاغ (۷/ نومبر ۲۰۰۹ء)

بے سند جرح و تعدیل اور اوکاڑوی کلچر

سوال امین اوکاڑوی لکھتے ہیں:

"آج کل راویوں کے حالات کا دارومدار تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب، خلاصۃ التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال وغیرہ کی کتابوں پر ہے اور یہ سب کتابیں بے سند ہیں۔ آٹھویں صدی کا آدمی پہلی صدی کے آدمی کو ثقہ اور ضعیف کہہ رہا ہے اور درمیان میں سات سو سال کی کوئی سند نہیں کیا ان کتابوں کا بھی انکار کر دو گے؟"

(مجموعہ رسائل جدید ایڈیشن ۲/ ۳۴۷، ادارہ خدام احناف لاہور)

سوال یہ ہے کہ کیا یہ کتابیں بے سند ہیں اور آٹھویں صدی کے آدمی پہلے صدی کے آدمی پر بغیر کسی سند کے جرح کرتے ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔ اللہ آپ کی زندگی میں برکت دے۔ آمین (ابو جواد شیر زادہ ہمدرد، ڈوگدرہ۔ دیر بالا)

الجواب مذکورہ مشہور و متواتر اور ثابت شدہ کتابوں میں بعض اقوال بے سند

ہیں اور بعض اقوال باسند ہیں۔ باسند اقوال کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: احمد بن خلیل بن حرب القومسی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

"نسبه أبو حاتم إلى الكذب" ابوحاتم نے اسے کذب (جھوٹ) کی طرف منسوب کیا ہے۔ (تقریب التہذیب:۴۴)

حافظ ابن حجر کی پیدائش سے صدیوں پہلے امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:

" أحمد بن خليل القومسي كذاب " (الجرح والتعدیل ج۲ص۵۰ ت۴۹)

۲: تہذیب التہذیب کے پہلے راوی احمد بن ابراہیم بن خالد الموصلی کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "وقال إبراهيم بن الجنيد عن ابن معين : ثقة صدوق " (ج۱ص۹)

حافظ ابن حجر کی ولادت سے صدیوں پہلے والی کتاب سوالات ابن الجنید میں لکھا ہوا ہے کہ یحییٰ بن معین سے حارث النقال اور احمد بن ابراہیم الموصلی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: "ثقتين صدوقين" دونوں ثقہ صدوق ہیں۔ (سوالات ابن الجنید:۱۱۴)

۳: خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی کے پہلے راوی احمد بن ابراہیم بن خالد الموصلی کے بارے میں خزرجی (متوفی ۹۲۳ھ) نے امام یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "ليس به بأس" یہ قول بعینہٖ کتاب الجرح والتعدیل میں امام یحییٰ بن معین سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ (ج۲ص۳۹ ت۱)

٤: حافظ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ کے شروع میں انھوں نے ایک روایت لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے احادیث کا ایک مجموعہ لکھا تھا جسے بعد میں انھوں نے جلا دیا تھا۔ (ج۱ص۵ ت۱)

یہ روایت حافظ ذہبی نے حاکم نیشاپوری سے مکمل سند ومتن کے ساتھ نقل کر کے لکھا ہے:

"فهذا لا يصح" پس یہ صحیح نہیں ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۵)

تنبیہ: محمد زکریا تبلیغی دیوبندی نے اپنی کتاب حکایاتِ صحابہ میں یہی روایت حافظ ذہبی کی جرح ذکر کیے بغیر نقل کر رکھی ہے۔ (ص۹۸، آٹھواں باب)!

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تو سند نقل کر کے جرح کر رکھی ہے اور زکریا صاحب اسے جرح کے ذکر کے بغیر ہی اردو عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔!

۵: حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال کے پہلے راوی ابان بن اسحاق المدنی کے بارے میں ابوالفتح الازدی (مجروح) کی جرح نقل کر کے اسے رد کر دیا اور کہا: اسے عجلی نے ثقہ کہا ہے۔

(ج۱ص۵ ت۱)

احمد العجلی رحمہ اللہ کا قول ''ثقة'' تاریخ العجلی میں مذکور ہے۔ (ص۵۰ ت۱۲)

تنبیہ: میزان الاعتدال میں غلطی کی وجہ سے ''وثقه أحمد و العجلي'' چھپ گیا ہے جب کہ صحیح ''وثقه أحمد العجلي'' ہے۔ (نیز دیکھئے حاشیہ تہذیب الکمال، تحقیق بشار عواد معروف ج۲ص۶)

معلوم ہوا کہ اوکاڑوی صاحب کا یہ کہنا ''اور سب کتابیں بے سند ہیں'' غلط اور مردود ہے۔

تنبیہ بلیغ: ان مذکورہ کتابوں اور دوسری کتابوں میں جو اقوال و افعال مروی ہیں ان کی تحقیق کرنے کے بعد ہی انھیں بطورِ حجت پیش کرنا چاہئے۔ ثابت شدہ گواہیوں کو جمع کر کے جمہور قابلِ اعتماد محدثین کی تحقیق کو ہی ترجیح دینی چاہئے۔

بعض اوقات کسی راوی پر ان کتابوں میں جرح تو منقول ہوتی ہے لیکن اپنے قائل سے باسند صحیح ثابت نہیں ہوتی مثلاً مؤمل بن اسماعیل پر تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال میں امام بخاری کی جرح ''منكر الحديث'' مروی ہے حالانکہ یہ جرح امام بخاری سے ثابت ہی نہیں ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۱ص ۱۹ و اثبات التعدیل فی توثیق مؤمل بن اسماعیل، اقوالِ جرح: ۶

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ امین اوکاڑوی کلچر والے لوگ دن رات یہ بے سند جرح مؤمل بن اسماعیل پر فٹ کر رہے ہیں اور پھر کہتے ہیں: ''اور یہ سب کتابیں بے سند ہیں''!!

ان لوگوں کی یہ حرکت ظلمِ عظیم نہیں تو کیا ہے؟ (۸/فروری ۲۰۰۷ء) [الحدیث: ۳۵]

سفیان ثوری کی تدلیس

سوال سفیان ثوری کی تدلیس (عن والی روایت) مقبول ہے یا غیر مقبول؟ دلیل سے جواب دیں۔ (عبدالرحمٰن میرپوری، لندن)

الجواب امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں درج ذیل تحقیق پیش خدمت ہے:

① سفیان ثوری رحمہ اللہ بالاجماع ثقہ وثبت ہیں، انھیں احمد بن حنبل، عجلی، دارقطنی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ کہا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں: ''وہ اس سے بلند ہیں کہ انھیں ثقہ کہا جائے وہ میرے خیال میں متقین کے اماموں میں سے ایک امام تھے۔''

امام شعبہ نے انھیں امیر المؤمنین فی الحدیث قرار دیا۔

دیکھئے تہذیب الکمال للمزی (۳۶۰/۷)

ان کی بیان کردہ احادیث کتبِ ستہ اور عام کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔

② اس پر بھی اتفاق ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ تدلیس کرتے تھے۔

ہشیم بن بشیر (متوفی ۱۸۳ھ) نے عبداللہ بن المبارک سے کہا:

'' إن كبيريك قد دلسا: الأعمش و سفيان ''

(الکامل لابن عدی ۲۵۹۶/۷، وسندہ صحیح والعلل الکبیر للترمذی ۹۶۶/۲، وسندہ صحیح، علمی مقالات ۲۵۱/۱)

یعنی تیرے دونوں بزرگوں: اعمش اور سفیان (ثوری) نے تدلیس کی ہے۔

یحییٰ بن معین نے کہا: '' وكان يدلس '' یعنی سفیان ثوری تدلیس کرتے تھے۔

(الجرح والتعدیل ۲۲۵/۴ وسندہ صحیح، الکفایۃ للخطیب ص ۳۶۱ وسندہ صحیح)

سفیان ثوری کے شاگرد ابو عاصم (النبیل) نے کہا: '' نرى أن سفيان الثوري إنما دلسه عن أبي حنيفة '' (سنن الدارقطنی ۲۰۱/۳ ح ۳۴۲۳)

امام بخاری نے کہا: '' أعلم الناس بالثوري يحيى بن سعيد، لأنه عرف

صحيح حديثه من تدليسه " (الکامل لابن عدی ۱/۱۱۱، وسندہ صحیح)

یعنی سفیان کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے یحییٰ بن سعید (القطان) ہیں، کیونکہ وہ ان کی تدلیس میں سے صحیح حدیثیں جانتے ہیں۔

یحییٰ القطان کی ثوری سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔ (دیکھئے نورالعینین طبع دوم ص ۱۲۴)

امام علی بن المدینی فرماتے ہیں: " والناس يحتاجون في حديث سفيان إلى يحيى القطان لحال الاخبار يعني علي :أن سفيان كان يدلس وأن يحيى القطان كان يوقفه على ماسمع ممالم يسمع "لوگ حدیثِ سفیان میں یحییٰ القطان کے محتاج ہیں کیونکہ وہ مصرح بالسماع روایات بیان کرتے تھے۔ علی بن المدینی کے نزدیک سفیان (الثوری) تدلیس کرتے تھے اور یحییٰ القطان ان کی معنعن اور مصرح بالسماع روایتیں ہی بیان کرتے تھے۔ (الکفایہ ص ۳۶۲، وسندہ صحیح)

دیگر اقوال کے لئے نورالعینین اور علمی مقالات (۱/۲۵۱) پڑھیں، غرض یہ کہ سفیان الثوری کا مدلس ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔

☆ تنبیہ: حافظ سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے:

" روى البيهقي في المدخل عن محمد بن رافع قال :قلت لأبي عامر :كان الثوري يدلس ؟ قال :لا ...... إلخ "

یعنی بقول ابی عامر: سفیان ثوری تدلیس نہیں کرتے تھے، یہ حوالہ کئی لحاظ سے مردود ہے:

۱: امام بیہقی کی کتاب المدخل میں یہ حوالہ نہیں ملا۔

۲: سیوطی نے بیہقی سے لے کر محمد بن رافع تک سند بیان نہیں کی۔

۳: سیوطی نے یہ نہیں بتایا کہ انھوں نے یہ عبارت المدخل سے نقل کی ہے یا کسی اور شخص سے المدخل کا حوالہ نقل کیا ہے۔

۴: محدثین کے ثابت شدہ اقوال وشہادات کے مقابلے میں یہ حوالہ شاذ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

☆تنبیہ۲: راقم الحروف نے نور العینین میں سفیان ثوری کے بارے میں لکھا ہے کہ
''حافظ العلائی کیکلدی نے حافظ ابن حجر سے پہلے ان کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔''

(طبع قدیم ص۱۰۲ و جدید ص۱۲۷)

یہ حوالہ غلط ہے جس سے میں رجوع کرتا ہوں۔ صحیح عبارت درج ذیل ہے:
'' امام حاکم نے حافظ ابن حجر سے پہلے ان کو طبقہ ثانیہ (جنس ثالث) میں ذکر کیا ہے''

(جامع التحصیل ص۹۹ و معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص۱۰۶)

یہ امام حاکم کا قول ہے جو غلطی کی وجہ سے حافظ العلائی کی طرف منسوب ہو گیا ہے۔ امام حاکم کے اس قول سے میرے دعوے کو مزید تقویت حاصل ہو گئی کہ سفیان ثوری کا شمار طبقہ ثانیہ میں غلط ہے بلکہ طبقات کی تقسیم والوں پر لازم یہی ہے کہ وہ انہیں طبقہ ثالثہ میں ذکر کریں۔

حنفیوں کے امام عینی حنفی نے سفیان ثوری کے بارے میں لکھا ہے: '' وسفیان من المدلسین والمدلس لا یحتج بعنعنته إلا أن یثبت سماعه من طریق آخر'' سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی الا یہ کہ دوسری سند سے اس مدلس کی تصریحِ سماع ثابت ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج۳ص۱۱۲ باب الوضوء من غیر حدث)

سفیان ثوری ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۲/۱۶۹ ت ۳۳۲۲)

ابوبکر الصیر فی کتاب الدلائل میں لکھتے ہیں: '' کل من ظهر تدلیسه عن غیر الثقات لم یقبل خبره حتی یقول حدثنی أو سمعت '' ہر وہ شخص جس کی غیر ثقہ سے تدلیس ظاہر ہو تو اس کی صرف وہی خبر قبول کی جائے گی جس میں وہ حدثنی یا سمعت کے الفاظ کہے۔ (شرح الفیۃ العراقی رالتبصرۃ والتذکرۃ ج۱ص۱۸۴، ۱۸۵، علمی مقالات ۱/۲۵۱)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ طبقہ ثالثہ کے مدلس ہیں، امام حاکم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حافظ ابن حبان نے لکھا ہے: '' وأما المدلسون الذین هم ثقات وعدول فإنا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بینوا السماع فیما رووا مثل

الثوری والأعمش وأبي إسحاق وأضرابهم " اور وہ مدلس جو ثقہ وعادل ہیں جیسے (سفیان) ثوری، اعمش، ابو اسحاق وغیرہم، تو ہم ان کی صرف انھی احادیث سے حجت پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کرتے ہیں۔ (الاحسان ۹۲/۱، ونسخہ محققہ ۱۶۱/۱)

تفصیلی بحث کے لئے نور العینین اور علمی مقالات (۲۵۱/۱) کا مطالعہ کریں۔

[الحدیث:۱]

صحیح بخاری اور سفیان ثوری

سوال آپ نے اپنی کتابوں مثلاً نور العینین فی اثبات رفع الیدین وغیرہ میں یہ ثابت کیا ہے کہ نبی ﷺ اور صحابۂ کرام سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ترک کرنا ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں حنفیہ کی سب سے مشہور دلیل: "حدیث سفیان الثوري عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الأسود عن علقمة عن عبداللّٰه بن مسعود" کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، وجہ یہ ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ ثقہ فقیہ عابد ہونے کے ساتھ ساتھ مدلس بھی تھے۔ وہ یہ روایت "عن" کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔ اُصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے لہٰذا یہ روایت اُصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف ہے۔ اس کا جواب ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی دیوبندی نے اپنی کتاب "تحفۂ اہل حدیث" حصہ دوم، (ص ۱۵۵) میں اس طرح دیا ہے کہ صحیح بخاری میں سے سفیان ثوری کی دس روایات پیش کی ہیں جنھیں سفیان ثوری رحمہ اللہ عن سے روایت کر رہے ہیں۔ کیا جھنگوی کی ذکر کردہ ان روایات میں سماع کی تصریح یا متابعت ثابت ہے؟ (حافظ شیر محمد، بیاڑ دیر)

الجواب ان تمام روایات میں متابعت یا تصریحِ سماع ثابت ہے۔ والحمد للہ

ہمارے دوست محترم ابو ثاقب محمد صفدر بن غلام سرور حضروی نے اسماعیل جھنگوی مذکور کو کافی عرصہ پہلے ایک خط لکھا تھا۔ جس میں ص ۲ پر یہ لکھا تھا:

"آپ نے ص ۱۵۵ پر صحیح البخاری کی دس روایات لکھی ہیں ۔کیا آپ کا دعویٰ ہے کہ ان روایات میں سفیان ثوری کی تصریحِ سماع یا متابعت قطعاً ثابت نہیں ہے؟ اگر آپ کا یہ دعویٰ ہے تو یہ دعویٰ لکھیں اور اس پر اپنے چند "مستند علماء" سے بھی دستخط کروا کر مجھے بھیج دیں ۔مثلاً سرفراز خان صفدر، امین اوکاڑوی صاحب، تقی عثانی صاحب وغیرہم، میں ان شاء اللہ ان تمام روایات میں متابعت یا سماع کی تصریح ثابت کروں گا والحمدللہ۔"

اس خط کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔اب جھنگوی کی روایات مذکورہ پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے:

① صحیح بخاری باب علامة المنافق ج۱ ص۱۰ (ح۳۴) اس روایت میں سفیان ثوری کی متابعت، شعبہ نے کر رکھی ہے۔صحیح بخاری کتاب المظالم باب اذا خاصم فجر (ح۲۴۵۹)

② صحیح بخاری باب الغضب فی الموعظة ج۱ ص۱۹ (ح۹۰) اس روایت میں زہیر (وغیرہ) نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے، صحیح بخاری کتاب الاذان باب تخفیف الامام فی القیام...... (ح۷۰۲)

③ صحیح بخاری باب الوضوء مرة مرة ج۱ ص۲۷ (ح۱۵۷) سفیان ثوری نے سنن ابی داود میں سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔الطہارة باب الوضوء مرة مرة (ح۱۳۸)

④ صحیح بخاری باب البزاق والمخاط ج۱ ص۳۸ (۲۴۱) اس روایت میں اسماعیل بن جعفر نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے، صحیح البخاری کتاب الصلوٰة باب حک البزاق بالید من المسجد (ح۴۰۵)

⑤ صحیح بخاری باب الوضوء قبل الغسل ج۱ ص۳۹ (ح۲۴۹) عبدالواحد نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے۔بخاری کتاب الغسل باب الغسل مرة واحدة (ح۲۵۷)

⑥ صحیح بخاری باب التستر فی الغسل عن الناس ج۱ ص۴۲ (ح۲۸۱) اس میں بھی عبدالواحد نے متابعت کر رکھی ہے، حوالہ سابقہ

⑦ صحیح بخاری باب مباشرة الحائض ج۱ ص۴۴ (ح۲۹۹) اس میں سفیان ثوری نے سماع

کی تصریح کر رکھی ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود، الطہارۃ باب الوضوء بفضل المرأۃ (ح ۷۷)

⑧ صحیح بخاری باب ما یستر من العورۃ ص ۵۳ (ح ۳۶۸) اس میں محمد بن یحییٰ بن حبان نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے۔ صحیح بخاری کتاب البیوع باب بیع المنابذۃ (ح ۲۱۴۶)

⑨ صحیح بخاری باب الاذان للمسافر ج ۱ ص ۸۸ (ح ۶۳۰) اس روایت میں یزید بن زریع نے سفیان کی متابعت کر رکھی ہے۔

صحیح بخاری کتاب الاذان باب اثنان فما فوقہما جماعۃ (ح ۶۵۸)

⑩ صحیح بخاری باب السجود علی سبعۃ اعظم ج ۱ ص ۱۱۳ (ح ۸۰۹) اس میں شعبہ وغیرہ نے سفیان کی متابعت کی ہے۔ حوالہ مذکورہ (ح ۸۱۰)

خلاصہ یہ ہے کہ ان ساری روایات میں سماع کی تصریح یا متابعت ثابت ہے والحمد للہ، لہٰذا دیوبندیوں کا اہلِ حدیث = اہل سنت کے خلاف پروپیگنڈا کرنا سرے سے باطل ہے۔ (۹۔۸۔۲۰۰۰)

[الحدیث: ۲۸]

امام سفیان ثوری اور طبقۂ ثالثہ کی تحقیق

سوال سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس اور معنعن روایت کے بارے میں، آپ کے نزدیک راجح قول کیا ہے؟ (تنویر حسین شاہ، ہری پور)

الجواب سفیان ثوری کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ ثقہ امام اور امیر المومنین فی الحدیث ہونے کے ساتھ مدلس بھی ہیں اور آپ ضعفاء وغیرہم سے تدلیس کرتے تھے لہٰذا آپ کی غیر صحیحین میں معنعن روایت، عدمِ متابعت وعدمِ تصریحِ سماع کی صورت میں ضعیف ومردود ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا انھیں طبقۂ ثانیہ میں شمار کرنا صحیح نہیں بلکہ وہ طبقۂ ثالثہ کے فرد ہیں، جیسا کہ حاکم نیشاپوری نے انھیں طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔

(معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۶، جامع التحصیل ص ۹۹ ونور العینین طبع جدید ص ۱۳۸)

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا:

''وأما المدلسون الذين هم ثقات وعدول فإنا لا نحتج بأخبار هم إلا ما بينوا السماع فيما رووا مثل الثوري والأعمش و أبي إسحاق و أضرابهم ....''

اور ایسے مدلس راوی جو ثقہ و عادل تھے تو ہم ان کی احادیث سے حجت نہیں پکڑتے سوائے اس کے کہ وہ تصریحِ سماع کریں جو انھوں نے روایت کیا ہے، مثلاً ثوری، اعمش، ابواسحاق اور ان جیسے دوسرے.......... (الاحسان ج۱ص۹۰، دوسرا نسخہ ص۱۶۱، واللفظ لہ)

یہی تحقیق راجح اور صحیح ہے اور راقم الحروف نے اسے ہی نور العینین اور التاسیس فی مسئلۃ التدلیس (مطبوعہ ماہنامہ الحدیث:۳۳) میں اختیار کیا ہے۔

یاد رہے کہ عبدالرشید انصاری صاحب کے نام میرے ایک خط (۱۹/۸/۱۴۰۸ھ) میں سفیان ثوری کے بارے میں یہ لکھا گیا تھا کہ

''طبقۂ ثانیہ کا مدلس ہے جس کی تدلیس مضر نہیں ہے۔'' (جرابوں پر مسح ص۴۰)

میری یہ بات غلط ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں لہٰذا اسے منسوخ و کالعدم سمجھا جائے، عینی حنفی لکھتے ہیں کہ'' وسفيان من المدلسين والمدلس لا يحتج بعنعنته إلا أن يثبت سماعه من طريق آخر ''اور سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی الا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (عمدۃ القاری۲/۱۱۲) [۱۱/محرم۱۴۲۴ھ ، ۱۵/ مارچ ۲۰۰۳ء]

[شہادت اپریل۲۰۰۳ء، الحدیث:۳۳]

امام سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ؟

سوال محترم الشیخ صاحب، سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں یہ معروف ہے کہ وہ طبقۂ ثانیہ کے راوی ہیں لہٰذا اُن کی تدلیس مضر نہیں جبکہ آپ کے نزدیک وہ طبقۂ ثالثہ کے ہیں، اس سلسلے میں مدلل لکھیں۔ نیز حال ہی میں فیصل نامی ایک بریلوی شخص نے ''نور العینین کا محققانہ تجزیہ'' کتاب لکھی ہے، جس میں کافی مغالطات وشبہات وارد کئے گئے

ہیں، اس کی بھی حقیقت واضح کریں۔ (فہیم نثار سلفی، راولپنڈی)

الجواب اس سلسلے میں ایک تفصیلی مضمون ''ماہنامہ الحدیث'' میں چھپ چکا ہے، آپ کے سوال کی مناسبت سے اپنے تحقیقی مضمون ہی کو پیشِ خدمت کیا جاتا ہے:

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ کو مدلسین کے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین: ۲/۵۱، الفتح المبین ص ۳۹)

حافظ ابن حجر کی یہ تحقیق کئی لحاظ سے غلط ہے، جس کی فی الحال تیس (۳۰) دلیلیں اور حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱) امام ابوحنیفہ نے عاصم عن ابی رزین عن ابن عباس کی سند سے ایک حدیث بیان کی کہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ دیکھئے سنن دارقطنی (۳/۲۰۱ ح ۳۴۲۲) الکامل لابن عدی (۷/۲۴۷۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (۸/۲۰۳) کتاب الام للشافعی (۶/۱۶۷) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۱۰/۱۴۰ ح ۲۸۹۸۵) وغیرہ

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: ابوحنیفہ پر اس کی بیان کردہ ایک حدیث کی وجہ سے (سفیان) ثوری نکتہ چینی کرتے تھے جسے ابوحنیفہ کے علاوہ کسی نے بھی عاصم عن ابی رزین (کی سند) سے بیان نہیں کیا۔ (سنن دارقطنی ۳/۲۰۰ ح ۳۴۲۰ وسندہ صحیح)

امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے فرمایا: میں نے سفیان (ثوری) سے مرتدہ کے بارے میں عاصم کی حدیث کا پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یہ روایت ثقہ سے نہیں ہے۔

(الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۴۸، وسندہ صحیح)

یہ وہی حدیث ہے جسے خود سفیان ثوری نے ''عن عاصم عن أبي رزين عن ابن عباس'' کی سند سے بیان کیا تو اُن کے شاگرد امام ابوعاصم (الضحاک بن مخلد النبیل) نے کہا: ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سفیان ثوری نے اس حدیث میں ابوحنیفہ سے تدلیس کی ہے لہٰذا میں نے دونوں سندیں لکھ دی ہیں۔ (سنن دارقطنی ۳/۲۰۱ ح ۳۴۲۳ وسندہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ امام سفیان ثوری اپنے نزدیک غیر ثقہ (ضعیف) راوی سے بھی تدلیس کرتے تھے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے: وہ (سفیان ثوری) ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔ الخ (میزان الاعتدال ۲/۱۶۹، نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۷/۲۴۲، ۲۷۴)

اصولِ حدیث کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ جو راوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو اُس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

"**ثم إن کان المدلّس عن شیخه ذا تدلیس عن الثقات فلا بأس، و إن کان ذا تدلیس عن الضعفاء فمردود**" پھر اپنے استاذ سے تدلیس کرنے والا اگر ثقہ راویوں سے تدلیس کرے تو (اس کی روایت میں) کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو (اُس کی روایت) مردود ہے۔

(الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث للذہبی ص ۴۵، مع شرحہ کفایۃ الحفظہ ص ۱۹۹)

ابو بکر الصیرفی (محمد بن عبداللہ البغدادی الشافعی/ متوفی ۳۳۰ھ) نے اپنی کتاب الدلائل میں کہا: "**کل من ظهر تدلیسه عن غیر الثقات لم یقبل خبره حتی یقول: حدثني أو سمعت**" ہر وہ شخص جس کی، غیر ثقہ راویوں سے تدلیس ظاہر ہو جائے تو اس کی حدیث قبول نہیں کی جاتی اِلا یہ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے/ یعنی سماع کی تصریح کرے۔ (النکت للزرکشی ص ۱۸۴، نیز دیکھئے التبصرہ والتذکرہ شرح الفیۃ العراقی ۱/۱۸۳، ۱۸۴)

اُصولِ حدیث کے اس قاعدے سے صاف ثابت ہے کہ امام سفیان ثوری (اپنے طرزِ عمل کی وجہ سے) طبقۂ ثانیہ کے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔

۲) امام علی بن عبداللہ المدینی نے فرمایا: لوگ سفیان (ثوری) کی حدیث میں یحییٰ القطان کے محتاج ہیں، کیونکہ وہ مصرح بالسماع روایات بیان کرتے تھے۔

(الکفایہ للخطیب ص ۳۶۲ وسندہ صحیح، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۶۴)

اس قول سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

اول: سفیان ثوری سے یحییٰ بن سعید القطان کی روایت سفیان کے سماع پر محمول ہوتی ہے۔

دوم: امام ابن المدینی امام سفیان ثوری کو طبقۂ اولیٰ یا ثانیہ میں سے نہیں سمجھتے تھے، ورنہ یحییٰ القطان کی روایت کا محتاج ہونا کیا ہے؟!

۳) امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: میں نے سفیان (ثوری) سے صرف وہی کچھ لکھا ہے، جس میں انھوں نے حدثنی اور حدثنا کہا، سوائے دو حدیثوں کے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد ۱/ ۲۰۷ ت ۱۱۳۰، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۲۴۲ رقم ۳۱۸)

اور وہ دو حدیثیں درج ذیل ہیں:

" سفيان عن سماك عن عكرمة و مغيرة عن إبراهيم ﴿ و ان كان من قوم عدولكم ﴾ قالا : هو الرجل يسلم في دار الحرب فيقتل فليس فيه دية فيه كفارة " (کتاب العلل ج ۱ ص ۲۴۲)

یعنی عکرمہ اور ابراہیم نخعی کے دو آثار جنھیں اوپر ذکر کر دیا گیا ہے، ان کے علاوہ یحییٰ القطان کی سفیان ثوری سے ہر روایت سماع پر محمول ہے۔ یحییٰ القطان کے قول سے ثابت ہوا کہ وہ سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ سے نہیں سمجھتے تھے ورنہ حدیثیں نہ لکھنے کا کیا فائدہ؟

٤) حافظ ابن حبان البستی نے فرمایا: وہ مدلس راوی جو ثقہ عادل ہیں، ہم اُن کی صرف ان مرویات سے ہی حجت پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کریں۔ مثلاً سفیان ثوری، اعمش اور ابو اسحاق وغیرہم جو کہ زبردست ثقہ امام تھے... الخ

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۱/ ۹۰، دوسرا نسخہ ۱/ ۱۶۱، تیسرا نسخہ: ایک جلد والا ص ۳۶، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۶۶)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حبان سفیان ثوری اور اعمش کو طبقۂ ثانیہ میں سے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ میں سے سمجھتے تھے۔

حافظ ابن حبان نے مزید فرمایا: وہ ثقہ راوی جو اپنی احادیث میں تدلیس کرتے تھے مثلاً قتادہ، یحییٰ بن ابی کثیر، اعمش، ابو اسحاق، ابن جریج، ابن اسحاق، ثوری اور ہشیم بعض اوقات اپنے جس شیخ سے احادیث سُنی تھیں، وہ روایت بطورِ تدلیس بیان کر دیتے جسے انھوں نے ضعیف و ناقابلِ حجت لوگوں سے سُنا تھا، لہٰذا جب تک مدلس اگرچہ ثقہ ہی ہو، یہ نہ کہے: حدثني یا

سمعت (یعنی جب تک سماع کی تصریح نہ کرے) اس کی خبر (حدیث) سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔ (المجروحین ج ۱ ص ۹۲، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۶۷)

اس گواہی سے دو باتیں ظاہر ہیں:

اول: حافظ ابن حبان سفیان ثوری وغیرہ مذکورین کی وہ روایات حجت نہیں سمجھتے تھے، جن میں سماع کی تصریح نہ ہو۔

دوم: حافظ ابن حبان کے نزدیک سفیان ثوری وغیرہ مذکورین بالا ضعیف راویوں سے بھی بعض اوقات تدلیس کرتے تھے۔

۵) حاکم نیشاپوری نے مدلسین کے پہلے طبقے کا ذکر کیا، جو ثقہ راویوں سے تدلیس کرتے تھے، پھر انھوں نے دوسری جنس (طبقۂ ثانیہ) کا ذکر کیا، پھر انھوں نے تیسری جنس (طبقۂ ثالثہ) کا ذکر کیا جو مجہول راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔ (دیکھئے معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)

حاکم نیشاپوری نے امام سفیان بن سعید الثوری کو مدلسین کی تیسری قسم میں ذکر کر کے بتایا کہ وہ مجہول راویوں سے روایت کرتے تھے۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۰۶ الفقرہ: ۲۵۳)

اس عبارت کو حافظ العلائی نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"والثالث : من يدلس عن أقوام مجهولين لا يدري من هم كسفيان الثوري..." اور تیسرے وہ جو مجہول نامعلوم لوگوں سے تدلیس کرتے تھے، جیسے سفیان ثوری... (جامع التحصیل فی احکام المراسیل ص ۹۹)

یہ عرض کر دیا گیا ہے کہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والے کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے۔

تنبیہ: صحیحین میں مدلسین کی تمام روایات سماع یا متابعات وشواہد پر محمول ہونے کی وجہ سے صحیح ہیں۔ والحمد للہ

۶) فقرہ نمبر ۱، میں امام ابو عاصم النبیل کا قول گزر چکا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے استاذ امام سفیان ثوری کو طبقۂ اولیٰ یا ثانیہ میں سے نہیں سمجھتے تھے، ورنہ اُن کی معنعن

روایت کو سماع پر محمول کرتے۔

۷) امام سفیان ثوری نے اپنے استاذ قیس بن مسلم الجدلی الکوفی سے ایک حدیث بیان کی، جس کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: "ولا أظن الثوري سمعه من قیس، أراه مدلسًا" "میں نہیں سمجھتا کہ ثوری نے اسے قیس سے سُنا ہے، میں اسے مدلس (یعنی تدلیس شدہ) سمجھتا ہوں۔ (علل الحدیث ۲/۲۵۴ ح ۲۲۵۵)

معلوم ہوا کہ امام ابو حاتم الرازی امام سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں سے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ میں سے سمجھتے تھے۔

۸) طبقۂ ثالثہ کے مشہور مدلس امام ہشیم بن بشیر الواسطی سے امام عبداللہ بن المبارک نے کہا: آپ کیوں تدلیس کرتے ہیں، حالانکہ آپ نے (بہت کچھ) سنا بھی ہے؟ تو انھوں نے کہا: دو بڑے (بھی) تدلیس کرتے تھے یعنی اعمش اور (سفیان) ثوری۔

(العلل الکبیر للترمذی ۲/۹۶۶ وسندہ صحیح، التمہید ۱/۳۵، علمی مقالات ۱/۲۷۵)

امام ابن المبارک نے ہشیم پر کوئی رد نہیں کیا کہ یہ دونوں تو طبقۂ ثانیہ کے مدلس ہیں اور آپ طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں بلکہ اُن کا خاموش رہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انھوں نے ہشیم کی طرح سفیان ثوری اور اعمش کا مدلس ہونا تسلیم کر لیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں وہ سفیان ثوری اور اعمش کو بھی طبقۂ ثالثہ میں سے سمجھتے تھے ورنہ ہشیم کا رد ضرور کرتے۔

۹) یہ حقیقت ہے کہ امام ہشیم بن بشیر طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ سفیان ثوری اور اعمش کو اپنی طرح مدلس سمجھتے تھے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ سفیان ثوری اور اعمش دونوں ہشیم کے نزدیک طبقۂ اولیٰ یا طبقۂ ثانیہ کے مدلس نہیں تھے۔

۱۰) امام یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "فأما من دلّس عن غیر ثقة و عمن لم یسمع هو منه فقد جاوز حد التدلیس الذي رخص فیه من رخص من العلماء." "پس اگر غیر ثقہ سے تدلیس کرے یا اُس سے جس سے اُس نے نہیں سُنا تو اُس نے تدلیس کی حد کو پار (عبور) کر لیا جس کے بارے میں (بعض) علماء نے رخصت دی

ہے۔ (الکفایۃ للخطیب ص۳۶۱، ۳۶۲ وسندہ صحیح، النکت للزرکشی ص۱۸۸)

امام یعقوب بن شیبہ کے اس قول سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

اول: ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والے کی غیر مصرح بالسماع روایت مردود ہے۔

دوم: مرسل اور منقطع روایت مردود ہے۔

چونکہ سفیان ثوری کا ضعیف راویوں سے تدلیس کرنا ثابت ہے لہٰذا اس قول کی روشنی میں بھی اُن کی معنعن روایت مردود ہے۔

۱۱) علامہ نووی شافعی نے سفیان ثوری کے بارے میں کہا:

''**منها ان سفيان رحمه الله تعالىٰ من المدلسين وقال في الرواية الأولىٰ عن علقمة والمدلس لا يحتج بعنعنته بالإتفاق إلا ان ثبت سماعه من طريق آخر...**'' اور ان میں سے یہ فائدہ بھی ہے کہ سفیان (ثوری) رحمہ اللہ مدلسین میں سے تھے اور انھوں نے پہلی روایت میں **عن علقمة** کہا اور مدلس کی عن والی روایت بالاتفاق حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند میں سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (شرح صحیح مسلم درسی نسخہ ج۱ ص۱۳۶ تحت ح۲۷۷، دوسرا نسخہ ج۳ ص۱۷۸، باب جواز الصلوات کلھا بوضوء واحد)

معلوم ہوا کہ علامہ نووی حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ سفیان ثوری کو طبقۂ ثالثہ کا مدلس سمجھتے تھے جن کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے اِلا یہ کہ سماع کی تصریح یا معتبر متابعت ثابت ہو۔

۱۲) عینی حنفی نے کہا: اور سفیان (ثوری) مدلسین میں سے تھے اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ اُس کی تصریحِ سماع دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ۱۱۲/۳، نور العینین طبع جدید ص۱۳۶، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۶ ص۲۷)

۱۳) ابن الترکمانی حنفی نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا:

''**فيه ثلاث علل :الثوري مدلس و قد عنعن ...**'' اس میں تین علتیں (وجۂ ضعف) ہیں: ثوری مدلس ہیں اور انھوں نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے... (الجوہر النقی ج۸ ص۲۶۲)

معلوم ہوا کہ ابن الترکمانی کے نزدیک سفیان ثوری طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے اور اُن کا عنعنہ علتِ قادحہ ہے۔

۱۴) کرمانی حنفی نے شرح صحیح بخاری میں کہا:

بے شک سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے....(شرح الکرمانی ج ۳ ص ۶۲ تحت ح ۲۱۴)

۱۵) قسطلانی شافعی نے کہا: سفیان (ثوری) مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ قابلِ حجت نہیں ہوتا اِلا یہ کہ اس کے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔

(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۸۶، نور العینین طبع جدید ص ۱۳۶)

۱۶) حافظ ذہبی کا یہ اصول فقرہ نمبر ۱ میں گزر چکا ہے کہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے والے کی معنعن روایت مردود ہوتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حافظ ذہبی کے نزدیک بھی سفیان ثوری کی عن والی روایت مردود ہے اور یہ کہ وہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔

۱۷) امام یحییٰ بن معین نے سفیان ثوری کو تدلیس کرنے والے (مدلس) قرار دیا۔

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۴/۲۲۵ وسندہ صحیح) اور الکفایۃ (ص ۳۶۱ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن معین سے مدلس کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کی روایت حجت ہوتی ہے یا جب وہ حدثنا واخبرنا کہے تو؟ انھوں نے جواب دیا: "**لا یکون حجة فیما دلس**"

وہ جس (روایت) میں تدلیس کرے (یعنی عن سے روایت کرے تو) وہ حجت نہیں ہوتی۔ الخ (الکفایۃ للخطیب ص ۳۶۲ وسندہ صحیح)

۱۸) حافظ ابن الصلاح الشہرزوری الشافعی نے سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اعمش، قتادہ اور ہشیم بن بشیر کو مدلسین میں ذکر کیا پھر یہ فیصلہ کیا کہ مدلس کی غیر مصرح بالسماع روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح (علوم الحدیث ص ۹۹ مع التقیید والایضاح للعراقی، نوع: ۱۲)

۱۹) حافظ ابن کثیر نے ابن الصلاح کے قاعدۂ مذکورہ کو برقرار رکھا اور عباراتِ مذکورہ کو

اختصار کے ساتھ نقل کیا۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث (مع تعلیق الالبانی ج ۱ ص ۱۷۴)

۲۰) حافظ ابن الملقن نے بھی ابن الصلاح کی عبارتِ مذکورہ کو نقل کیا اور کوئی جرح نہیں کی۔ دیکھئے المقنع فی علوم الحدیث (۱/ ۱۵۷، ۱۵۸)

۲۱) موجودہ دور کے مشہور عالم اور ذہبیٔ عصر علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی المکی رحمہ اللہ نے ترکِ رفع یدین والی روایت (**عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه**) کو معلول قرار دیتے ہوئے پہلی علت یہ بیان کی کہ سفیان (ثوری) تدلیس کرتے تھے اور کسی سند میں اُن کے سماع کی تصریح نہیں ہے۔

دیکھئے التنکیل بمافی تانیب الکوثری من الاباطیل (ج ۲ ص ۲۰)

تنبیہ: علامہ یمانی رحمہ اللہ کی اس بات کا جواب آج تک کوئی نہیں دے سکا۔ نہ کسی نے اس حدیث میں سفیان ثوری کے سماع کی تصریح ثابت کی اور نہ معتبر متابعت پیش کی ہے۔ یہ لوگ جتنا بھی زور لگالیں ترکِ رفع یدین والی روایت عن سے ہی ہے۔

یاد رہے کہ اس سلسلے میں کتاب العلل للدارقطنی کا حوالہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۲۲) موجودہ دور کے ایک مشہور عالم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کو مدلس قرار دیا اور غیر صحیحین میں اُن کی معنعن روایت کو معلول قرار دیا۔

دیکھئے کتاب: احکام ومسائل (تصنیف حافظ عبدالمنان نورپوری ج ۱ ص ۲۴۵)

ان دلائل وعبارات کے بعد آلِ تقلید (آلِ دیوبند وآلِ بریلوی) کے بعض حوالے پیش خدمت ہیں:

۲۳) سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے ایک روایت پر سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے جرح کی ہے۔ دیکھئے خزائن السنن (۲/ ۷۷)

۲۴) محمد شریف کوٹلوی بریلوی نے سفیان ثوری کی ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا:

''اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔'' (فقہ الفقیہ ص ۱۳۴)

۲۵) ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے ایک روایت پر سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے جرح کی۔ دیکھئے مجموعہ رسائل (طبع قدیم ۳/ ۳۳۱) اور تجلیاتِ صفدر (۵/ ۴۷۰)

۲۶) محمد عباس رضوی بریلوی نے لکھا ہے: ''یعنی سفیان مدلس ہے اور یہ روایت انہوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے جیسا کہ آگے انشاء اللہ بیان ہوگا۔'' (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹)

معلوم ہوا کہ رضوی وغیرہ کے نزدیک سفیان ثوری طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔

۲۷) شیر محمد مماتی دیوبندی نے سفیان ثوری کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے:

''اور یہاں بھی سفیان ثوری مدلس عنعنہ سے روایت کرتا ہے'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۹۲)

سرفراز صفدر پر رد کرتے ہوئے شیر محمد مذکور نے کہا:

''مولانا صاحب خود ہی ازراہِ کرم انصاف فرمائیں کہ جب زہری ایسے مدلس کی معنعن روایت صحیح تک نہیں ہوسکتی تو سفیان بن سعید ثوری ایسے مدلس کی روایت کیونکر صحیح ہوسکتی ہے جب کہ سفیان ثوری بھی یہاں عنعنہ سے روایت کررہے ہیں۔'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۹۰)

معلوم ہوا کہ شیر محمد مماتی کے نزدیک سفیان ثوری اور امام زہری دونوں طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے۔

۲۸) نیموی تقلیدی نے سفیان ثوری کی بیان کردہ آمین والی حدیث پر یہ جرح کی کہ ثوری بعض اوقات تدلیس کرتے تھے اور انھوں نے اسے عن سے بیان کیا ہے۔

دیکھئے آثار السنن کا حاشیہ (ص ۱۹۴ تحت ح ۳۸۴)

۲۹) محمد تقی عثمانی دیوبندی نے سفیان ثوری پر شعبہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا:

''سفیان ثوریؒ اپنی جلالتِ قدر کے باوجود کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں...''

(درس ترمذی ج ۱ ص ۵۲۱)

۳۰) حسین احمد مدنی ٹانڈوی دیوبندی کانگریسی نے آمین والی روایت کے بارے میں

کہا: ''اور سفیان تدلیس کرتا ہے۔'' الخ (تقریر ترمذی اردو ص ۳۹۱ ترتیب: محمد عبدالقادر قاسمی دیوبندی)

اس طرح کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں مثلاً:

احمد رضا خان بریلوی نے شریک بن عبداللہ القاضی (طبقۂ ثانیہ ۲/۵۶) کے بارے میں (بطورِ رضامندی) لکھا کہ

''تہذیب التہذیب میں کہا کہ عبدالحق اشبیلی نے فرمایا: وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ اور ابن القطان نے فرمایا: وہ تدلیس میں مشہور تھا'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۴ ص ۲۳۹)

معلوم ہوا کہ احمد رضا خان کے نزدیک طبقات کی تقسیم صحیح نہیں ہے۔

تنبیہ: محدثینِ کرام کا مشہور قاعدہ ہے کہ صحیحین میں مدلسین کا عنعنہ (عن عن کہنا) سماع پر محمول ہے۔

اس کا رد کرتے ہوئے احمد رضا خان نے کہا: ''یہ محض اندھی تقلید ہے اگر چہ ہم حسنِ ظن کے منکر نہیں تاہم تخمین (اٹکل پچو سے کچھ کہنا) بالکل صاف بیان کرنے کی طرح نہیں ہوسکتا۔'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۴ ص ۲۳۹)

عرض ہے کہ یہ اندھی تقلید اور تخمین نہیں بلکہ اُمت کے صحیحین کو تلقی بالقبول کی وجہ سے جلیل القدر علماء نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ صحیحین میں مدلسین کا عنعنہ سماع (یا متابعات) پر محمول ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے روایات المدلسین فی صحیح البخاری (تصنیف: ڈاکٹر عواد حسین الخلف) اور روایات المدلسین فی صحیح مسلم (تصنیف: عواد حسین الخلف)

یہ دونوں ضخیم کتابیں دار البشائر الاسلامیہ بیروت لبنان سے شائع ہوئی ہیں۔

ان دلائل مذکورہ اور آلِ تقلید کے حوالوں سے ثابت ہوا کہ حافظ ابن حجر العسقلانی کا امام سفیان ثوری کو مدلسین کے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے اور صحیح صرف یہ ہے کہ وہ (سفیان ثوری رحمہ اللہ) طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے، جن کی عن والی روایت، غیر صحیحین میں عدمِ سماع اور معتبر متابعت کے بغیر ضعیف ہوتی ہے۔

تنبیہ: ہماری اس بحث سے قطعاً یہ کشید نہ کیا جائے کہ ہم طبقۂ ثالثہ کے علاوہ مدلسین کے عن والی روایات کو حجت سمجھتے ہیں بلکہ مذکورہ دلائل سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنا مقصود ہے جو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو طبقۂ ثانیہ کا مدلس کہہ کر اُن کی عن والی روایات کو صحیح قرار دینے پر مصر ہیں۔ مزید دلائل اور توضیح آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم

بعض لوگ حافظ ابن حجر العسقلانی کی طبقات المدلسین کی طبقاتی تقسیم پر بضد ہیں۔ اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ حافظ ابن حجر نے سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ دونوں کو ایک ہی طبقے (طبقۂ ثانیہ) میں اوپر نیچے ذکر کیا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے ایک حدیث ''عن جامع بن أبي راشد عن أبي وائل قال حذيفة ... أن رسول الله ﷺ قال: لا اعتكاف إلا في المساجد الثلاثة: المسجد الحرام و مسجد النبي ﷺ و مسجد بيت المقدس ... '' بیان کی ہے، جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ اعتکاف نہیں ہوتا: مسجدِ حرام، مسجد النبی ﷺ اور مسجد اقصیٰ: بیت المقدس۔ (دیکھئے شرح مشکل الآثار للطحاوی ۲۰۱/۷ ح ۲۷۷۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۱۶/۴، سیر اعلام النبلاء للذہبی ۸۱/۱۵ وقال الذہبی: ''صحیح غریب عال'' المعجم الاسماعیلی: ۳۲۶)

سفیان بن عیینہ سے اسے تین راویوں: محمود بن آدم المروزی، ہشام بن عمار اور محمد بن الفرج نے روایت کیا ہے اور یہ سب صدوق (سچے راوی) تھے۔

جامع بن ابی راشد ثقہ فاضل تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۸۸۷ وھو من رجال الستہ)

ابو وائل شقیق بن سلمہ ثقہ تھے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۸۱۶ وھو من رجال الستۃ ومن المخضرمین)

یہ روایت سفیان بن عیینہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جو لوگ سفیان بن عیینہ کے عنعنہ کو صحیح سمجھتے ہیں یا حافظ ابن حجر کے طبقۂ ثانیہ میں مذکورین کی معنعن

روایات کی حجیت کے قائل ہیں، انھیں چاہئے کہ وہ تین مساجد مذکورہ کے علاوہ ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہونے کا انکار کر دیں۔ دیدہ باید!

شیخ البانی اور طبقاتی تقسیم

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کا تدلیس کے بارے میں عجیب وغریب موقف تھا۔ وہ سفیان ثوری اور اعمش وغیرہما کی معنعن روایات کو صحیح سمجھتے تھے، جبکہ حسن بصری (طبقۂ ثانیہ عند ابن حجر ۲/۴۰) کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

مثلاً دیکھئے ارواء الغلیل (۲/۲۸۸ ح ۵۰۵)

بلکہ شیخ البانی نے ابو قلابہ (عبداللہ بن زید الجرمی/ طبقۂ اولیٰ عند ابن حجر ۱/۱۵) کی معنعن حدیث پر ہاتھ صاف کر لیا۔ علامہ البانی نے کہا:

''إسناده ضعيف لعنعنة أبي قلابة وهو مذكور بالتدليس ... ''

اس کی سند ابو قلابہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے اور وہ (ابو قلابہ) تدلیس کے ساتھ مذکور ہے... (حاشیہ صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۲۶۸ تحت ح ۲۰۴۳)

حافظ ابن حجر نے حسن بن ذکوان (۳/۷۰) قتادہ (۳/۹۲) اور محمد بن عجلان (۳/۸۹) وغیرہم کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے جبکہ شیخ البانی ان لوگوں کی احادیث معنعنہ کو حسن یا صحیح کہنے سے ذرا بھی نہیں تھکتے تھے۔ دیکھئے صحیح ابی داود (۱/۳۳ ح ۸، سنن ابی داود بتحقیق الالبانی: ۱۱، روایۃ الحسن بن ذکوان) الصحیحۃ (۴/۲۰۲ ح ۱۶۴۷، روایۃ قتادہ) اور الصحیحۃ (۳/۱۰۱ ح ۱۱۱۰، روایۃ ابن عجلان)

معلوم ہوا کہ البانی صاحب کسی طبقاتی تقسیمِ مدلسین کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ اپنی مرضی کے بعض مدلسین کی معنعن روایات کو صحیح اور مرضی کے خلاف بعض مدلسین (یا ابریاء من التدلیس) کی معنعن روایات کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ اس سلسلے میں اُن کا کوئی اصول یا قاعدہ نہیں تھا لہٰذا تدلیس کے مسئلے میں اُن کی تحقیقات سے استدلال غلط ومردود ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (اہل حدیث) نے ابراہیم نخعی (طبقۂ ثانیہ

۳۵/۲) کی عن والی روایت پر جرح کی اور کہا: اس کی سند میں ابراہیم نخعی مدلس ہیں، حافظ (ابن حجر) نے انھیں طبقات المدلسین میں سفیان ثوری کے طبقے میں ذکر کیا ہے اور انھوں نے اسے اسود سے عن کے ساتھ روایت کیا ہے لہٰذا نیموی کے نزدیک یہ اثر کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ (ابکار المنن ص ۲۱۴ مترجما، دوسرا نسخہ بتحقیق ابن عبدالعظیم ص ۴۳۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث علماء کے نزدیک بھی یہ طبقاتی تقسیم قطعی اور ضروری نہیں ہے بلکہ دلائل کے ساتھ اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔

آلِ تقلید اور طبقاتی تقسیم

عینی، کرمانی، قسطلانی اور نووی وغیرہم کے حوالے گزر چکے ہیں کہ وہ حافظ ابن حجر کے طبقۂ ثانیہ کے مدلسین کی معنعن روایات پر بھی جرح کرتے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ لوگ حافظ ابن حجر العسقلانی کی طبقاتی تقسیم کے قائل نہیں تھے، ورنہ ایسا کبھی نہ کرتے۔

نیموی تقلیدی نے سعید بن ابی عروبہ (طبقہ ثانیہ ۵۰/۲) کو کثیر التدلیس قرار دے کر کہا کہ اس نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے۔ (دیکھئے آثار السنن کا حاشیہ ص ۸۶ تحت ح ۵۵۰)

سرفراز خان صفدر تقلیدی دیوبندی کڑمنگی نے ابوقلابہ (طبقہ اولیٰ ۱۵/۱) کو غضب کا مدلس قرار دے کر اُن کی معنعن روایت پر جرح کی ہے۔

دیکھئے احسن الکلام (طبع دوم ج ۲ ص ۱۱۱، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۲۷)

محمد شریف کوٹلوی بریلوی، عباس رضوی بریلوی اور امین اوکاڑوی دیوبندی وغیرہم کے حوالے اس مضمون میں گزر چکے ہیں۔

ثابت ہوا کہ آلِ تقلید بھی یہ طبقاتی تقسیم صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جب فائدہ اور مرضی ہو تو بعض لوگ طبقات المدلسین کے طبقات سے استدلال بھی کر لیتے ہیں اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو ان طبقات کو پسِ پشت پھینک دیتے ہیں۔

فائدہ: امام شافعی نے یہ اصول سمجھایا ہے کہ جو شخص صرف ایک دفعہ بھی تدلیس کرے تو

اس کی وہ روایت مقبول نہیں ہوتی جس میں سماع کی تصریح نہ ہو۔ (دیکھئے الرسالہ ص ۳۷۹، ۳۸۰)

باقی ائمۂ ثلاثہ (مالک، احمد اور ابوحنیفہ) سے اس اصول کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے لہٰذا جو لوگ ائمۂ اربعہ اور چار مذاہب کے ہی برحق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، غور کریں کہ تدلیس کے مسئلے میں ائمۂ اربعہ کو چھوڑ کر وہ کس راستے پر جا رہے ہیں؟!

بعض شبہات کے جوابات

امام سفیان ثوری کی تدلیس کے سلسلے میں بعض الناس کچھ اعتراضات اور شبہات بھی پیش کرتے رہتے ہیں، ان کے مسکت اور دندان شکن جوابات درج ذیل ہیں:

۱: اگر کوئی کہے کہ ''آپ حافظ ابن حجر وغیرہ کی طبقات المدلسین کی طبقاتی تقسیم سے متفق نہیں ہیں، جیسا کہ آپ نے ماہنامہ الحدیث: ۳۳ (ص ۵۵) وغیرہ میں لکھا ہے اور دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ سفیان ثوری اور اعمش کو طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں طبقۂ ثالثہ کے مدلسین میں سے تھے۔ کیا یہ اضطراب نہیں ہے''؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک، جن راویوں پر تدلیس کا الزام ہے، اُن کے صرف دو طبقے ہیں:

طبقۂ اولیٰ: وہ جن پر تدلیس کا الزام باطل ہے اور تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ مدلس نہیں تھے مثلاً امام ابوقلابہ اور امام بخاری وغیرہما۔ [ایسے راویوں کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے۔]

طبقۂ ثانیہ: وہ جن پر تدلیس کا الزام صحیح ہے اور اُن کا تدلیس کرنا ثابت ہے مثلاً قتادہ، سفیان ثوری، اعمش اور ابن جریج وغیرہم۔

ایسے راویوں کی ہر معنعن روایت (صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں) عدمِ متابعت اور عدمِ شواہد کی صورت میں ضعیف ہوتی ہے، چاہے انھیں حافظ ابن حجر وغیرہ کے طبقۂ اولیٰ میں ذکر کیا گیا ہو یا طبقۂ ثانیہ میں۔

یہ تو ہوئی ہماری اصل تحقیق اور دوسری طرف جب میں نے کسی راوی مثلاً امام سفیان

ثوری اور اعمش وغیرہما کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے تو یہ صراحت اُن لوگوں کے لئے بطورِ الزام کی گئی ہے جو مروّجہ طبقاتی تقسیم پر کلیتاً یقین رکھتے ہیں، بلکہ اس تقسیم کا اندھا دھند دفاع بھی کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس صراحت کا یہ مقصد ہے کہ اگر آپ مروّجہ طبقاتی تقسیم کو قطعی اور یقینی سمجھتے ہیں تو پھر سُن لیں! کہ یہ راوی طبقۂ اُولیٰ یا ثانیہ میں سے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ میں سے ہیں اور یہی راجح ہے لہٰذا یہ اضطراب نہیں بلکہ ایک ہی بات ہے جسے دو عبارتوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔

۲: اگر کوئی کہے کہ آپ نے کئی سال پہلے خود ایک دفعہ سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں لکھ دیا تھا۔ (دیکھئے کتاب: جرابوں پر مسح ص ۴۰ میں آپ کا خط نوشتہ ۱۹/۸/۱۴۰۸ھ)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافی عرصہ پہلے میں یہ اعلان بھی شائع کرا چکا ہوں کہ ''میری یہ بات غلط ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں لہٰذا اسے منسوخ و کالعدم سمجھا جائے ....'' (ماہنامہ شہادت اسلام آباد مطبوعہ اپریل ۲۰۰۳ء، جزر فع الیدین ص ۲۶)

لہٰذا منسوخ اور رجوع شدہ بات کا اعتراض باطل ہے۔ نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۴۲ ص ۲۸ (واللفظ لہ)

۳: اگر کوئی کہے کہ ''آپ نے صرف حاکم نیشاپوری پر اعتماد کر کے سفیان ثوری کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے، بلکہ میں نے متعدد دلائل (مثلاً ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے) کی رُو سے سفیان ثوری کو طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے اور ان میں سے بیس سے زیادہ دلائل تو اسی مضمون میں موجود ہیں، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حبان، عینی حنفی اور ابن الترکمانی حنفی وغیرہم کے نزدیک سفیان ثوری طبقۂ ثالثہ میں سے تھے، جیسا کہ اس مضمون میں باحوالہ ثابت کر دیا گیا ہے۔

تنبیہ: اگر کسی محدث کا کوئی قول بطورِ تائید پیش کیا جائے تو بعض چالاک قسم کے لوگ اُس محدث کے دوسرے اقوال پیش کر کے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں کہ آپ ان اقوال کو

کیوں نہیں مانتے؟

عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات ہمیشہ واجب التسلیم اور حق ہے لیکن آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ اُس کی ہر بات ہمیشہ واجب التسلیم اور حق ہو بلکہ دلائل کے ساتھ اُس اُمتی شخص سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور ایسا کرنا جرم نہیں ہے لہٰذا حاکم نیشاپوری وغیرہ کو دوسرے مقامات پر اگر غلطیاں لگی ہوں تو ان سے اختلاف کرنا ہر صاحبِ فہم مسلمان کا حق ہے۔

۴: اگر کوئی کہے کہ حاکم وغیرہ نے سفیان ثوری کی بہت سی روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً دیکھئے فیصل خان نامی شخص کی کتاب: رفع یدین کے موضوع پر... نور العینین کا محققانہ تجزیہ" (ص۴۱، ۴۲)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تصحیح مقرر شدہ قاعدے سے اور اُصولِ حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط یا تساہل پر مبنی ہے۔

یاد رہے کہ حاکم وغیرہ پر متساہل ہونے کا بھی الزام ہے۔ مثلاً دیکھئے حافظ ذہبی کا رسالہ: **ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل** اور دیگر کتب

۵: اگر کوئی کہے کہ آپ نے امام شافعی رحمہ اللہ پر تدلیس کے مسئلے میں اعتماد کیا ہے، حالانکہ ان کا قول جمہور کے خلاف ہے۔!

تو جواباً عرض ہے کہ امام شافعی کا یہ فیصلہ کہ مدلس کی معنعن روایت ضعیف اور غیر مقبول ہوتی ہے، جمہور کے خلاف نہیں بلکہ جمہور محدثین کے موافق ہے جس پر ہمارا یہ مضمون بھی گواہ ہے اور اس میں بیس سے زیادہ حوالے صرف سفیان ثوری کے بارے میں پیش کئے گئے ہیں اور اُصولِ حدیث کی کتابیں بھی اسی کی مؤید ہیں، علمائے تحقیق وتخریج اور اختلافی مسائل پر لکھنے والوں کی تحریروں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

۶: اگر کوئی کہے کہ امام شافعی نے خود اپنی کتابوں میں مدلسین مثلاً سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری سے معنعن روایتیں لی ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مجرد روایت لینا یا بیان کرنا تصحیح نہیں ہوتی لہٰذا جو شخص اسے تصحیح سمجھ بیٹھا ہے تو وہ اپنی اصلاح کر لے۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ سفیان بن عیینہ سے امام شافعی کی تمام روایات سماع پر محمول ہیں۔ دیکھئے النکت للزرکشی (ص ۱۸۹) اور الفتح المبین (ص ۴۲)

سفیان ثوری سے امام شافعی کی معنعن روایات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ امام شافعی ان روایات کو صحیح سمجھتے تھے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ کتاب الام وغیرہ سے امام شافعی کہ وہ روایت مع مکمل سند و متن پیش کریں، جس میں سفیان ثوری کا تفرد ہے، روایت معنعن ہے اور امام شافعی نے اسے سندہ صحیح یا سندہ حسن فرمایا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ اعتراض باطل ہے۔

۷: اگر کوئی کہے کہ سفیان ثوری کی بہت سی روایات کتبِ حدیث میں عن کے ساتھ موجود ہیں مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، سنن ابی داود، سنن ترمذی، مسند احمد اور مسند ابی یعلیٰ وغیرہ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتبِ حدیث کے تین طبقات ہیں:

اول: صحیح بخاری اور صحیح مسلم

ان دونوں کتابوں کو اُمت کی تلقی بالقبول حاصل ہے لہٰذا ان دو کتابوں میں مدلسین کی روایات سماع، متابعات اور شواہد معتبرہ کی وجہ سے صحیح ہیں۔

دوم: صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان وغیرہما

ان کتابوں کو تلقی بالقبول حاصل نہیں لہٰذا ان کے ساتھ اختلاف کیا جا سکتا ہے مثلاً صحیح ابن خزیمہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت صرف سفیان ثوری کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے اور مؤمل بن اسماعیل پر جمہور محدثین بشمول امام یحییٰ بن معین کی توثیق کے بعد اعتراض مردود ہے۔ دیکھئے میرا مضمون: اثبات التعدیل فی توثیق مؤمل بن اسماعیل (علمی مقالات ج ۱ ص ۴۱۷۔۴۲۷)

سوم: سنن ابی داود، سنن ترمذی، مسند ابی یعلیٰ اور مسند احمد وغیرہ

ان کتابوں کے مصنفین نے اپنی کتابوں کے بارے میں صحیح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا لہٰذا ان کتابوں میں مجرد روایت کی بنا پر یہ کہنا غلط ہے کہ صاحبِ کتاب نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

ایک شخص نے ان کتابوں میں سے بعض روایات کی تخریج کر کے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ یہ روایتیں ان کے نزدیک صحیح ہیں، حالانکہ یہ دعویٰ بالکل جھوٹ ہے۔

انھی کتابوں میں اہلِ حدیث کی مستدل بہت سی روایات موجود ہیں، تو کیا وہ شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ تمام روایتیں ان کتابوں کے مصنفین کے نزدیک صحیح ہیں؟

۸: بعض الناس نے امام شافعی اور جمہور محدثین کے خلاف یہ قاعدہ بنایا ہے کہ اگر راوی کثیر التدلیس ہو تو اس کی معنعن روایت ضعیف ہوگی اور اگر قلیل التدلیس ہو تو اس کی روایت صحیح ہوگی۔

عرض ہے کہ یہ قاعدہ غلط ہے، جیسا کہ اس مضمون کے بیس سے زیادہ حوالوں سے ثابت ہے۔

امام ابن المدینی کا قول کہ لوگ سفیان ثوری کی روایتوں میں یحییٰ بن سعید القطان کے محتاج ہیں، اس کی واضح دلیل ہے کہ سفیان ثوری کثیر التدلیس تھے، ورنہ لوگوں کا محتاج ہونا کیسا ہے؟ غالباً یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کے عالم مسفر بن غرم اللہ الدمینی نے لکھا ہے:

''و تدليسه كثير'' اور سفیان ثوری کی تدلیس بہت زیادہ ہے۔

(التدلیس فی الحدیث ص ۲۶۶)

تنبیہ: مسفر مذکور کا اہلِ حدیث یا غیر مقلد ہونا صراحتاً ثابت نہیں ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اُن کا کیا مسلک ہے؟

ابوزرعہ ابن العراقی نے کہا: ''مشهور بالتدليس'' یعنی سفیان ثوری تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں۔ (کتاب المدلسین: ۲۱)

۹: اگر کوئی کہے کہ حافظ العلائی وغیرہ نے سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں لکھا ہے، جن کی

تدلیس کو اماموں نے محتمل (قابلِ برداشت) قرار دیا ہے۔ (دیکھئے جامع التحصیل ص ۱۱۳)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ العلائی نے زہری (۳/۱۰۲) حمید الطّویل (۳/۷۱) ابن جریج (۳/۸۳) اور ہشیم بن بشیر (۳/۱۱۱) کو بھی اسی طبقۂ ثانیہ میں ثوری کے ساتھ ذکر کیا ہے، حالانکہ ان سب کو حافظ ابن حجر نے طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ امام دار قطنی رحمہ اللہ سے ابن جریج کی تدلیس (معنعن روایت) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

''**یتجنب تدلیسه فإنه و حش التدلیس، لا یدلّس إلا فیما سمعه من مجروح ...**'' ان کی تدلیس (عن والی روایت) سے اجتناب کرنا (یعنی سختی سے بچنا) چاہئے کیونکہ اُن کی تدلیس وحشت ناک ہے، وہ صرف مجروح سے ہی تدلیس کرتے تھے... (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۲۶۵)

امام احمد بن صالح المصری نے فرمایا کہ اگر ابن جریج سماع کی تصریح نہ کریں تو اُس (روایت) کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۱۰)

ہشیم بن بشیر کے بارے میں ابن سعد نے کہا: ''.... **وما لم یقل فیه أخبرنا فلیس بشيء**'' جس میں وہ سماع کی تصریح نہ کریں تو وہ کچھ چیز نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ۷/۳۱۳)

معلوم ہوا کہ جس طرح ابن جریج اور ہشیم کو طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے، اُسی طرح سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور اعمش کو بھی طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا غلط ہے۔

۱۰: اگر کوئی کہے کہ آپ کی کتاب: نور العینین کے رد میں ایک کتاب: ''محققانہ تجزیہ'' لکھی گئی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کتاب میں صاحبِ کتاب نے ترکِ رفع یدین والی روایت میں سفیان ثوری کے سماع کی تصریح پیش نہیں کی اور نہ معتبر متابعت ثابت کی ہے۔ اس کتاب میں سفیان ثوری کی تدلیس (معنعن روایت) کا دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے، جو کہ ہمارے اس تحقیقی مضمون کی رُو سے باطل ہے۔

اس شخص نے حدیث کی کتابوں میں سے سفیان ثوری کی بہت سی معنعن مرویات پیش

کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ محدثین کرام سفیان ثوری کی معنعن روایات کو حجت سمجھتے تھے، حالانکہ یہ تاثر باطل ہے اور اس طرح کی مرویات کتبِ احادیث سے ہر مدلس راوی کی پیش کی جاسکتی ہیں، جنھیں نہ بریلوی حضرات تسلیم کرتے، نہ دیوبندی اور نہ حنفی حضرات ہی تسلیم کرتے ہیں۔ ایسا طریقۂ کار کبھی اختیار نہیں کرنا چاہئے، جس کی وجہ سے تمام مدلسین کی تمام معنعن روایات صحیح قرار دی جائیں اور علمِ تدلیس فضول ہو جائے۔

بعض نے امام دارقطنی کی کتاب العلل (۵/۱۷۱، ۱۷۳ رقم ۸۰۴) سے ابوبکر النہشلی اور عبداللہ بن ادریس کی متابعات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ یہ حوالہ بالکل بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور دنیا کی کسی کتاب میں صحیح یا حسن لذاتہ سند کے ساتھ ابوبکر النہشلی یا عبداللہ بن ادریس کی روایتِ مذکورہ میں لفظی یا معنوی (مفہوماً) متابعت ثابت نہیں ہے۔

بعض الناس نے لکھا ہے:

''امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حدث به الثوری عنه '' کے لفظ لکھے۔ جس سے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے صیغہ تحدیث ثابت ہوتے ہیں...'' (محققانہ تجزیہ ص ۹۲)

یہ استدلال دو وجہ سے مردود ہے:

۱: امام دارقطنی کی پیدائش سے بہت عرصہ پہلے امام سفیان ثوری فوت ہو گئے تھے لہٰذا یہ قول بے سند ہے۔

۲: حدث به الثوري عنه کا مطلب یہ ہے کہ ثوری نے اس سے حدیث بیان کی ہے لہٰذا اس سے سماع کیسے ثابت ہو گیا؟ اس میں سماع کی تصریح ہی نہیں لیکن بعض الناس ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

ایک شخص نے امام سفیان ثوری کی معنعن حدیث کے دس (۱۰) شواہد بنانے کی کوشش کی ہے جن میں نمبر ا سے نمبر ۹ تک سب موقوف و مقطوع روایات اور ضعیف و مردود ہیں۔ ابراہیم نخعی مدلس تھے لہٰذا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے (جو اُن کی پیدائش سے پہلے وفات پا گئے تھے)

اُن کی ہر روایت مردود ہے، چاہے انھوں نے ایک جماعت (مجہولین) سے ہی سنا ہو۔

عبدالرزاق، حماد بن ابی سلیمان، ابن عیینہ، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی سب مدلس تھے لہٰذا اُن کی معنعن روایات مردود کے حکم میں ہیں۔ آخری روایت میں محمد بن جابر جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف تھا۔ حماد اور ابراہیم دونوں مدلس تھے اور روایت معنعن ہے۔

مختصر یہ کہ یہ تمام شواہد مردود ہیں اور بات سفیان ثوری کی تدلیس میں ہی پھنسی ہوئی ہے۔

اب آخر میں صاحبِ محققانہ تجزیہ (فیصل خان بریلوی) کے پانچ جھوٹ باحوالہ اور ان کا ردپیشِ خدمت ہیں:

۱: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایتِ مذکورہ کے بارے میں فیصل مذکور نے طحاوی حنفی کی کتاب شرح معانی الآثار (۱/۱۵۴، ۱/۲۲۴) سے تصحیح نقل کی ہے۔ (محققانہ تجزیہ ص۱۲۲) حالانکہ طحاوی نے اس روایت کو صراحتاً صحیح نہیں کہا لہٰذا یہ طحاوی پر جھوٹ ہے۔

۲: روایتِ مذکورہ کے بارے میں اس شخص نے حافظ ابن حجر کی کتاب الدرایہ (۱/۱۵۰) سے نقل کیا: ''صحیح'' (محققانہ تجزیہ ص۱۲۳)

اور یہ کالا جھوٹ ہے۔

۳: روایتِ مذکورہ کے بارے میں اس نے مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی تعلیقاتِ سلفیہ (۱۲۳) سے نقل کیا: ''صحیح'' (محققانہ تجزیہ ص۱۲۵)

مولانا عطاء اللہ نے اس حدیث کو قطعاً صحیح نہیں کہا بلکہ ابوالحسن سندھی کا حاشیہ نقل کر کے س کا حرف لکھ دیا ہے۔ (دیکھئے تعلیقاتِ سلفیہ ص۱۲۳، حاشیہ۴) لہٰذا عبارتِ مذکورہ میں صاحبِ تجزیہ نے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔

۴: صاحبِ محققانہ تجزیہ نے کہا:

''کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بعد والا قول بھی یہی ہے کہ ان دونوں حضرات سے (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) ترک رفع یدین ثابت ہے۔'' (محققانہ تجزیہ ص۱۰۷)

یہ بھی بالکل کالا جھوٹ ہے۔

۵: صاحبِ تجزیہ نے کہا: ''زبیر علیزئی صاحب امام بزار رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کرتے ہیں اور ان کی توثیق کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کا قول کیسے پیش کر سکتے ہیں۔'' (محققانہ تجزیہ ص ۱۱۵)

یہ جھوٹ ہے کیونکہ میرے نزدیک امام بزار ثقہ یخطی اور صدوق حسن الحدیث ہیں اور متعدد مقامات پر میں نے ان کی بیان کردہ احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

مثلاً دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۱۱۲)

ماہنامہ الحدیث (۲۳ ص ۳۰) میں بھی خطیب بغدادی اور ابو عوانہ وغیرہما سے محدث بزار کا ثقہ وصدوق ہونا نقل کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ اس شخص کے اور بھی بہت سے جھوٹ ہیں مثلاً مسند احمد میں مجرد روایت کی وجہ سے امام احمد بن حنبل سے ''احتج بہ'' نقل کرنا، وغیرہ دیکھئے محققانہ تجزیہ (ص ۱۲۲)

اس شخص کی جہالتیں بھی بہت زیادہ ہیں مثلاً:

''حدث به الثوري عنه'' کو سماع پر محمول کرنا۔ (تجزیہ ص ۹۲)

اور یہ کہنا کہ ''ویسے بھی ثم لا یعود کے بغیر بھی احناف کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔'' (تجزیہ ص ۱۱۹)

حالانکہ اس ضعیف روایت میں ''ثم لا يعود'' اور اس کے مفہوم کی زیادت جب باطل ثابت ہوگئی ہے تو بریلویوں دیوبندیوں کا دعویٰ اور اس کی بنیاد ہی ختم ہوگئی ہے، ساری عمارت دھڑام سے زمین بوس ہوگئی ہے، جس سے ''بھٹہ'' ہی بیٹھ گیا ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ہمارے اس مدلل اور تحقیقی مضمون میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ترک رفع یدین والی روایت میں سفیان ثوری مدلس ہیں جو طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں لہٰذا ان کی یہ معنعن روایت ضعیف ومردود ہے۔

دنیا کی کسی کتاب میں روایتِ مذکورہ میں امام سفیان ثوری کے سماع کی تصریح موجود نہیں اور نہ کوئی معتبر متابعت ہی کہیں موجود ہے۔

اہلِ ایمان کو چاہئے کہ ضد وعناد کو چھوڑ کر حق کو تسلیم کریں کیونکہ اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ وما علينا إلا البلاغ (۱۲/ ستمبر ۲۰۰۹ء، ۲۱/ رمضان ۱۴۳۰ھ)

امام بخاری تدلیس سے بَری تھے

سوال ایک دیوبندی نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا تھا کہ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ''طبقات المدلسین'' میں امام بخاری رحمہ اللہ کو مدلس کہا ہے لیکن پڑھنے پر پتا چلا کہ امام موصوف نے امام ابن مندہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے اور اس کا رد بھی کیا ہے۔ قول یہ ہے: '' أخرج البخاري قال فلان وقال لنا فلان ، وھو تدلیس '' مجھے جاننا یہ ہے کہ ایسی بات کا کہنا امام بخاری کی کس کتاب سے ثابت ہے؟ اور کیا یہ بات کہنا ''قال فلان و قال لنا فلان'' تدلیس کے ضمن میں آتا ہے؟ (محمد وقاص زبیر، راولپنڈی)

الجواب صحیح بخاری (۵۵۹۰) میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وقال هشام بن عمار...'' حافظ ابن حزم نے اس روایت پر جرح کی ہے لیکن یہ روایت نہ منقطع ہے اور نہ مدلَّس بلکہ متصل اور صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے فتح الباری دیکھیں۔ غیر مدلس راویوں کا '' قال فلان '' یا '' قال لنا فلان '' کہنا کبھی تدلیس نہیں کہلاتا۔ مثلاً مشہور ثقہ تابعی ابو جمرہ فرماتے ہیں: ''قال لنا ابن عباس....'' (صحیح بخاری:۳۵۲۲م)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ابو جمرہ نصر بن عمران الضبعی البصری رحمہ اللہ کا مدلس ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔ ابن عون نے فرمایا: ''قال لنا إبراهيم ..'' (صحیح مسلم ترقیم دارالسلام:۵۰)

ابراہیم نخعی کے شاگرد ابو عون عبداللہ بن عون بن ارطبان البصری المزنی اور عمرو بن مرہ کے بارے میں امام شعبہ نے فرمایا: ''ما رأيت أحدًا من أصحاب الحديث إلا يدلس إلا ابن عون وعمرو بن مرة'' میں نے اصحابِ حدیث میں سے جنھیں دیکھا ہے، وہ سب تدلیس کرتے تھے سوائے ابن عون اور عمرو بن مرہ کے۔

(مسند ابن الجعد: ۵۰ روایۃ البغوی وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ا/ ۲۷ ح ۵۲، تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۲/ ۲۲۲)

یعنی امام شعبہ کے نزدیک ابن عون تدلیس نہیں کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ''قال فلان'' یا ''قال لنا فلان'' کی وجہ سے امام بخاری کو مدلس قرار دینا غلط ہے۔ غالباً اسی وجہ سے

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کی مخلوقات میں سے امام بخاری سب سے زیادہ تدلیس سے دور ہیں۔ (اغاثۃ اللہفان ۱/۲۶۰، الفتح المبین ص ۲۸) [۱۰/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

[الحدیث:۴۳]

کیا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تدلیس کرتے تھے؟

سوال درج ذیل کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ امام شعبہ فرماتے تھے:

"کا ن أبو هريرة يدلس" یعنی ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) تدلیس کرتے تھے۔

سیر اعلام النبلاء (۲/۶۰۸ ت ۱۲۶) البدایہ والنہایہ لابن کثیر (۸/۱۱۲ قال: ذکرہ ابن عساکر) دفاع عن ابی ہریرہ (ص ۱۲۵ تصنیف: عبدالمنعم صالح العلی العزی) الانوار الکاشفہ (۱۶۳ تصنیف: عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی)

یہی قول ماہنامہ "دعوت أهل حديث" ج ۴ شمارہ: ۳، رجب ۱۴۲۵ھ بمطابق ستمبر ۲۰۰۴ء میں ص ۱۸ پر بغیر کسی قوی رد کے نقل کیا گیا ہے۔ کیا یہ قول امام شعبہ سے باسند صحیح ثابت ہے؟ تحقیق کر کے جواب دیں اور توضیح الاحکام میں بھی شائع کر دیں۔ شکریہ

(نصیر احمد کاشف، راولپنڈی)

الجواب یہ قول تاریخ دمشق لابن عساکر میں درج ذیل سند کے ساتھ موجود ہے:

"أخبرنا أبو القاسم بن السمر قندي :أنا أبو القاسم بن مسعدة :أنا حمزة بن يوسف :أنا أبو أحمد :أنا الحسن بن عثمان التستري:ناسلمة بن حبيب قال:سمعت يزيد بن هارون قال:سمعت شعبة يقول: أبو هريرة يدلس"

(ج ۶۷ ص ۳۶۶)

اس روایت میں ابو احمد سے مراد امام عبداللہ بن عدی الجرجانی ہیں اور یہ روایت اُن کی کتاب الکامل فی ضعفاء الرجال میں درج ذیل سند کے ساتھ موجود ہے:

"أخبرنا الحسن بن عثمان التسترى :ناسلمة بن شبيب قال:سمعت شعبة

يقول :أبو هريرة كان يدلس " (ج۱ص۸۱)

ان دونوں روایتوں کو ملانے سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱) تاریخ دمشق میں "سلمہ بن حبیب" کا نام غلط چھپ گیا ہے۔

اور صحیح "سلمۃ بن شبیب" ہی ہے جیسا کہ الکامل لابن عدی میں لکھا ہوا ہے۔ تہذیب الکمال للمزی میں سلمہ بن شبیب کے استادوں میں یزید بن ہارون ، اور یزید بن ہارون کے شاگردوں میں سلمہ بن شبیب ہی مذکور ہے۔

۲) کامل ابن عدی میں ناسخ یا ناشر کی غلطی سے سلمہ بن شبیب اور شعبہ کے درمیان یزید بن ہارون کا واسطہ گر گیا ہے۔ شعبہ کے شاگردوں میں سلمہ بن شبیب کا نام ونشان نہیں ہے اور نہ سلمہ کی شعبہ سے ملاقات کا کہیں ثبوت ہے۔ یہ دونوں سندیں حقیقت میں ایک ہی سند ہے اور اس کا بنیادی راوی الحسن بن عثمان التستری بڑا جھوٹا (کذاب) اور سارق (چور) ہے۔

امام ابن عدی نے اس التستری کے بارے میں فرمایا: " كان عندي يضع ويسرق حديث الناس ، سألت عبدان الأهوازي عنه فقال : هو كذاب "

وہ میرے نزدیک حدیثیں گھڑتا تھا اور لوگوں کی احادیث چوری کرتا تھا۔ میں نے عبدان الاہوازی سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔

(الکامل ج۲ص۷۵۶)

امام ابو علی النیسابوری نے فرمایا: "هو كذاب يسرق الحديث"

وہ جھوٹا ہے، حدیثیں چوری کرتا تھا۔ (لسان المیزان ۲/۲۲۰ وطبعہ جدیدہ ج۲ص۴۱۱)

نتیجہ: یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ امام شعبہ اس سے بری ہیں۔ انھوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ باطل کلام " کان یدلس " فرمایا ہی نہیں ہے، لہٰذا منکرین حدیث کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس موضوع، باطل اور من گھڑت قول سے استدلال مردود و باطل ہے۔

تنبیہ: حافظ ابن کثیر نے امام شعبہ کی طرف منسوب اس موضوع و باطل قول کے بعد لکھا

ہے:"أي يروي ماسمعه من كعب وماسمعه من رسول الله ﷺ ولا يميز هذا من هذا ـ ذكر ابن عساكر"

یعنی وہ کعب (الاحبار) سے سُنی ہوئی روایتیں بیان کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے (بھی) سُنی ہوئی روایتیں بیان کرتے اور ایک روایت کی دوسری روایت سے تمیز نہ کرتے تھے۔

اسے ابن عساکر نے ذکر کیا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ۱۱۲/۸)

"ولا یمیز هذا من هذا" کا درج ذیل ترجمہ بھی ہو سکتا ہے: اور ایک روایت کی دوسری روایت سے تمیز نہ ہوتی۔

بہر حال ترجمہ جو بھی ہو یہ عبارت تاریخ دمشق میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تاریخ دمشق میں لکھا ہوا ہے کہ بسر بن سعید نے کہا:

"اتقوا الله وتحفظوا من الحديث، فوالله لقد رأيتنا نجالس أبا هريرة فيتحدث عن رسول الله ﷺ، ويحدثنا عن كعب، ثم يقوم، فأسمع بعض من كان معنا يجعل حديث رسول الله ﷺ عن كعب وحديث كعب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم"

اللہ سے ڈرو اور حدیثیں خوب یاد کرو، اللہ کی قسم! ہم (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس بیٹھتے تو وہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں سناتے تھے اور (بعض اوقات) کعب (الاحبار) کے اقوال (بھی) سُناتے تھے۔

پھر وہ اُٹھ جاتے تو میں اپنے بعض (ضعیف ومجہول) ساتھیوں سے سنتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو کعب (الاحبار) کا قول اور کعب کے قول کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بنا دیتے تھے۔ (ج ۶۷ص ۲۶۶)

معلوم ہوا کہ یہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی غلطی نہیں ہے بلکہ ان ضعیف ومجہول راویوں کی غلطی ہے جو ایسی عجیب حرکت کرتے تھے، اس سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بری ہیں لہٰذا ابن کثیر کے قول:"ولا یمیز هذا من هذا" سے مراد وہ ضعیف ومجہول راوی ہیں جو حدیث اور قول

میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔

محدثین کرام سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ضعیف و مجہول شاگردوں کی روایتوں سے حجت نہیں پکڑتے بلکہ ثقہ و صدوق شاگردوں کی روایتوں سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

[الحدیث:۲]

صحیح مسلم کی ایک حدیث اور حافظ ابن عبدالبر

سوال امام ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب ''بلوغ المرام من أدلة الأحكام'' کتاب الصلاۃ کے باب صفۃ الصلاۃ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح مسلم کے حوالے سے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''أخرجه مسلم وله علة''

اس صحیح مسلم کی حدیث میں علت کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ (محمد وقاص زبیر، راولپنڈی)

الجواب بلوغ المرام (ح ۲۱۵ تحقیقی) والی روایت صحیح مسلم (۴۹۸) میں موجود ہے۔ حافظ ابن حجر کے نزدیک علت یہ ہے کہ حافظ ابن عبدالبر نے یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ (اس سند کے راوی) ابوالجوزاء نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے نہیں سنا۔ یعنی ابن عبدالبر کے نزدیک یہ روایت منقطع ہے۔ حافظ ابن عبدالبر کا یہ قول مرجوح ہے اور راجح یہی ہے کہ صحیح مسلم کی یہ روایت صحیح متصل ہے لہٰذا ''وله علة'' کہنا چنداں مضر نہیں ہے۔ [۱۰/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

[الحدیث:۴۳]

امام عبدالعزیز الدراوردی المدنی رحمہ اللہ اور جمہور کی توثیق

سوال کیا امام عبدالعزیز الدراوردی کی توثیق جمہور محدثین سے ثابت ہے؟

(وقاص زبیر، متعلم جامعہ سلفیہ)

الجواب جی ہاں! جمہور محدثین نے امام عبدالعزیز مذکور کی توثیق کر رکھی ہے، جس کی مفصل تحقیق ایک مضمون کی شکل میں پیشِ خدمت ہے:

امام ابو محمد عبدالعزیز بن محمد بن عبید الدراوردی المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۷ھ) کے بارے میں محدثین کرام کا جرح وتعدیل میں اختلاف ہے۔اس اختلاف کو فیصلہ کن طور پر حل کرنے کے لئے سب سے پہلے امام عبدالعزیز الدراوردی کی توثیق وتعدیل کے حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱) اسماء الرجال کے مشہور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: آپ کے نزدیک سلیمان بن بلال زیادہ محبوب ہیں یا دراوردی؟ تو انھوں نے فرمایا: ''**سليمان و كلا هما ثقة** ''سلیمان (زیادہ محبوب ہیں) اور دونوں ثقہ ہیں۔ (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۳۸۹)

امام ابوبکر بن ابی خیثمہ کی روایت ہے کہ (امام) ابن معین نے فرمایا:

''**الدراوردي صالح، ليس به بأس**'' (کتاب الجرح والتعدیل ۳۹۶/۵ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن معین نے کہا: میں جس کو **ليس به بأس** کہوں تو وہ ثقہ (ہوتا) ہے۔

(الکفایہ للخطیب ص۲۲ وسندہ صحیح، تاریخ ابن ابی خیثمہ ص ۵۹۲ ح ۱۴۲۳، وسندہ صحیح)

۲) امام ابوالحسن العجلی رحمہ اللہ نے کہا: ''**(مدني) ثقة**'' (تاریخ العجلی: ۱۰۱۶)

۳) امام مالک اور دراوردی کے شاگرد مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن الزبیر القرشی الاسدی الزبیری رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۶ھ) نے کہا: ''**مالك بن أنس يوثق الدراوردي** ''مالک بن انس دراوردی کو ثقہ کہتے تھے۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۳۹۵/۵ وسندہ صحیح)

۴) اسماء الرجال کے دوسرے مشہور امام علی بن المدینی نے فرمایا:

''**هو عندنا ثقة ثبت**'' وہ ہمارے نزدیک ثقہ ثبت (اعلیٰ درجے کے ثقہ) ہیں۔

(سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ الصدوق: ۱۶۰)

۵) امام بخاری نے (میرے علم کے مطابق) عبدالعزیز الدراوردی سے صحیح بخاری میں چودہ (۱۴) روایتیں لی ہیں یا متابعات میں ذکر کیا ہے:

صحیح بخاری: ح ۵۲۸، ۱۶۰۷، ۲۰۱۸، ۲۵۱۹، ۳۸۸۵، ۴۲۴۶-۴۲۴۷، ۴۷۹۸، ۴۸۹۸،

۵۵۰۷، ۶۳۵۸، ۶۵۶۴، ۶۹۸۹، ۷۰۴۵، ۷۳۹۸ ۔

فائدہ: امام بخاری نے امام حماد بن سلمہ سے صحیح بخاری میں استشہاد کیا ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے محمد بن طاہر المقدسی (متوفی ۵۰۷ھ) نے کہا: "بل استشهد به في مواضع ليبين أنه ثقة" بلکہ انھوں (بخاری) نے کئی مقامات پر اس کے ساتھ استشہاد کیا تاکہ یہ بیان کر دیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ (شروط الائمۃ الستۃ ص ۱۸، یا ص ۲)

دوسرے دلائل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے معلوم ہوا کہ امام بخاری جس راوی کی روایت صحیح بخاری میں لائیں، اور اُس پر اُن کی جرح ثابت نہ ہو تو وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔

۶) امام مسلم نے (میرے علم کے مطابق) صحیح مسلم میں عبدالعزیز الدراوردی سے ساٹھ (۶۰) روایتیں بیان کی ہیں:

صحیح مسلم: ح ترقیم دارالسلام ۱۲۶، ۱۵۱، ۱۸۰، ۲۰۶، ۳۱۰، ۳۱۲، ۶۶۰، ۷۵۴، ۸۱۳، ۹۳۳، ۹۸۶، ۱۳۹۸، ۱۸۴۷، ۲۰۲۷، ۲۱۲۴، ۲۱۳۳، ۲۱۸۲، ۲۲۴۹، ۲۲۵۲، ۲۲۹۳، ۲۶۱۱، ۲۷۱۲، ۲۷۷۰، ۳۳۱۳، ۳۳۳۵، ۳۳۵۲، ۳۳۶۹، ۳۴۸۹، ۳۷۶۱، ۴۲۲۱، ۴۲۲۴، ۴۲۴۹، ۴۲۷۸، ۴۴۸۷، ۴۷۷۰، ۴۹۶۰، ۵۲۱۷، ۵۳۲۰، ۵۳۷۸، ۵۵۴۷، ۵۵۶۴، ۵۶۶۱، ۵۶۹۹، ۶۲۴۷، ۶۴۲۳، ۶۵۳۵، ۶۵۳۷، ۶۵۴۵، ۶۶۹۸، ۶۷۰۶، ۶۷۰۸، ۶۷۴۰، ۶۷۶۱، ۶۹۹۹، ۷۱۲۲، ۷۲۰۵، ۷۳۰۷، ۷۳۰۸، ۷۴۱۷، ۷۴۸۲۔

چونکہ امام مسلم سے عبدالعزیز الدراوردی پر کوئی جرح ثابت نہیں لہٰذا وہ امام مسلم کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔ حاکم نے کہا: (امام) مسلم نے عبدالعزیز بن محمد کے ساتھ حجت پکڑی (یعنی اُن سے بطورِ حجت روایت لی) ہے۔ (المستدرک ۱/۲۰۵ ح ۴۳۸)

۷) امام ترمذی نے عبدالعزیز بن محمد کی روایت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"هذا حديث حسن صحيح" (سنن الترمذی: ۷۵)

معلوم ہوا کہ وہ امام ترمذی کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

نیز دیکھئے سنن الترمذی (۹۴۸ ...وغیرہ)

۸) امام ابوعوانہ الاسفرائنی نے صحیح ابی عوانہ میں عبدالعزیز الدراوردی سے روایت بیان کی ہے۔ (دیکھئے مسند ابی عوانہ ج ۱ ص ۳۵ ح ۸۱)

۹) امام ابن خزیمہ نے عبدالعزیز بن محمد کی روایت سے صحیح ابن خزیمہ میں حجت پکڑی۔

(دیکھئے ج ۱ ص ۳۸۱ ح ۷۷۸ وغیرہ)

۱۰) امام ابن الجارود نے اپنی مشہور کتاب المنتقیٰ میں عبدالعزیز بن محمد کی روایت سے استدلال کیا۔ دیکھئے المنتقیٰ (ح ۴۶۰)

اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے ایک روایت کے بارے میں کہا:

"و أورد هذا الحديث ابن الجارود في المنتقى فهو صحيح عنده فإنه لا يأتي إلا بالصحيح كما صرح به السيوطي في ديباجة جمع الجوامع"

اس حدیث کو ابن الجارود نے منتقیٰ میں بیان کیا ہے، پس یہ اُن کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ وہ اس (کتاب) میں صرف صحیح (حدیث) ہی لاتے ہیں جیسا کہ سیوطی نے جمع الجوامع کے دیباچے میں صراحت کی ہے۔ (بوادر النوادر ص ۱۳۵، ترجمہ از ناقل)

۱۱) حاکم نے اپنی مشہور کتاب **المستدرك على الصحيحين** میں عبدالعزیز بن محمد کی روایت کو "**صحيح الإسناد**" کہا۔

دیکھئے المستدرک (ج ۱ ص ۲۰۵ ح ۳۸۷، نیز دیکھئے ۱/۲۱۹ ح ۷۹۸)

۱۲) امام حسین بن مسعود البغوی نے عبدالعزیز بن محمد کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا: "**هذا حديث صحيح**" یہ حدیث صحیح ہے۔ (شرح السنۃ ۱/۵۲ ح ۲۴)

۱۳) الضیاء المقدسی نے عبدالعزیز بن محمد کی روایت کو المختارہ میں ذکر کیا۔

دیکھئے الاحادیث المختارۃ (ج ۴ ص ۳۷۲ ح ۱۴۶۸)

۱۴) امام ابوحفص عمر بن احمد بن شاہین الواعظ رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) نے عبدالعزیز بن محمد کو کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ دیکھئے ص ۱۶۲، فقرہ: ۹۳۴۔۹۳۵

۱۵) حافظ ابن حبان نے عبدالعزیز الدراوردی کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا:

" وكان يخطئ "اور وہ غلطی کرتے تھے۔ (ج ۷ ص ۱۱۶)

خود حافظ ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں عبدالعزیز بن محمد مذکور سے بہت سی روایتیں بیان کی ہیں۔ مثلاً دیکھئے صحیح ابن حبان (۱۵۲، ۱۷۴، ۲۲۰...اور فہرست صحیح ابن حبان ج ۱۸ ص ۱۷۱)

فہرست کے مطابق ۹۳ روایات ہیں، جن سے ثابت ہوا کہ یہاں ابن حبان کے نزدیک "يخطئ" سے مراد عبدالعزیز کا ضعیف ہونا نہیں ہے، ورنہ وہ ان کی بہت سی روایتوں کو صحیح قرار نہ دیتے۔

حافظ ابن حبان نے عبدالعزیز مذکور کو کتاب "مشاہیر علماء الامصار" میں ذکر کیا اور کہا:

وہ اہلِ مدینہ کے فقہاء اور سادات (سرداروں) میں سے تھے۔ (ص ۱۴۲ ت ۱۱۲۰)

۱۶) ابو نعیم الاصبہانی نے المستخرج علیٰ صحیح مسلم میں عبدالعزیز بن محمد الدراوردی سے روایت بیان کی۔ دیکھئے ج ۱ ص ۱۵۸ ح ۲۴۰

۱۷) بیہقی نے عبدالعزیز الدراوردی کی ایک موقوف روایت کے بارے میں کہا:

" **هذا هو الصحيح موقوف** " یہ موقوف روایت صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ ۷/ ۴۶۲)

۱۸) حافظ ذہبی نے کئی مقامات پر تلخیص المستدرک میں عبدالعزیز رحمہ اللہ کی روایات کو صحیح کہا۔ مثلاً دیکھئے یہی مضمون فقرہ نمبر ۱۱

اور کہا: " **الإمام العالم المحدّث** " (سیر اعلام النبلاء ۸/ ۳۶۶)

حافظ ذہبی نے مزید فرمایا: "**حديثه في دواوين الإسلام الستة لكن البخاري روى له مقروناً بشيخ آخر و بكل حال فحديثه و حديث ابن أبي حازم لا ينحط عن مرتبة الحسن** "اُن کی حدیث اسلام کی چھ (اہم) کتابوں میں ہے لیکن بخاری نے دوسرے راوی کو ملا کر ان سے روایت لی اور ہر حال میں اُن کی اور ابن ابی حازم کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔ (النبلاء ۸/ ۳۶۸)

۱۹) ابن عبدالبر نے عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا: " **وهذا حديث مدني صحيح** " اور یہ حدیث مدنی (اور) صحیح ہے۔

(التمہید ج ۲۴ ص ۳۳۴)

۲۰) امام شعبہ نے عبدالعزیز الدراوردی سے روایت بیان کی۔
دیکھئے تہذیب الکمال (طبع مؤسسۃ الرسالہ ج ۴ ص ۵۲۸)

امام شعبہ (عام طور پر) اپنے نزدیک ثقہ سے روایت کرتے تھے۔
دیکھئے مقدمۃ تہذیب التہذیب (ج ۱ ص ۵) اور قواعد فی علوم الحدیث لظفر احمد التھانوی الدیوبندی (اعلاء السنن ج ۱۹ ص ۲۱۷)

شعبہ سے دراوردی پر کوئی جرح ثابت نہیں لہٰذا تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوا کہ اُن کے نزدیک دراوردی ثقہ (یا صدوق) تھے۔

۲۱) امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے عبدالعزیز بن محمد سے روایت بیان کی۔
دیکھئے تہذیب الکمال (۴/۵۲۸)

عبدالرحمٰن بن مہدی (عام طور پر) اپنے نزدیک صرف ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔ دیکھئے تدریب الراوی (ج ۱ ص ۳۱۷) اور اعلاء السنن (ج ۱۹ ص ۲۱۶)

یہاں عبدالعزیز مذکور پر عبدالرحمٰن بن مہدی کی جرح نہ ہونے کی صورت میں روایت کرنا اُن کی طرف سے توثیق ہے۔

۲۲) حافظ نور الدین الہیثمی نے عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کی سند والی روایت کے بارے میں کہا: '' و رجاله ثقات '' اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۶۸)

۲۳) حافظ ابن الملقن نے عبدالعزیز بن محمد کی ایک روایت کے بارے کہا:
'' و إسناده علی شرط الصحیح ، عبدالعزیز من رجال الصحیحین ... ''
اور اس کی سند صحیح کی شرط پر ہے، عبدالعزیز صحیحین کے راویوں میں سے ہیں...

(البدر المنیر ج ۸ ص ۲۸۰)

۲۴) حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: '' صدوق '' وہ سچے راوی ہیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۴۹۵ تحت ح ۱۶۳۸۔۱۶۴۰)

اور کہا: ''صدوق، كان يحدث من كتب غيره فيخطئ، قال النسائي: حديثه عن عبيدالله العمري منكر'' سچے راوی ہیں، وہ دوسروں کی کتابوں سے حدیث بیان کرتے تو غلطی کرتے تھے، اُن کی عبیداللہ (بن عمر) العمری سے حدیث منکر ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۱۱۹)

تحریر تقریب التہذیب والوں نے لکھا ہے:'' بل : ثقة .. '' إلخ بلکہ وہ ثقہ ہیں..

(ج ۲ ص ۳۷۱)

انھوں نے جرح کو عبیداللہ العمری کی روایت سے مخصوص کر کے کہا:

'' و باقي حديثه صحيح '' اور اس کی باقی حدیثیں صحیح ہیں۔ (ایضاً ص ۳۷۲)

خود حافظ ابن حجر نے عبدالعزیز بن محمد کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:

'' هذا حديث صحيح '' یہ حدیث صحیح ہے۔ (نتائج الافکار ج ۳ ص ۲۱۰)

۲۵) امام یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ نے عبدالعزیز الدراوردی کی بیان کردہ ایک حدیث کو '' وهذا إسناد جيد '' اور یہ سند اچھی ہے، کہا اور فرمایا:

'' عبدالعزيز عند أهل المدينة إمام ثقة ''

اہلِ مدینہ کے نزدیک عبدالعزیز امام ثقہ ہیں۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ج ۱ ص ۳۴۹)

۲۶) علامہ نووی نے عبدالعزیز بن محمد کی ایک روایت کو '' بإسناد جيد '' کہا۔

دیکھئے خلاصۃ الاحکام (ج ۱ ص ۴۰۳ ح ۶۶۲، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۰۳ ح ۱۲۸۴)

۲۷) حافظ المنذری نے عبدالعزیز الدراوردی کی ایک حدیث (سنن الدارقطنی ۳۴۴/۱ ح ۱۲۸۸) کے بارے میں کہا: '' أخرجه الدارقطني في سننه بإسناد حسن ''

اسے دارقطنی نے سنن میں حسن سند سے روایت کیا ہے۔

(مختصر سنن ابی داود للمنذری ج ۱ ص ۳۹۹ ح ۸۰۴)

فائدہ: روایت کی تصحیح صاحبِ تصحیح کے نزدیک راویوں کی توثیق ہوتی ہے۔

دیکھئے نصب الرایہ (ج ۱ ص ۱۴۹، ج ۳ ص ۲۶۴) بیان الوہم والایہام لابن القطان الفاسی

(ج ۵ ص ۳۹۵ ح ۲۵۶۲) تعجیل المنفعہ (ص ۲۲۸ ترجمۃ عبداللہ بن عبید الدیلی، ص ۲۴۸ ترجمہ عبدالرحمٰن بن خالد بن جبل العدوانی) اور تہذیب التہذیب (ج ۵ ص ۳۰۹۔۳۱۰، دوسرا نسخہ ج ۵ ص ۲۷۲، ترجمۃ عبداللہ بن عتبہ بن ابی سفیان)

۲۸) حافظ ابن کثیر نے عبدالعزیز کی ایک روایت کو ''بسند صحیح'' اور ''و ھذا إسناد علٰی شرط مسلم'' کہا۔

دیکھئے تفسیر ابن کثیر (بتحقیق عبدالرزاق المہدی ۲/۲۸۳ تحت ۲۰۲۲، سورۃ النساء آیت: ۴۳)

۲۹) عبدالحق اشبیلی نے اپنی کتاب ''الاحکام الوسطیٰ'' میں عبدالعزیز کی روایت ذکر کی (ج ۱ ص ۳۹۹) اور جرح نہیں کی جو اُن کی طرف سے تصحیح ہے۔

محمد ناصر الدین الالبانی نے کہا کہ اسے عبدالحق نے ''الاحکام الکبریٰ'' (۱/۵۴) میں صحیح کہا ہے۔ دیکھئے اصل صفۃ صلوٰۃ النبی ﷺ (ج ۲ ص ۷۲۰)

۳۰) امام دارقطنی نے عبدالعزیز بن محمد (الدراوردی) کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں ''صحیح'' کہا۔ (سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۱۴۴ ح ۵۱۰)

ان کے علاوہ توثیق وتعریف کے اور بھی بہت سے حوالے ہیں مثلاً:

۱: سیوطی

(دیکھئے الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۵۰ حدیث مصنف سعید بن منصور، قال: بسند في غاية الصحة)

۲: زرقانی (شرح المواہب ۷/۳۲۰ بحوالہ اصل صفۃ صلاۃ النبی ﷺ ج ۲ ص ۷۲۰)

۳: ابن العماد الحنبلی (شذرات الذہب ۱/۳۱۶ وقال: ''وكان فقيهًا صاحب حديث'')

۴: امام ابوبکر الحمیدی (دیکھئے المعرفۃ والتاریخ ج ۱ ص ۴۲۸)

☆ بوصیری (زوائد سنن ابن ماجہ ص ۲۵۶ ح ۵۹۸، حدیث ابن ماجہ: ۱۷۶۵)

امام عبدالعزیز الدراوردی کی توثیق کرنے والے علماء کے نام علی الترتیب مع حوالہ نمبر درج ذیل ہیں:

ابن الجارود (۱۰) ابن حبان (۱۵) ابن حجر (۲۴) ابن خزیمہ (۹) ابن شاہین (۱۴) ابن

عبدالبر (۱۹) ابن کثیر (۲۸) ابن الملقن (۲۳) ابوعوانہ (۸) ابونعیم الاصبہانی (۱۶)
بخاری (۵) بغوی (۱۲) بیہقی (۱۷) ترمذی (۷) حاکم (۱۱) دارقطنی (۳۰) ذہبی (۱۸)
شعبہ (۲۰) الضیاء المقدسی (۱۳) عبدالحق الاشبیلی (۲۹) عبدالرحمٰن بن مہدی (۲۱)
عجلی (۲) علی بن المدینی (۴) مالک (۳) مسلم (۶) منذری (۲۷) نووی (۲۶)
ہیثمی (۲۲) یحییٰ بن معین (۱) یعقوب بن سفیان الفارسی (۲۵)

امام عبدالعزیز بن محمد الدراوردی کی توثیق کے بعد (بعض الناس کی تحقیق وتحریف کے مطابق) جرح کرنے والے علماء کے حوالے درج ذیل ہیں:

۱: حافظ ذہبی نے کہا کہ ابوحاتم الرازی نے کہا: "**لا یحتج به**" اس کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (میزان الاعتدال ۶۳۴/۲، دوسرا نسخہ ۳۷۱/۴)

یہ حوالہ مجھے باسند صحیح امام ابوحاتم سے نہیں ملا، جبکہ کتاب الجرح والتعدیل میں لکھا ہوا ہے کہ ابوحاتم نے فرمایا: "**محدّث**" یعنی وہ محدّث ہیں۔ (ج۵ ص۳۹۶)

ظہور احمد نامی ایک دیوبندی نے اس حوالے کے لئے "الجرح التعدیل ( )" کا ذکر کیا ہے مگر جلد اور صفحے کا کوئی حوالہ نہیں دیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ دیکھئے رکعات تراویح ایک جائزہ (ص ۲۵۰)

۲: امام ساجی نے فرمایا: "**كان من أهل الصدق والأمانة إلا أنه كثير الوهم**" وہ سچائی اور امانت والوں میں سے تھے لیکن وہ کثیر الوہم (بہت غلطیاں کرنے والے) تھے۔ (تہذیب التہذیب ۳۱۶/۶)

یہ حوالہ بے سند ہے اور ہوسکتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اسے ساجی کی کتاب الضعفاء سے نقل کیا ہو۔ واللہ اعلم

۳: امام احمد بن حنبل نے فرمایا: "**كتابه أصح من حفظه ... عامة أحاديث الدراوردي عن عبيد الله أحاديث عبدالله العمري مقلوبة ... عنده عن عبيد الله مناكير**" اس کی کتاب اُس کے حافظے سے زیادہ صحیح ہے... دراوردی کی عبیداللہ

سے عام روایتیں عبداللہ العمری کی ہیں جو مقلوب ہو (کر اُلٹ) گئی ہیں...اس کے پاس عبیداللہ سے منکر روایتیں ہیں۔

(سوالات ابی داود طبع مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورہ ص ۲۲۱، ۲۲۲، فقرہ: ۱۹۸)

اس قول میں جرح کا تعلق دراوردی کی عبیداللہ العمری سے روایت سے ہے۔

تنبیہ: عبداللہ العمری (المکبر) ضعیف راوی تھے لیکن خاص نافع سے اُن کی روایت حسن ہوتی ہے اور دراوردی کی عبیداللہ العمری سے روایات بھی بتحقیقِ راجح میں حسن ہیں۔

حافظ ذہبی نے کہا: احمد بن حنبل نے کہا: جب وہ حافظے سے حدیث بیان کرے اُسے وہم ہوتا ہے، وہ کوئی چیز نہیں ہے، اور اگر کتاب سے روایت کرے تو اچھا ہے...اور جب حافظے سے روایت کرے تو باطل روایات نقل کرتا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۳۳۔۶۳۴)

یہ حوالہ بے سند ہونے کی وجہ سے بھی غیر ثابت اور مردود ہے۔

۴: امام ابوزرعۃ الرازی نے کہا: ''سيئ الحفظ فربما حدّث من حفظه الشيئ فيخطئ'' وہ سئی الحفظ (خراب حافظے والا) ہے پھر بعض اوقات وہ حافظے سے کوئی چیز بیان کرتا تو اُسے غلطی لگ جاتی تھی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۵/۳۹۶)

☆ ظہور احمد دیوبندی نامی ایک شخص نے امام عبدالعزیز بن محمد کے بارے میں کہا:

''امام احمد بن زبیرؒ فرماتے ہیں: لیس بشیئ کہ یہ کچھ نہیں ہے۔''

(رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۰)

عرض ہے کہ یہ بے سند اور بے حوالہ بات ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور احمد بن زبیر کون ہے؟ اس کا بھی کوئی اتا پتا نہیں ہے۔

۵: امام نسائی نے کہا: ''ليس بالقوي'' اور کہا:

''ليس به بأس و حديثه عن عبيد الله بن عمر منكر''

وہ القوی نہیں...اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں اور عبیداللہ بن عمر سے اس کی حدیث منکر ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۵۴ دوسرا نسخہ ج ۶ ص ۳۱۶، تہذیب الکمال ج ۴ ص ۵۲۹)

یہ قول باسند صحیح متصل نہیں ملا اور دوسرے یہ کہ اسی قول میں '' لیس بہ بأس '' کے ذریعے سے عبدالعزیز بن محمد کی توثیق موجود ہے لہٰذا یہ جرح تین وجہ سے مردود ہے:

اول: صاحبِ جرح سے جرح کے ثبوت میں نظر ہے۔

دوم: اس کا تعلق صرف اُن روایات سے ہے جو دراوردی نے عبیداللہ بن عمر سے بیان کی ہیں۔

سوم: یہ جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔

تنبیہ: امام نسائی کی کتاب الضعفاء (۳۹۰ تا ۳۹۴) میں عبدالعزیز بن محمد کا نام ونشان نہیں ملا۔ واللہ اعلم

۶: حافظ ابن حجر وغیرہ نے کہا کہ محمد بن سعد نے کہا: '' **وکان ثقة کثیر الحدیث یغلط** '' اور وہ ثقہ تھے، کثیر الحدیث تھے، انھیں غلطی لگتی تھی۔

(مثلاً دیکھئے تہذیب التہذیب ۳۵۴/۶)

اس عبارت کا ترجمہ ظہور احمد نے تحریف کرتے ہوئے درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

'' یہ ویسے تو ثقہ اور کثیر الحدیث ہے لیکن روایت حدیث میں غلطیاں کرتا ہے۔''

(رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۰)

اس ترجمے میں '' ویسے تو '' کے الفاظ من گھڑت اور تحریف ہیں۔

☆ ظہور احمد دیوبندی نے کہا: '' امام ابن حبانؒ کتاب الثقات میں اس کو خطا کار بتلاتے ہیں۔'' (رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۰)

عرض ہے کہ یہ ایسی جرح نہیں کہ عبدالعزیز کی تمام روایات کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیا جائے بلکہ حافظ ابن حبان نے عبدالعزیز بن محمد کی نوے (۹۰) سے زائد روایات کو صحیح قرار دے کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اُن کے نزدیک صحیح الحدیث ہیں۔

دیکھئے توثیقِ محدثین کا حوالہ نمبر ۱۵

☆ ظہور احمد دیوبندی نے کہا: '' امام سعد بن سعیدؒ فرماتے ہیں: فیہ لین۔ یہ روایت

حدیث میں کمزور ہے۔'' (رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۰ بحوالہ میزان الاعتدال ۲/۶۳۴)

عرض ہے کہ میزان کے مذکورہ حوالے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

''**عبدالعزیز بن محمد عن سعد بن سعید - وفیه لین عن أبیه عن عائشة - مرفوعًا : کسر عظم المیت ککسره حیًّا** ''عبدالعزیز بن محمد عن (از) سعد بن سعید۔ اور اس میں کمزوری ہے۔ از اپنے والد (صحیح از عمرہ ہے) از عائشہ۔ مرفوع ہے: میت کی ہڈی توڑنا اس طرح ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔ (میزان الاعتدال ۲/۶۳۴)

اس روایت میں جو سعد بن سعید ہیں وہ عبدالعزیز الدراوردی کے استاذ تھے اور حافظ ذہبی نے اُن کے بارے میں'' **وفیه لین** ''[اور ان میں کمزوری ہے] کہا ہے، نہ کہ سعد بن سعید نے عبدالعزیز پر جرح کی ہے۔

اس ایک حوالے سے ہی صاف ثابت ہوگیا کہ ظہور احمد مذکور عربی زبان سے پکا جاہل ہے، جو ایک عام عبارت کا صحیح ترجمہ بھی نہیں کرسکتا۔ عرض ہے کہ اس جہالت کے باوجود اسے کس ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کتابیں لکھنا شروع کردو۔!؟

تنبیہ: روایتِ مذکورہ سنن ابن ماجہ (۱۶۱۶) میں بھی موجود ہے اور سعد بن سعید بن قیس الانصاری (مذکور) قولِ راجح میں جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج ۲ ص ۳۲۴)

بلکہ خود حافظ ذہبی نے لکھا ہے:'' **أحد الثقات** ''وہ ثقہ راویوں میں سے ایک تھے۔ (النبلاء ۵/۴۸۲)

لہٰذا ان پر جرح مردود ہے اور ابن ماجہ کی حدیث بلحاظِ سند حسن لذاتہ ہے۔

دیکھئے میری کتاب: تسہیل الحاجہ فی تخریج وتحقیق سنن ابن ماجہ (قلمی ص ۱۱۲)

قارئینِ کرام! تیس (۳۰) سے زیادہ علماء کی توثیق کے مقابلے میں ظہور احمد دیوبندی نے کل دس اقوالِ جرح (توڑ مروڑ کر) پیش کیے، جن میں سے تین ثابت ہی نہیں ہیں لہٰذا باقی بچے: سات۔ ان سات تجریحی اقوال کے بل بوتے پر ظہور احمد نے لکھا ہے:

''عبدالعزیز دراوردی کو جمہور محدثین نے ثقہ اور صدوق نہیں کہا، صرف چند محدثین نے اس کی توثیق کی ہے اس کے بالمقابل اکثر ائمہ حدیث نے باقرار غیر مقلدین اس پر سخت اور مفسر جرح کی ہے، جیسا کہ بحوالہ گزر چکا ہے۔...'' (رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۲۵۳)

سبحان اللہ! تیس کے مقابلے میں دس اور پھر بھی جمہور محدثین نے اسے ثقہ وصدوق نہیں کہا؟!

آلِ دیوبند کو چاہئے کہ اپنے اس ظہور کو علم الحساب (ریاضی) پڑھائیں تاکہ وہ دس اور تیس کا فرق سمجھ سکے ورنہ.... اس طرح بے عزتی ''خراب'' ہوتی رہے گی۔

خلاصۃ التحقیق: عبدالعزیز بن محمد الدراوردی رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے لہٰذا ان کی بیان کردہ حدیث صحیح یا حسن لذاتہ ہے اور اُن پر جرح مردود ہے۔

یاد رہے کہ عبیداللہ العمری سے اُن کی روایت بھی حسن ہے، جیسا کہ اقوالِ جرح نمبر ۳ کے تحت گزر چکا ہے۔

جمہور کی توثیق کے بعد ہر قسم کی جرح مردود ہوتی ہے، چاہے لوگ اُسے جرح مفسر کہتے پھریں اور سیٔ الحفظ، کثیر الغلط اور یخطی کثیراً وغیرہ الفاظ کے ساتھ پیش کرتے رہیں۔

آلِ دیوبند کے ''امام'' سرفراز خان صفدر کڑمنگی دیوبندی نے کہا:

''بایں ہمہ ہم نے توثیق وتضعیف میں جمہور آئمہ جرح وتعدیل اور اکثر آئمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔'' (احسن الکلام ج ۱ ص ۴۰، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۶۱)

عرض ہے کہ یہاں بھی جمہور کا دامن نہ چھوڑیں۔ **وما علینا إلا البلاغ**

(۹/ نومبر ۲۰۰۹ء)

حماد بن شعیب پر محدثین کرام کی جرح

سوال محترم شیخ صاحب عرض ہے کہ کیا حماد بن شعیب کی توثیق راجح ہے، جیسا کہ ظہور احمد دیوبندی نے اپنی کتاب (رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ) میں لکھا ہے۔

براہِ مہربانی حقیقتِ حال واضح کریں۔ (وقاص زبیر، متعلم جامعہ سلفیہ اسلام آباد)

الجواب حماد بن شعیب قولِ راجح میں ضعیف راوی ہے لہٰذا ابوشعیب حماد بن شعیب الحمانی الکوفی پر محدثین کرام کی جرح میں سے بعض حوالے درج ذیل ہیں:

۱) امام یحییٰ بن معین نے کہا: ''**ضعیف**'' (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۶۰۴)

اور کہا: ''**لیس بشيء**'' وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ (تاریخ ابن معین: ۱۳۵۲، ۲۳۷۴)

۲) امام بخاری نے فرمایا: ''**فیه نظر**'' (التاریخ الکبیر ۳/۲۵)

امام بخاری جس کو **فیه نظر** کہیں تو وہ ان کے نزدیک (عام طور پر) سخت مجروح ہوتا ہے۔

دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/۳۰۲ نوع ۲۳)

۳) ابوزرعہ الرازی نے کہا: ''**کوفي ضعیف الحدیث**'' (کتاب الجرح والتعدیل ۳/۱۴۲)

٤) ابوحاتم الرازی نے کہا: ''**لیس بالقوي، هو بابة محمد بن أبان**''

وہ القوی نہیں، وہ محمد بن ابان (الجعفی) کی طرح ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۳/۱۴۲)

۵) امام نسائی نے کہا: ''**ضعیف، کوفي**'' (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۱۳۵)

٦) ابن عدی نے کہا: ''**... وهو ممن یکتب حدیثه مع ضعفه**''

وہ اپنے ضعف (ضعیف ہونے) کے باوجود اُن لوگوں میں ہے، جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ (الکامل لابن عدی ۲/۶۶۱، دوسرا نسخہ ۳/۱۸)

حافظ ابن عدی کے اس قول کے برعکس امام یحییٰ ابن معین نے فرمایا:

''**لیس بشيء ولا یکتب حدیثه**'' وہ کوئی چیز نہیں اور اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی۔

(الکامل ۲/۶۵۹ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۳/۱۸)

۷) عقیلی نے اُسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔ (ج ۱ ص ۳۱۱ ت ۳۸۱)

۸) حافظ ابن حبان نے اسے کتاب المجروحین میں ذکر کیا اور کہا:

''**یقلب الأخبار ویرویها علی غیر جهتها**'' وہ حدیثوں کو اُلٹ پلٹ دیتا تھا اور بے رُخے طریقے سے اُنھیں روایت کرتا تھا۔ (کتاب المجروحین ج ۱ ص ۲۵۱، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۰۶)

اگر کوئی کہے کہ ظہور احمد حضروی دیوبندی نے (جھوٹ بولتے ہوئے) یہ لکھا ہے کہ

''امام ابن حبان نے اس کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔''

(رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۸۹ بحوالہ الاکمال للحسینی مع تھذیب الکمال ۵/۵۲۸ طبع دار الفکر بیروت)

تو عرض ہے کہ یہ حوالہ تین وجہ سے مردود ہے:

اول: کتاب الثقات میں (ہمارے علم کے مطابق) حماد بن شعیب کا ذکر موجود نہیں ہے۔

دوم: الاکمال للحسینی (مخطوط مصور ص ۱۹۔۲۰) پر حماد بن شعیب کے حالات میں توثیق ابن حبان کا نام ونشان نہیں ہے۔

سوم: خود حافظ ابن حبان نے حماد بن شعیب کو کتاب المجروحین میں ذکر کیا ہے۔

۹) حافظ ابن الجوزی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین (۱/۲۳۳) میں ذکر کیا۔

۱۰) ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے کہا: ''**واهي الحديث**''

وہ حدیث میں ضعیف ہے۔ (احوال الرجال: ۹۰)

۱۱) امام مسلم نے فرمایا: ''**ضعيف الحديث**'' (کتاب الکنیٰ ص ۵۳، قلمی مصور)

۱۲) حاکم نے حماد بن شعیب کی ایک روایت کو ''**صحيح الإسناد**'' کہا تو حافظ ذہبی نے رد کرتے ہوئے لکھا: ''**حماد ضعيف**'' یعنی حماد ضعیف ہے۔

(تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۵۰۸ ح ۶۱۵۸)

۱۳) ہیثمی نے کہا: ''**وهو ضعيف**'' اور وہ (حماد بن شعیب) ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ۲/۲۲۹)

بلکہ کہا: ''**وهو ضعيف جدًا**'' اور وہ سخت ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۰/۳۵۵)

۱۴) مشہور محدث بزار نے کہا: ''**ليس بالقوي**'' (کشف الاستار: ۱۲۱۲)

۱۵) امام علی بن المدینی نے کہا: ''**لم يزل حماد عندنا ضعيفًا، ليس بالقوي**''

حماد ہمارے نزدیک ضعیف ہی تھا، وہ القوی نہیں ہے۔

(سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ: الصدوق لعلی بن المدینی: ۶۷)

۱۶) ابن حزم نے حماد بن شعیب، حسن بن بشر اور عتاب بن بشیر وغیرہم کے بارے میں کہا: ''**وكلهم ضعفاء**'' وہ سب ضعیف ہیں۔ (المحلی ۲۱۹/۷ مسألۃ: ۱۰۱۴)

۱۷) سمعانی نے کہا: ''**يقلب الأخبار ويرويها على غير جهتها**'' وہ حدیثوں کو اُلٹ پلٹ دیتا تھا اور بے رُخ طریقے سے اُنھیں روایت کرتا تھا۔ (الانساب ج۲ ص۲۵۷)

۱۸) بوصیری نے کہا: ''**هذا إسناد ضعيف لضعف حماد بن شعيب**''

یہ سند حماد بن شعیب کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(اتحاف الخیرۃ المهرۃ ج۱ ص۳۹۳ ح۷۴۵)

۱۹) حافظ ابن شاہین نے حماد کو کتاب تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین میں ذکر کیا اور کہا: ''**ليس بشئ**'' وہ کچھ چیز نہیں ہے۔ (ص۷۳ رقم: ۱۲۷)

۲۰) ابن الملقن نے ابن حزم کی جرح (دیکھئے فقرہ: ۱۶) نقل کی اور حماد بن شعیب کا کوئی دفاع نہیں کیا۔ دیکھئے البدر المنیر (۳۹۴/۹)

☆ آجری (مجهول الحال) کی طرف منسوب سوالات ابی داود (۹۴) میں حماد بن شعیب کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ ''**تركوا حديثه**'' انھوں نے اس کی حدیث کو ترک کر دیا ہے۔

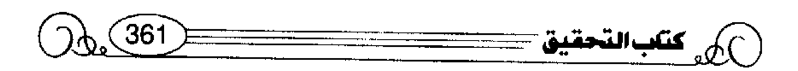
☆ نیموی تقلیدی نے حماد بن شعیب کے بارے میں لکھا ہے: ''**ضعیف**''

(حاشیہ آثار السنن ص۲۵۴ تحت ح۷۸۵)

بیس علماء کی اس جرح کو ظہور احمد نے مداری پن کے ذریعے سے ختم کرنے کی کوشش کے بعد لکھا ہے: ''لهذا حماد بن شعیب کی توثیق راجح ہے اور اس کی یہ مذکورہ روایت عند المحدثین صحیح ہے۔'' (رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص۹۱)

اس ایک مثال سے ہی آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اہلِ حدیث کی مخالفت کرنے والے دیوبندی کتنے بے انصاف اور حق دشمن ہیں۔ (۸/نومبر ۲۰۰۹ء)





تحقیق وتنقید

مرزا غلام احمد قادیانی کون تھا؟

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی غیر مقلد تھا، کیا یہ بات صحیح ہے؟

(اعظم المبارکی)

الجواب اگر غیر مقلد سے مراد اہلِ حدیث ہے تو بعض لوگوں کی یہ مذکورہ بات بالکل غلط ہے بلکہ کالا جھوٹ ہے کیونکہ یہ ثابت ہے کہ مرزا قادیانی دعویٔ نبوت سے پہلے پکا تقلیدی تھا۔ اس سلسلے میں راقم الحروف کا ایک تحقیقی مضمون درج ذیل ہے:

مرزا غلام احمد قادیانی کون تھا؟ اس سلسلے میں بیس (۲۰) حوالے مع تبصرہ پیشِ خدمت ہیں:

۱) فیض احمد فیض بریلوی نے لکھا ہے:

''تحریکِ قادیانیت کے بانی کا نام مرزا غُلام احمد تھا.... جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اُن کے آبا و اجداد حنفی المذہب مُسلمان تھے اور خُود مرزا صاحب بھی اپنی اوائلِ زندگی میں اُنہی کے قدم بہ قدم چلتے رہے۔'' (مہر مُنیر سوانح حیات مہر علی شاہ گولڑوی ص ۱۶۵)

فیض مذکور نے مزید لکھا ہے:

''اِس وقت تک مرزا صاحب کے عقائد وُہی تھے جو ایک صحیح العقیدہ سُنّی مُسلمان کے ہونے چاہئیں....'' (مہر مُنیر ص ۱۶۶)

یہ کتاب بریلوی پیر غلام محی الدین کی اجازت اور ایماء سے شائع ہوئی ہے۔

۲) محمد حیات خان بریلوی نے مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں (مہر علی شاہ گولڑوی کی کتاب: سیفِ چشتیائی کے پیش لفظ میں) لکھا ہے:

''جہاں تک معلوم ہو سکا ہے اُن کے آبا و اجداد حنفی المذہب مُسلمان تھے۔ اور خُود مرزا صاحب بھی اپنی اوائلِ زندگی میں اُنہی کے قدم بہ قدم چلتے رہے۔''

(پیش لفظ: سیفِ چشتیائی صفحہ ت)

یہ کتاب بھی بریلوی پیر غلام محی الدین کی اجازت اور ایماء سے شائع ہوئی ہے۔

۳) مرزا قادیانی نے جمادی الاولیٰ ۱۳۰۸ھ (بمطابق دسمبر ۱۸۹۰ء) میں ''فتح اسلام'' نامی رسالہ شائع کیا۔ دیکھئے مرزائیوں کی کتاب: روحانی (شیطانی) خزائن (ج ۳ ص ۱)

اس رسالے میں مرزا نے کہا:

''سوائے مسلمانو! اس عاجز کا ظہور ساحرانہ تاریکیوں کے اُٹھانے کیلئے خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔'' (فتح اسلام ص ٦، دوسرا نسخہ ص ۷)

رشید احمد گنگوہی دیوبندی نے لکھا ہے:

''مولوی غلام احمد صاحب قادیانی کی فتح الاسلام بندہ نے بھی دیکھی اجمالاً اونکو جو اول گمان تجدید ہوا ہے یہ اوسکا ہی ضمیمہ ہے کہ اب اونکے مخیلہ میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ مثیل عیسیٰ ہوں اس باب میں بندہ یہ گمان کرتا ہے کہ دنیا طلبی تو اونکو مقصود نہیں بلکہ ایک خود پسندی اون کے مخیلہ میں بوجہ صلاحیت قایم ہوئی تھی اب یہ خیالات بڑھتے چلے جاتے ہیں اور اسکو وہ دین و تائید دین اور اپنے کمالات جانتے ہیں اوسمیں مجبور ہیں۔ اس مثلِ عیسیٰ ہونیکو اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کی روایات کے حقیقی معنی کے انکار کو چند جگہ سے جو بندہ سے استفسار کیا گیا تو بندہ نے یہ لکھا ہے کہ یہ عقیدہ فاسد و خطا خلاف جملہ سلف خلف کے ہے اونکو مالیخولیا ہو گیا ہے کہ خلاف عقل کے ایسی بات لکھتے ہیں کہ تمام عالم نے اوسکو نہ سمجھا اب اونکو اسکی فہم ہوئی اوسپر اشتہار مباحثہ دیا ہے اور بندہ کو مخاطب بنایا ہے اور تکفیر نہیں چاہیۓ کہ وہ ماوّل ہے اور معذور ہے فقط مولوی عبداللہ کو منع کرنا۔'' (مکاتیبِ رشیدیہ ص ۹۰ مکتوب: ۱۳۸)

ابوالقاسم محمد رفیق دلاوری دیوبندی نے لکھا ہے:

''جن حضرات نے فتوائے تکفیر سے اختلاف کیا ان میں حضرت مولنا رشید احمد صاحب چشتی گنگوہیؒ جو ان دنوں علمائے حنفیہ میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور اطراف واکناف ملک کے حنفی شائقین علم حدیث اس فن کی تکمیل کیلئے انکے چشمۂ فیض پر پہنچ کر تشنگی سعادت سے سیراب ہو رہے تھے سب سے پیش پیش تھے۔ اُنھوں نے علمائے لدھیانہ کے فتوائے تکفیر کی ممانعت میں ایک مقالہ لکھ کر قادیانی صاحب کو ایک مرد صالح قرار دیا اور

اس کو حضرات مکفرّین کے پاس لدھیانہ روانہ کیا۔....'' (رئیس قادیان ج۲ص۴)

دلاوری دیوبندی نے رشید احمد گنگوہی دیوبندی سے نقل کیا:

''کسی مسلمان کی تکفیر کر کے اپنے ایمان کو داغ لگانا اور مواخذۂ اخروی سر پر لینا سخت نادانی ہے۔ یہ بندہ جیسا اُس بزرگ (مرزا صاحب) کو کافر فاسق نہیں کہتا اس کو مجدّد وولی بھی نہیں کہہ سکتا۔ صالح مسلمان سمجھتا ہوں۔ اور اگر کوئی پوچھے تو ان کے ان کلمات کی تاویل مناسب سمجھتا ہوں۔ اور خود اس سے اعراض وسکوت ہے۔ فقط والسلام (رشید احمد)''

(رئیس قادیان ج۲ص۵)

رشید احمد گنگوہی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ مرزا قادیانی دیوبندی المذہب تھا، ورنہ اسے گنگوہی کا ''صالح مسلمان'' اور ''بزرگ'' کہنا کیا مقصد رکھتا ہے؟

۴) عبدالماجد دریا آبادی دیوبندی نے اشرفعلی تھانوی کا ایک واقعہ لکھا ہے:

''سنہ خوب یاد نہیں، غالباً ۱۹۳۰ء تھا، حکیم الامّت تھانویؒ کی محفل خصوصی میں نماز چاشت کے وقت حاضری کی سعادت حاصل تھی ذکر مرزائے قادیانی اور ان کی جماعت کا تھا اور ظاہر ہے کہ ذکر ''ذکرِ خیر'' نہ تھا حاضرین میں سے ایک صاحب بڑے جوش سے بولے ''حضرت ان لوگوں کا دین بھی کوئی دین ہے، نہ خدا کو مانیں نہ رسُول کو'' حضرت نے معاً لہجہ بدل کر ارشاد فرمایا کہ ''یہ زیادتی ہے، توحید میں ہمارا ان کا کوئی اختلاف نہیں، اختلاف رسالت میں ہے اور اس کے بھی صرف ایک باب میں یعنی عقیدۂ ختمِ رسالت میں بات کو بات کی جگہ پر رکھنا چاہئے۔ جو شخص ایک جرم کا مجرم ہے، یہ تو ضرور نہیں کہ دوسرے جرائم کا بھی ہو۔'' ارشاد نے آنکھیں کھول دیں اور صاف نظر آنے لگا کہ....''

(سچی باتیں ص۲۱۲، طبع نفیس اکیڈمی کراچی)

تھانوی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ مرزائیوں کا دیوبندیوں کے ساتھ توحید میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف رسالت کے ایک باب (عقیدۂ ختمِ رسالت) میں ہے (نیز دیکھئے یہی مضمون، فقرہ نمبر۱۲) اور یاد رہے کہ یہ بیان مرزا کی موت کے بہت

عرصے بعد ۱۹۳۰ء کا ہے۔

۵) ڈاکٹر خالد محمود دیوبندی (ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر) نے لکھا ہے:

''مولانا غلام احمد قادیانی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی میں انگریز دوستی کی بناء پر اصلاحی تحریکوں کی مخالفت قدرِ مشترک تھی۔'' (مطالعۂ بریلویت ج ا ص ۲۱۶ طبع دار المعارف لاہور)

مولانا چونکہ عزت واحترام والا لقب ہے جو علماء کے بارے میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس دیوبندی حوالے سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی آلِ دیوبند کا ''مولانا'' تھا۔

یادر ہے کہ رشید احمد گنگوہی کے نزدیک مرزا قادیانی ایک ''مولوی'' تھا۔ دیکھئے فقرہ:۳

٦) غازی احمد (سابق کرشن لال) سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج، بوچھال کلاں ضلع چکوال نے مرزا ناصر احمد قادیانی بن مرزا بشیر احمد بن مرزا غلام احمد سے اپنی ملاقات کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

''میں نے عرض کیا مجھے ایک بات اور دریافت کرنا ہے۔ میں نے مرزا صاحب کی تحریر پڑھی ہے کہ میں اور میری جماعت کے افراد فقہی مسلک میں امام ابوحنیفہؒ کے پیرو کار ہیں۔ ناصر صاحب میں بھی حنفی مسلک سے تعلق رکھتا ہوں۔

ناصر صاحب نے اظہار مسرّت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ مرزا صاحب تو آپ کے خیال کے مطابق منصبِ نبوّت پر سرفراز تھے۔ کیا یہ امر منصبِ نبوّت کے شایان شان ہے کہ ایک نبی ایک اُمّتی کے فقہی مسلک کا پیروکار اور مقلّد ہو۔ کیا یہ مقامِ نبوت کی توہین نہیں؟ ناصر صاحب نے فرمایا اس سوال کا جواب بھی کسی دوسری مجلس میں تفصیل کے ساتھ دوں گا۔''

(من الظلمات الی النور = کفر کے اندھیروں سے نورِ اسلام تک ص ۹۴)

غازی احمد حنفی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ کا پیروکار کہتا تھا اور مرزا ناصر احمد نے بھی اپنے دادا کی اس بات کا انکار نہیں کیا۔

۷) بشیر احمد قادری دیوبندی نے ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی کی کتاب: مجددِ اعظم کے حوالے سے بطورِ استدلال لکھا ہے:

''مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نئے نئے پڑھ کر اور مولوی بن کر جو بٹالہ آئے تو چونکہ یہ اہلحدیث تھے، اس لئے حنفیوں کو ان کے خیالات بہت گراں گزرے۔ بعض اختلافی مسائل میں بحث کرنے کے لئے حنفیوں نے حضرت اقدس مرزا صاحب کی طرف رجوع کیا اور ایک نمائندہ حضرت اقدس کو قادیان سے بٹالہ لے آیا، شام کو مولوی محمد حسین بٹالوی اور اُن کے والد مسجد میں تھے، جو حضرت اقدس وہاں پہنچ گئے، بحث شروع ہوئی، مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے تقریر کی۔ حضرت قدس نے تقریر سن کر فرمایا کہ اس میں تو کوئی بات ایسی نہیں جو قابل اعتراض ہو۔ تو میں تردید کس بات کی کروں۔ ان لوگوں کو جو آپ کو لائے تھے، بہت مایوسی ہوئی اور وہ آپ سے بہت ناراض ہوئے، لیکن آپ نے محض اللہ کے لئے اس بحث کو ترک کر دیا۔ کیونکہ محض دھڑے بندی کے لئے آپ حق بات کی تردید نہیں کر سکتے تھے۔ مجدد اعظم ج ۲ ص ۱۳۴۳

ناظرین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مرزا صاحب نے بٹالوی صاحب کے نظریات و خیالات کی کس طرح تائید وتصویب کی ہے۔ اگر مرزا صاحب ابتداءً مقلد ہوتے تو لازماً بٹالوی صاحب کے نظریات کی تردید کرتے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب پہلے غیر مقلدانہ خیالات کے حامل تھے، پھر غیر مقلدیت سے ترقی کر کے نبوت کا دعویٰ کر کے ایک دنیا کو گمراہ کیا۔'' (ترک تقلید کے بھیانک نتائج طبع چہارم ص ۴۷، ۴۸)

اس دیوبندی حوالے سے ثابت ہوا کہ مرزا قادیانی اہلِ حدیث نہیں تھا بلکہ وہ دیوبندی و بریلوی (یا عرفِ عوام میں: حنفی) تھا اور حنفیوں کا مناظر تھا، ورنہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ ایک اہل حدیث کے مقابلے میں اختلافی مسائل میں حنفی حضرات ایک اہل حدیث مناظر پیش کرتے؟

یاد رہے کہ بشیر احمد قادری نے ''غیر مقلدانہ خیالات'' اور ''غیر مقلدیت سے ترقی'' وغیرہ الفاظ لکھ کر بہت بڑا جھوٹ بولا ہے، جس کی تردید اس کے ذکر کردہ حوالے سے ہی ظاہر ہے۔

۸) فیض احمد فیض بریلوی نے لکھا ہے:

''اُدھر چاچڑاں (ریاست بہاولپور) کے مشہور شیخِ طریقت اور صوفی شاعر حضرت خواجہ غلام فرید چشتی بھی ابتدا میں مرزا صاحب کے متعلق بہت حُسنِ ظن رکھتے تھے۔ خواجہ صاحبؒ ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے اور حضرت قبلۂ عالم قدس سرہ کے قادیانی معرکۂ لاہور کے قریباً ایک سال بعد ۱۹۰۱ء میں انتقال فرما گئے۔'' (مہر منیر ص ۲۰۴، ۲۰۵)

فیض احمد نے مزید لکھا ہے:

''اس پر خواجہ صاحبؒ نے اپنے جواب میں اعانت فی الدین کا وعدہ کرتے ہوئے مرزا صاحب کی شان میں تعریفی کلمات تحریر فرمائے۔ آپ کے ملفوظات ''اشارات فریدی'' میں مذکور ہے کہ جب علماء نے مرزا صاحب کے خلاف لکھنا شروع کیا تو خواجہ صاحبؒ نے فرمایا یہ شخص حمایتِ دین پر کمر بستہ ہے۔ علماء تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہے اور صراطِ مستقیم پر ہے۔ لیکن جب مرزا صاحب کی نئی کتابیں خواجہ صاحبؒ کے پاس پہنچیں جن میں اُن کے منفرد عقائد اور ''مسیح موعود'' اور ''ظلّی اور بروزی'' نبوت کے دعاوی درج تھے تو آپ نے بھی مولوی حسین بٹالوی کی طرح علانیہ اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔'' (مہر منیر ص ۲۰۵)

اس بریلوی حوالے سے ثابت ہوا کہ خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے کے نزدیک مرزا قادیانی بریلوی یا دیوبندی تھا۔

۹) مولانا محمد داود ارشد حفظہ اللہ نے لکھا ہے:

''حاجی نواب دین گولڑوی لکھتا ہے کہ

جہاں تک معلوم ہو سکا ہے ان کے آبا و اجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزا صاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں انہی کے قدم بقدم چلتے رہے۔

(آفتاب گولڑہ اور فتنۂ مرزائیت ص ۱۵۰)'' (تحفۂ حنفیہ ص ۵۲۷)

۱۰) خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے:

''ہم اور ہمارے مشائخ سب کا مدعی نبوت و مسیحیت قادیانی کے بارے میں یہ قول ہے کہ شروع شروع جب تک اس کی بدعقیدگی ہمیں ظاہر نہ ہوئی بلکہ یہ خبر پہونچی کہ وہ اسلام کی تائید کرتا ہے اور تمام مذاہب کو بدلائل باطل کرتا ہے تو جیسا کہ مسلمانوں کو مسلمان کے ساتھ زیبا ہے ہم اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے اور اس کے بعض ناشائستہ اقوال کو تاویل کر کے محمل حسن پر حمل کرتے رہے اسکے بعد جب اس نے نبوت و مسیحیت کا دعویٰ کیا تھا اور عیسیٰ مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے کا منکر ہوا اور اس کا خبیث عقیدہ اور زندیق ہونا ہم پر ظاہر ہوا تو ہمارے مشائخ نے اس کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا قادیانی کے کافر ہونے کی بابت ہمارے حضرت مولینا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ تو طبع ہو کر شائع بھی ہو چکا بکثرت لوگوں کے پاس موجود ہے کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں۔'' (المہند علی المفند: السوال السادس والعشر ون ص ۲۶۸، ۲۶۹)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دیوبندی مشائخ کے نزدیک مرزا کی بدعقیدگی شروع میں ظاہر نہ ہوئی تھی بلکہ وہ ''اسلام'' کی تائید کرتا تھا اور یہ مشائخ اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے تھے یعنی دوسرے لفظوں میں مرزا غلام احمد شروع میں دیوبندی یا دیوبندیوں کا ہم عقیدہ تھا۔

دیوبندیوں اور بریلویوں کے ان دس حوالوں کے بعد مرزا اور آلِ مرزا کی تحریروں سے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں جن سے صراحتاً مرزا کا دیوبندی و بریلوی (یا عرفِ عوام میں: حنفی) ہونا ثابت ہوتا ہے:

۱۱) مرزا غلام احمد قادیانی نے اہلِ حدیث کو وہابی کے لقب سے یاد کرتے ہوئے کہا:

''میرا دل ان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہوا اور مجھے یہ خواہش کبھی نہیں ہوتی کہ مجھے وہابی کہا جائے اور میرا نام کسی کتاب میں وہابی نہ نکلے گا۔ میں ان کی مجلسوں میں بیٹھتا رہا ہوں۔ ہمیشہ لفاظی کی بو آتی رہی ہے یہی معلوم ہوا کہ ان میں نرا چھلکا ہے مغز بالکل نہیں ہے...''

(ملفوظات مرزا ج ۲ ص ۵۱۵، ۱۳/نومبر ۱۹۰۲ء)

اس عبارت میں مرزا نے تسلیم کیا کہ وہ وہابی (یعنی اہلِ حدیث) نہ کبھی تھا اور نہ ہے۔

یاد رہے کہ اہلِ حدیث کے بارے میں "لفاظی کی بُو" اور "نرا چھلکا ہے مغز بالکل نہیں ہے" کہنا مرزا قادیانی کے جھوٹوں میں سے ہے۔

تنبیہ: مرزائیوں کے نزدیک وہابی سے مراد اہلِ حدیث ہے۔

دیکھئے یہی مضمون (فقرہ نمبر ۱۲) اور سیرت المہدی (حصہ دوم ص ۴۸)

۱۲) مرزا غلام اور قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر احمد (قادیانیوں کے خلیفہ دوم) نے لکھا ہے:

"نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ احمدیت کے چرچے سے قبل ہندوستان میں اہل حدیث کا بڑا چرچا تھا اور حنفیوں اور اہل حدیث کے درمیان (جنکو عموماً لوگ وہابی کہتے ہیں، بڑی مخالفت تھی اور آپس میں مناظرے اور مباحثے ہوتے رہتے تھے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے گویا جانی دشمن ہو رہے تھے ...اور ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ بازی کا میدان گرم تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گو در اصل دعویٰ سے قبل بھی کسی گروہ سے اس قسم کا تعلق نہیں رکھتے تھے جس سے تعصب یا جتھہ بندی کا رنگ ظاہر ہو لیکن اصولاً آپ ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی ظاہر فرماتے تھے اور آپ نے اپنے لئے کسی زمانہ میں بھی اہل حدیث کا نام پسند نہیں فرمایا۔ حالانکہ اگر عقائد و تعامل کے لحاظ سے دیکھیں تو آپ کا طریق حنفیوں کی نسبت اہل حدیث سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔" (سیرت المہدی حصہ دوم ص ۴۸، ۴۹ فقرہ: ۳۵۷)

مرزا بشیر احمد کی اس عبارت سے پانچ باتیں ثابت ہوئیں:

۱: مرزا غلام احمد قادیانی اہلِ حدیث نہیں تھا۔

۲: مرزا غلام احمد قادیانی غیر متعصب حنفی تھا۔

۳: اہلِ حدیث کو لوگ وہابی کہتے تھے لہٰذا مرزا اور اس کے مقلدین کی تحریروں میں جہاں بھی وہابی کا لفظ ہوگا، اس سے مراد دیوبندی نہیں بلکہ صرف اہلِ حدیث مراد ہیں۔

۴: مرزا قادیانی اپنے آپ کو ہمیشہ حنفی ظاہر کرتا تھا۔

۵: مرزا قادیانی نے کسی زمانے میں بھی اپنے لئے اہلِ حدیث نام پسند نہیں کیا۔

تنبیہ: مرزا بشیر احمد کا یہ کہنا کہ "عقائد و تعامل کے لحاظ سے مرزا کا طریق حنفیوں کی بہ

نسبت اہل حدیث سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔'' کئی لحاظ سے غلط اور جھوٹ ہے:

اول: عقائد کا ایک بڑا مسئلہ توحید ہے اور اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے مرزائیوں کے بارے میں کہا: ''توحید میں ہمارا ان کا کوئی اختلاف نہیں'' (سچی باتیں ص ۲۱۲، دیکھئے یہی مضمون فقرہ:۴)

یعنی دیوبندیوں اور مرزائیوں کی ''توحید'' ایک ہے۔

دوم: عقائد کا ایک باب ختم نبوت پر ایمان ہے۔ محمد قاسم نانوتوی نے لکھا ہے:

''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیتِ محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا'' (تحذیر الناس ص ۳۴، دوسرا نسخہ ص ۸۵)

یعنی دیوبندیوں کے نزدیک اگر خاتم النبیین محمد ﷺ کی وفات کے بعد اگر کوئی نبی پیدا ہو جائے تو پھر بھی ختم نبوت کے عقیدے میں کچھ بھی فرق نہیں آئے گا!

بعینہٖ یہی عقیدہ مرزائیوں کا ہے بلکہ عبدالرحمٰن خادم مرزائی نے نانوتوی کے مذکورہ قول کو اپنی کتاب میں بطورِ حجت پیش کیا ہے۔ دیکھئے قادیانیوں کی: پاکٹ بک (ص ۲۷۶)

سوم: مرزائیوں کا تعامل بھی اہلِ حدیث کے خلاف ہے مثلاً:

مرزا بشیر احمد قادیانی نے میاں عبداللہ سنوری قادیانی سے نقل کیا کہ

''...اور میاں عبداللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مینے حضرت صاحب کو کبھی رفع یدین کرتے یا آمین بالجہر کہتے نہیں سُنا۔'' الخ (سیرت المہدی حصہ اول ص ۱۶۲ فقرہ:۱۵۴)

۱۳) مرزا قادیانی کے مرید اور خلیفۂ اول حکیم نور الدین بھیروی نے کہا:

''حضرت مرزا صاحب اہل سنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے۔ اس طائفہ ظاہرین علی الحق میں سے تھے والحمد للہ رب العالمین ۲۹ اگست ۱۹۱۲ء''

(کلام امیر المعروف ملفوظات نور حصہ اول ص ۵۴، بحوالہ تحفۂ حنفیہ ص ۵۲۴)

۱۴) محمد علی لاہوری مرزائی نے لکھا ہے:

''آپ کی اس وقت کی قبولیّت عامہ کی ایک جھلک اس ریویو میں نظر آتی ہے جو مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو اہل حدیث کے لیڈر تھے آپ کی کتاب براہین احمدیہ پر کیا۔ یہ ریویو

اس لحاظ سے اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہے کہ حضرت مرزا صاحب ابتداء سے آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی المذہب رہے۔" (تحریک احمدیت ص ۱۱)

یعنی بٹالوی صاحب نے حنفی المذہب مرزا قادیانی کی کتاب پر ریویو لکھا تھا۔

۱۵) مرزا بشیر احمد قادیانی نے لکھا ہے:

"حافظ روشن علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کسی دینی ضرورت کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کو یہ لکھا کہ آپ یہ اعلان فرمادیں کہ میں حنفی المذہب ہوں حالانکہ آپ جانتے تھے کہ حضرت مولوی صاحب عقیدتاً اہل حدیث تھے ..." الخ (سیرت المہدی حصہ دوم ص ۴۸ فقرہ: ۳۵۷)

اس قادیانی حوالے سے معلوم ہوا کہ مرزا قادیانی لوگوں کو حنفی المذہب ہونے کی دعوت دیتا تھا۔

تنبیہ: مرزا بشیر احمد کا حکیم نور الدین قادیانی کو "عقیدتاً اہل حدیث" کہنا غلط اور جھوٹ ہے۔ ابو القاسم دلاوری دیوبندی نے نور الدین کے بارے میں لکھا ہے:

"... لیکن ایسے ایسے اکابر کی صحبت اُٹھانے کے باوجود طبیعت آزادی کی طرف مائل تھی اس لئے حنفیت پر قائم نہ رہ سکے۔ پہلے اہل حدیث بنے۔ لیکن اس سے بھی جلد سیر ہو گئے ..."

(رئیس قادیان ج ۱ ص ۸۱)

اس دیوبندی حوالے سے معلوم ہوا کہ حکیم نور الدین بھیروی حنفی (یعنی دیوبندی یا بریلوی) تھا۔

تنبیہ: دلاوری کا یہ کہنا کہ "پہلے اہل حدیث بنے۔" غلط اور جھوٹ ہے۔

۱۶) مرزا قادیانی نے لکھا ہے:

"کہ یہودیوں میں حضرت مسیح کے منکر اہلحدیث ہی تھے۔ اُنہوں نے ان پر شور مچایا۔ اور تکفیر کا فتویٰ لکھا اور اُنکو کافر قرار دیا۔ اور کہا کہ یہ شخص خُدا کی کتابوں کو مانتا نہیں۔"

(کشتی نوح ص ۶۵، دوسرا نسخہ ص ۶۰، قادیانی: روحانی خزائن ج ۱۹ ص ۶۷)

یہ تحریر اہلِ حدیث پر بہت بڑا بہتان ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا اہلِ حدیث نہیں تھا۔

۱۷) مرزا قادیانی نے کہا:

''ہمارا مذہب وہابیوں کے برخلاف ہے۔ ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اِباحت ہے، کیونکہ ہر ایک شخص مجتہد نہیں ہے۔ ذرا سا علم ہونے سے کوئی متابعت کے لائق نہیں ہو جاتا۔ کیا وہ اس لائق ہے کہ سارے متقی اور تزکیہ کرنے والوں کی تابعداری سے آزاد ہو جائے۔ قرآن شریف کے اسرار سوائے مُطَہر اور پاک لوگوں کے اور کسی پر نہیں کھولے جاتے ہمارے ہاں جو آتا ہے اسے پہلے ایک حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے...'' الخ

(ملفوظات قادیانی ج ۱ص ۵۳۴، ۱۵/ اگست ۱۹۰۱ء)

فقرہ نمبر ۱۲ کے تحت گزر چکا ہے کہ قادیانیوں کے نزدیک وہابی سے مراد اہلِ حدیث ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ مرزا اور مرزائیوں کا مذہب اہلِ حدیث کے برخلاف ہے اور ہر شخص کو مرزائیت میں آنے کے بعد، پہلے حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے۔

۱۸) مرتضٰی خان حسن بی اے قادیانی نے لکھا ہے:

''...ہم فقہ کو بھی مانتے ہیں اور فقہائے عظام کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان کے اجتہاد اور تفقہ کی قدر کرتے ہیں۔ ہم بالخصوص حضرت امام ابوحنیفہ کی فقہ پر عمل پیرا ہیں۔ اسی کی ہدایت ہمارے امام حضرت مرزا صاحب نے فرمائی ہے۔''

(مجدد زمان بجواب دو نبی ص ۲۱۷، بحوالہ تحفۂ حنفیہ ص ۵۲۵)

۱۹) مرزا قادیانی نے کہا:

''سخت تعجب ان لوگوں کے فہم پر ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث اور غیر مقلد ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم توحید کی راہوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو حنفیوں کو یہ الزام دیتے ہیں کہ تم بعض اولیاء کو صفاتِ الٰہیہ میں شریک کر دیتے ہو اور ان سے حاجتیں مانگتے ہو'' الخ (تحفۂ گولڑویہ ص ۱۲۱، دوسرا نسخہ ص ۷۰، قادیانی: روحانی خزائن ج ۱۷ص ۲۰۷/ حاشیہ)

یہ تحریر خود بتا رہی ہے کہ اس کا لکھنے والا اہل حدیث نہیں بلکہ حنفیت کا دفاع کرنے والا ہے۔

۲۰) مولانا عبدالغفور اثری حفظہ اللہ نے لکھا ہے:

''روز نامہ نوائے وقت ج ۳۷، شمارہ ۲۱۲، ۱۱/ دسمبر ۱۹۷۶ء میں ہے کہ:

''۱۰۔ دسمبر (وقائع نگار) قادیانی جماعت کا سالانہ جلسہ آج ربوہ میں شروع ہوا فرقہ قادیان کے سربراہ مرزا ناصر احمد نے جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے کہا ہم جو محسوس کرتے ہیں اور سچ سمجھتے ہیں اس کا اعلان کرتے رہیں گے.... انہوں نے اپنے عقائد کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ ہم اس مذہب کو مانتے ہیں جو نبی آخر الزماں لے کر آئے۔ ہمارا فقہ حنفی فقہ ہے۔''

(حنفیت اور مرزائیت ص ۵۵ طبع ۱۹۸۷ء)

قارئین کرام! ان بیس حوالوں سے یہ ثابت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اہل حدیث نہیں بلکہ دیو بندی یا بریلوی (عرفِ عوام میں: حنفی) تھا لہٰذا ماسٹر امین اوکاڑوی دیو بندی، عبدالحق خان بشیر دیو بندی اور آلِ دیو بند و آلِ بریلوی کے جن لکھاریوں نے اِدھر اُدھر کے اعمال فقہیہ والے حوالوں اور تحریفات سے مرزا قادیانی کو اہلِ حدیث ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، وہ سب جھوٹ، باطل اور مردود ہے۔

تنبیہ: ہمارے ذکر کردہ حوالوں کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی اہلِ حدیث نہیں تھا مثلاً:

۱: مفتی محمد صادق قادیانی نے ''اہل حدیث و یہود'' کا باب باندھ کر مرزا قادیانی سے نقل کیا: ''ایسا ہی اس زمانہ میں ہمارا مقابلہ اہلحدیث کے ساتھ ہوا۔ کہ ہم قرآن پیش کرتے، اور وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔'' (ذکرِ حبیب ص ۲۹۵، نیز دیکھئے ملفوظات مرزا ج ۲ ص ۲۰۳)

۲: مرزا قادیانی نے کہا: ''باقی رہا شریعت کا عملی حصہ، سو ہمارے نزدیک سب سے اوّل قرآن مجید ہے۔ پھر احادیثِ صحیحہ جن کی سُنت تائید کرتی ہے۔ اگر کوئی مسئلہ ان دونو میں نہ ملے تو پھر میرا مذہب تو یہی ہے کہ حنفی مذہب پر عمل کیا جاوے کیونکہ ان کی کثرت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی یہی ہے۔ مگر ہم کثرت کو قرآن مجید و احادیث کے مقابلہ

میں ہیچ سمجھتے ہیں۔ انکے بعض مسائل ایسے ہیں کہ قیاس صحیح کے بھی خلاف ہیں۔ ایسی حالت میں احمدی علماء کا اجتہاد اولیٰ بالعمل ہے...'' (ملفوظات ج ۵ ص ۱۳۴) (۴/ جولائی ۲۰۰۹ء)

سرفراز خان صفدر کا علمی و تحقیقی مقام!

سوال سرفراز خان صفدر دیو بندی نے ایک کتاب لکھی ہے: ''مقامِ ابی حنیفہ''

اس کتاب میں انھوں نے امام ابو حنیفہ کی تعریف و توثیق کے بارے میں بہت سے محدثین کرام کے اقوال لکھے ہیں اور کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ کیا یہ اقوال ان محدثین کرام سے ثابت ہیں، جن کا سرفراز خان صفدر مذکور نے ذکر کیا ہے؟

کسی ڈاکٹر انوار احمد اعجاز (؟) نے سرفراز خان کے بارے میں لکھا ہے:

''امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدرؒ کا نام نامی ملت اسلامیہ میں اپنے تحقیقی و علمی کام کی بدولت ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آپ نے ۵۰ کے قریب کتب یادگار چھوڑی ہیں جن کا علمی و تحقیقی معیار نہایت بلند ہے۔

....لیکن ''احسن الکلام''، ''تسکین الصدور''، ''اظہار العیب''، ''الکلام المفید''، ''راہ سنت''، ''شوق حدیث''، ''طائفہ منصورہ'' اور ''مقامِ ابی حنیفہ'' میں جس انداز سے علمی و تحقیقی اور فنی کمالات کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اس کی بدولت ان تصنیفات نے برصغیر کے سبھی دینی مفکرین سے بے پناہ داد پائی، خاص طور پر ''مقامِ ابی حنیفہ'' تو ایک ایسا شاہکار ہے کہ اس کی نظیر شاید ہی پیش کی جاسکے۔''

(دیو بندی رسالے: الشریعہ کا سرفراز خان صفدر نمبر ص ۲۰۳، بمطابق جولائی تا اکتوبر ۲۰۰۹ء)

کیا درج بالا باتیں صحیح ہیں اور کیا واقعی مقامِ ابی حنیفہ نامی کتاب میں علمی و تحقیقی اور فنی کمالات کا مظاہرہ کیا گیا ہے؟

غیر جانبدارانہ تحقیق اور انصاف سے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً. (ایک سائل)

الجواب الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ

الأمين، أما بعد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا ﴾

اور جب تم بات کرو تو عدل (انصاف) کرو۔ (الانعام:۱۵۲)

نیز فرمایا: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ ﴾ کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس پر نہ اُکسائے کہ تم انصاف نہ کرو۔ (بلکہ) عدل و انصاف کرو، یہ تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ (المائدہ:۸)

اس اصول کو دل و جان سے پیشِ نظر رکھتے ہوئے آپ کے خط کا جواب درج ذیل ہے:

جو کتابیں اپنے مصنفین سے ثابت ہیں، اُن کی دو قسمیں ہیں:

اول: کتاب کے مصنف نے یہ شرط لگائی ہے کہ میری کتاب کی ہر روایت اور ہر قول میرے نزدیک باسند صحیح ثابت ہے مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم کی تمام مرفوع مسند متصل احادیث۔ اگر ایسی کتاب کو اُمت کا بالاتفاق تلقی بالقبول حاصل ہو تو اس کی روایات پر اعتماد کیا جاتا ہے اور بغیر کسی خوف کے ان روایات کا حوالہ دینا جائز ہے۔

دوم: کتاب کے مصنف نے صحیح یا ضعیف کی کوئی شرط نہیں لگائی بلکہ کسی خاص مقصد کے لئے ہر قسم کی روایات یا اقوال جمع کر کے لکھ دیئے مثلاً تاریخ بغداد للخطیب البغدادی، الانتقاء لابن عبدالبر، مناقب موفق المکی اور عام کتبِ حدیث و کتبِ تاریخ۔

اس قسم کی تمام کتابوں کی صرف وہی روایت قابلِ اعتماد ہوتی ہے، جس کتاب کا مصنف بذاتِ خود ثقہ و صدوق یعنی قابلِ اعتماد ہو اور جس کی سند صاحبِ کتاب سے آخری قائل و فاعل یا متن تک متصل اور صحیح و حسن لذاتہ ہو۔

اگر یہ شرطیں یا ان میں سے ایک شرط مفقود ہو تو پھر ایسی کتابوں سے کوئی روایت یا قول نقل کر کے جلد اور صفحے کا حوالہ دینا بے فائدہ اور فضول ہے بلکہ مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ محمد سرفراز خان صفدر کڑمنگی دیوبندی نے ''مقامِ ابی حنیفہ''

نامی کتاب میں کتابوں کا حوالہ دے کر امام ابوحنیفہ کی تعریف وتوثیق میں جو روایات لکھی ہیں، ان میں سے بہت سی روایات سنداً صحیح وثابت نہیں بلکہ موضوع، باطل، مردود اور ضعیف ہیں۔ فی الحال ان میں سے بطورِ نمونہ صرف دس روایات مع تحقیق پیشِ خدمت ہیں:

۱) سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے:

''محدّث اسرائیلؒ فرماتے تھے کہ نعمانؒ بن ثابتؒ کیا ہی خوب مرد تھے جو ہر ایسی حدیث کے حافظ تھے جس میں فقہ ہوتی تھی اور اس کی وہ خوب بحث وتمحیص کیا کرتے تھے اور اس میں فقہ کی تہ تک پہنچتے تھے۔.... (بغدادی جلد۱۳ص ۳۳۹)''

(مقام ابی حنیفہ ص ۲۷، نیز دیکھئے ص ۱۱۲)

① تاریخ بغداد (ج ۱۳ص ۳۳۹ ت ۷۲۹۷) اور کتاب: اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصمیری (ص ۹) کی اس روایت کی سند میں ابو العباس احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحمانی المعروف بابن عطیہ راوی ہے، جس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''كان ينزل المشرقية ببغداد ، رأيته في سنة سبع و تسعين و مائتين ... وما رأيت في الكذابين أقل حياء منه ...''

وہ بغداد کے مشرقی محلے میں رہتا تھا، میں نے اسے ۲۹۷ (ہجری) میں دیکھا... میں نے جھوٹے لوگوں میں اتنا بے حیا (بے شرم جھوٹا) اور کوئی نہیں دیکھا۔

(الکامل لابن عدی ج ۱ص ۲۰۲، دوسرا نسخہ ج ۱ص ۳۲۷۔ ۳۲۸)

② حافظ ابن حبان نے فرمایا: ''أبو العباس من أهل بغداد يروي عن العراقيين، كان يضع الحديث عليهم ...'' ابو العباس اہلِ بغداد میں سے ہے، وہ عراقیوں سے روایت کرتا تھا، وہ اُن پر حدیث گھڑتا تھا۔ (کتاب المجروحین ج ۱ص ۱۵۳، دوسرا نسخہ ج ۱ص ۱۶۸)

③ امام دارقطنی نے کہا: ''يضع الحديث'' وہ حدیث گھڑتا تھا۔

(الضعفاء والمتروکون: ۵۹، سوالات الحاکم: ۳۴، تاریخ بغداد ج ۵ص ۳۴ وسندہ صحیح)

④ امام ابن ابی الفوارس نے کہا: ''كان يضع'' وہ (حدیثیں) گھڑتا تھا۔

(تاریخ بغداد ج۴ ص۲۹ ت ۱۸۹۶، وسندہ صحیح)

⑤ خطیب بغدادی نے کہا: اس نے حدیثیں بیان کیں، ان میں اکثر باطل ہیں، اُس نے انھیں گھڑا تھا۔ (تاریخ بغداد ج۴ ص ۲۰۷)

⑥ حافظ ابن الجوزی نے احمد بن الصلت کو حدیث کا چور قرار دیا۔

دیکھئے کتاب الموضوعات (ج ۳ ص ۱۱۸، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۳۴۱ ح ۱۵۸۱)

⑦ حاکم نیشاپوری نے کہا: " **روى عن القعنبي و مسدد و إسماعيل بن أبي أويس و بشر بن الوليد أحاديث و ضعها ، و قد وضع المتون أيضًا مع كذبه في لقي هؤ لاء ...** " اس نے قعنبی، مسدد، اسماعیل بن ابی اویس اور بشر بن الولید سے حدیثیں بیان کیں جنھیں اُس نے گھڑا تھا، اُس نے ان سے ملاقات کے جھوٹ کے علاوہ روایتوں کے متن بھی بنائے... (المدخل الی الصحیح ص ۱۲۱ ت ۱۹)

⑧ ابونعیم اصبہانی نے کہا: وہ ابن ابی اویس، قعنبی اور ایسے شیوخ سے مشہور اور منکر روایتیں بیان کرتا تھا جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی، وہ " **لا شيء** " کوئی چیز نہیں ہے۔

(کتاب الضعفاء لابی نعیم ص ۶۵ ت ۳۱)

⑨ احمد بن الصلت کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: " **كان يضع الحديث** "

وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (المغنی فی الضعفاء ج۱ ص ۸۹ ت ۴۲۶)

اور کہا: " **وضاع** " وہ حدیثیں گھڑنے والا تھا۔ (دیوان الضعفاء للذہبی ص ۲۹ ج ۱ ت ۵۰)

ذہبی نے مزید کہا: " **كذاب وضاع** " **إلخ** وہ جھوٹا، حدیثیں گھڑنے والا ہے۔ الخ

(میزان الاعتدال ۱/۱۴۰)

⑩ حافظ ابن کثیر الدمشقی نے احمد بن الصلت کے بارے میں کہا:

" **أحد الوضاعين للأحاديث** " وہ حدیث گھڑنے والوں میں سے ایک تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۲۷ وفیات ۳۰۸ھ)

دس علماء کی ان گواہیوں سے معلوم ہوا کہ ابن الصلت الحمانی کذاب اور وضاع تھا۔

اس کذاب و وضاع کی روایت کو بطورِ حجت پیش کر کے سرفراز خان (صاحب) نے علمی و تحقیقی اور فنی کمال کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ کذب بیانی کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔

ثابت ہوا کہ انوار احمد اعجاز (؟) نے مذکورہ عبارت میں غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ ''برصغیر کے سبھی دینی مفکرین سے بے پناہ داد پائی'' بالکل جھوٹ اور افتراء ہے۔

اس کذاب اور وضاع (احمد بن الصلت الحمانی) پر دوسرے علماء نے بھی جرح کی ہے اور ابن ابی خیثمہ سے ابن الصلت (مذکور) کی توثیق و تعریف قطعاً ثابت نہیں ہے۔
نیز دیکھئے التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل (۱/ ۱۰۷۔ ۱۰۳ ت ۳۴)

۲) سرفراز خان صفدر نے لکھا:
''عبداللہؒ بن ادریسؒ ایک موقع پر امام ابوحنیفہؒ کی آمد پر اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے، اس پر اُن کے کچھ رفقاء نے جن میں امام ابوبکرؒ بن عیاشؒ بھی تھے معترض ہوئے کہ آپ اس شخص کے لیے کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ابُو حنیفہؒ کا پایہ علم میں بہت بلند ہے اگر میں اُن کے علم کے لیے نہ کھڑا ہوتا تو اُن کی عمر کے لحاظ سے کھڑا ہوتا اور اگر عمر کا لحاظ بھی نہ کرتا تو قُمْتُ لِفقهِهِ (اُن کی فقہ کے لیے کھڑا ہوتا)۔ اگر فقہ کے لیے بھی نہ کھڑا ہوتا تو اُن کے زہد کے لیے کھڑا ہوتا۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۳۴۱)''

(مقامِ ابی حنیفہ ص ۷۵)

اس روایت میں ایک راوی ابو العباس احمد بن محمد بن سعید الہمدانی المعروف بابن عقدہ ہے، جس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ''وہ گندا آدمی تھا'' آپ اس کے رافضی ہونے کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

(دیکھئے تاریخ بغداد ۵/ ۲۲، لسان المیزان ۱/ ۲۶۴ ت ۸۱۷، اور میری کتاب: علمی مقالات ج ۱ ص ۴۷۷)

امام دارقطنی نے مزید فرمایا: وہ منکر روایتیں کثرت سے بیان کرتا ہے۔

(تاریخ بغداد ۵/ ۲۲ وسندہ صحیح)

ابوعمر محمد بن العباس بن محمد بن زکریا البغدادی المعروف بابن حیویہ نے فرمایا: ابن عقدہ جامع براثا (بغداد) میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ یا (سیدنا) ابوبکر اور (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہما) کی بُرائیاں اور سب وشتم لکھواتا تھا، میں نے جب یہ دیکھا تو اس کی حدیث کو ترک کر دیا اور اس کے بعد میں اس سے کوئی چیز بھی روایت نہیں کرتا ہوں۔ (سوالات حمزہ السہمی: ۱۶۶، وسندہ صحیح)

محمد بن الحسین بن مکرم البغدادی البصری نے ایک سچا واقعہ بیان کیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عقدہ نے عثمان بن سعید البری رحمہ اللہ کے بیٹے کے گھر سے کتابیں چُرالی تھیں۔ (دیکھئے الکامل فی الضعفاء لابن عدی ۱/۲۰۹ وسندہ صحیح، علمی مقالات ج ۱ص ۴۷۸)

یعنی ابن عقدہ چور تھا۔

ابن عقدہ کا استاذ ابومحمد عبداللہ بن ابراہیم بن قتیبہ الانصاری الکوفی مجہول الحال ہے، میرے علم کے مطابق کسی سے اس کی توثیق ثابت نہیں۔

اس کے مجرد ذکر کے لئے دیکھئے غایۃ النہایہ لابن الاثیر (۱/۴۰۳ ت ۱۷۱۶)

اس روایت کی سند میں ابراہیم بن البصیر نامعلوم ہے۔ اگر اس سے مراد ابراہیم بن النضر ہے تو وہ بھی مجہول ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

اسماعیل بن حماد نام کے دو آدمی تھے: (۱) اسماعیل بن حماد بن ابی سلیمان

(۲) دوسرا اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ الفقیہ۔

ثانی الذکر کو معتدل امام ابن عدی نے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔

دیکھئے الکامل لابن عدی (۱/۳۰۸، دوسرا نسخہ ۱/۵۰۹۔۵۱۰)

اُسے حافظ ابن الجوزی (الضعفاء والمتروکین ۱/۱۱۰) اور حافظ ذہبی (دیوان الضعفاء ۱/۸۳ ت ۳۹۴) دونوں نے اسے ضعفاء (ضعیف راویوں) میں درج کیا۔ حافظ ابن حجر نے بطورِ جزم امام مطین سے نقل کیا کہ وہ (اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ) قرآن کو مخلوق سمجھتا تھا اور کہتا تھا، یہ میرا دین ہے، میرے باپ اور میرے دادا کا دین ہے۔

امام مطین یا حافظ ابن حجر نے کہا: اُس نے دونوں (باپ اور دادا) پر جھوٹ بولا ہے۔

(لسان المیزان ج ۱ ص ۳۹۹، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۶۱۸)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت ابن عقدہ رافضی اور چور کی وجہ سے موضوع ہے۔

اخبار ابی حنیفہ للصیمری (ص ۷۳) میں اس روایت کی ایک اور سند ہے، جس کا جائزہ درج ذیل ہے:

اس کا پہلا راوی ابو القاسم عبداللہ بن محمد (بن عبداللہ بن ابراہیم بن عبید) المعدل (البختری الحلوانی الشاہد) کذاب تھا۔ محدث ازہری نے اس کے بارے میں کہا:

"...ویضع الحدیث"...اور وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۱۳۷ ت ۵۲۷۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے میزان الاعتدال (۲/۴۹۷) اور لسان المیزان (۳/۳۵۰۔۳۵۱، دوسرا نسخہ ۴/۱۴۳۔۱۴۴)

امام دارقطنی وغیرہ محدثینِ بغداد نے اُسے احادیث اور سندیں گھڑنے والا قرار دیا۔

(دیکھئے سوالات حمزہ السہمی: ۳۲۹)

عبدالصمد بن عبیداللہ الدلال اور عبداللہ بن ابراہیم بن قتیبہ دونوں کی توثیق نامعلوم ہے۔

ابراہیم بن النضر نامعلوم ہے اور اسماعیل بن حماد غیر متعین ہے جیسا کہ سابقہ روایت کی تحقیق میں گزر چکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔

تنبیہ: امام عبداللہ بن ادریس سے ان موضوع روایات کے برعکس امام ابوحنیفہ پر جرح ثابت ہے۔ دیکھئے کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی (۴/۲۸۰ وسندہ صحیح) اور تاریخ بغداد (ج ۱۳ ص ۳۹۳ وسندہ صحیح)

۳) سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے:

"ابُو مسلم المستملیؒ نے امام ابُو خالد یزیدؒ بن ہارونؒ سے دریافت کیا کہ آپ کی ابُو حنیفہؒ اور اُن کی کتابیں دیکھنے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اُنہوں نے فرمایا کہ:

....اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کی کتابوں کو ضرور دیکھو کیونکہ میں نے فقہاء میں سے

کسی ایک کو بھی ایسا نہیں پایا جو ان کے قول کو دیکھنا ناپسند کرتا ہو۔"

(مقامِ ابی حنیفہ ص ۷۶ بحوالہ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۲)

اس روایت میں احمد بن محمد بن الصلت الحمانی کذاب ہے۔ دیکھئے روایت نمبر ا

عبداللہ بن محمد الحلوانی بھی کذاب ہے۔ دیکھئے روایت نمبر ۲

یعنی یہ روایت موضوع ہے۔

تنبیہ: امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے فرمایا: "أدركت الناس فما رأيت أحدًا أعقل و لا أفضل ولا أورع من أبي حنيفة" میں نے لوگوں کو دیکھا تو ابوحنیفہ سے زیادہ عقلمند، افضل اور زیادہ پرہیز گار دوسرا کوئی نہیں دیکھا۔

(تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۶۴ وسندہ صحیح، الاسانید الصحیحہ فی اخبار الامام ابی حنیفہ قلمی ص ۷۴)

معلوم ہوا کہ امام یزید بن ہارون سے امام ابوحنیفہ کی تعریف ثابت ہے لیکن صریح توثیق ثابت نہیں۔ واللہ اعلم

۴) سرفراز خان صفدر نے کہا:

"امام عبداللہ بن المبارکؒ کے سامنے کسی شخص نے امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی کی تو وہ شیرِ ببر کی طرح گرجتی ہوئی آواز میں فرمانے لگے ویحك۔ تعجب ہے تجھ پر تو اُس شخص کی شان میں گستاخی کر رہا ہے جس نے پینتالیس سال پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں اور جو راتوں کو پورا قرآن کریم دو رکعتوں میں ختم کرتا رہا ہے... (بغدادی ص ۳۵۵ ج ۱۳ و مناقب موفق ص ۲۳۶ ج ا و تبییض الصحیفہ ص ۳۵)" (مقامِ ابی حنیفہ ص ۷۹، ۸۰)

مناقب موفق میں یہ روایت خطیب بغدادی کی سند و متن سے مذکور ہے اور تبییض الصحیفہ للسیوطی (ص ۱۱۴) میں بغیر سند اور بغیر حوالے کے لکھی ہوئی ہے لہٰذا تبییض کا حوالہ مردود ہے۔

تاریخ بغداد اور اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ للصیمری (ص ۷۷) کی اس روایت کے درج ذیل راویوں کی توثیق نامعلوم ہے:

(۱) منصور بن ہاشم (مجہول)

(۲) احمد بن ابراہیم (غیر متعین)

(۳) محمد بن سہل بن منصور المروزی (نامعلوم)

معلوم ہوا کہ یہ روایت ان مجہول راویوں کی وجہ سے موضوع ہے۔

تنبیہ: امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے کہا: ''و رأیت أفقه الناس.... و أما أفقه الناس فأبو حنیفة'' اور میں نے لوگوں میں سب سے بڑا فقیہ دیکھا...لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ ابوحنیفہ ہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۳۴۲۔۳۴۳ وسندہ صحیح)

ابن المبارک نے مزید کہا: جب سفیان (ثوری) اور ابوحنیفہ (کسی مسئلے پر) جمع ہو جائیں تو اُن کے مقابلے میں فتویٰ دینے کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو سکتا ہے؟

(تاریخ بغداد ۱۳/۳۴۳ وسندہ صحیح)

اور فرمایا: جب یہ دونوں یعنی ثوری اور ابوحنیفہ کسی چیز پر جمع ہو جائیں تو وہ چیز قوی ہے۔

(تاریخ بغداد ۱۳/۳۴۳، الانتقاء ص ۱۳۲، وسندہ صحیح)

امام ابن المبارک نے کہا: اگر کسی کے لئے رائے سے بات کرنا مناسب ہوتا تو وہ ابوحنیفہ کے لئے مناسب تھا کہ وہ رائے سے کہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۳۴۳ وسندہ صحیح)

ان تعریفی روایات میں صریح توثیق کا کوئی ذکر نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ یہ تمام روایات دوسری صحیح روایات کی رو سے منسوخ ہیں۔

ثقہ وصدوق ابراہیم بن شماس فرماتے تھے: ابن المبارک نے آخر میں ابوحنیفہ کو ترک کر دیا تھا۔ (کتاب المجروحین لابن حبان ج ۳ ص ۷۱ وسندہ حسن)

حسن بن ربیع (ثقہ) نے کہا: ابن المبارک نے اپنی وفات سے تھوڑے دن پہلے ابوحنیفہ کی حدیث کو کاٹ دیا تھا۔ (معرفۃ العلل والرجال لعبداللہ بن احمد بن حنبل ۲/۱۴۲ ت ۱۷۴۹، وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے الاسانید الصحیحہ (قلمی ص ۲۱۰ تا ۲۱۹)

نعمان بن ثابت پر امام عبداللہ بن المبارک کی صحیح و ثابت جرح کے لئے دیکھئے

الاسانید الصحیحہ (قلمی ص ۲۱۰۔۲۱۹) الکامل لابن عدی (۷/۲۴۷۷ وسندہ صحیح) کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل (۳۴۶ وسندہ صحیح) کتاب الثقات لابن حبان (۸/۶۹۔۷۰ وسندہ صحیح) کتاب المعرفۃ والتاریخ (۲/۸۳ وسندہ صحیح) اور تاریخ بغداد (۱۳/۴۲۶ وسندہ صحیح)

۵) سرفراز خان صفدر نے لکھا:

''نضرؒ بن شمیلؒ فرماتے ہیں کہ لوگ فقہ سے غافل اور بے خبر و خُفتہ تھے۔ ابوحنیفہؒ نے اُن کو جگایا ہے.... (بغدادی جلد ۱۳ اص ۳۴۵)'' (مقامِ ابی حنیفہ ص ۸۱)

اس روایت میں احمد بن الصلت الحمانی کذاب ہے۔ دیکھئے یہی مضمون روایت نمبر ا

۶) سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے:

''محمدؒ بن بشرؒ کا بیان ہے کہ میں امام سفیان ثوریؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ تو جب میں سفیانؒ کے پاس حاضر ہوتا تو وہ فرماتے۔ تم کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ ابُو حنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں تو وہ فرماتے کہ:... واقعی تم تو زمین کے فقیہ تر انسان کے پاس سے آئے ہو.... (بغدادی ص ۳۴۴ ج ۱۳)'' (مقامِ ابی حنیفہ ص ۸۰)

اس روایت میں عمر بن شہاب العبدی راوی ہے جس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملے اور نہ کسی سے اُس کی توثیق ثابت ہے لہٰذا یہ مجہول ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت عمر بن شہاب کے مجہول ہونے کی وجہ سے موضوع ہے اور امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے جرح کی متواتر روایات کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے منکر و مردود ہے۔

امام سفیان ثوری کی امام ابوحنیفہ پر جرح کی روایات کے لئے دیکھئے: معرفۃ العلل والرجال (۲/۲۲۵ رقم ۱۶۲۲، وسندہ صحیح) تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی (۱۳۳۶، وسندہ حسن) طبقات المحدثین باصبہان (۲/۱۱۰، مخطوطہ ۱/۱۱۰، وسندہ حسن) اور کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد ۱/۱۹۵ ح ۲۷۸ وسندہ حسن)

۷) سرفراز خان صفدر نے کہا:

''امام صدر الائمہ مکی اپنی سند کے ساتھ امام زفرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

بڑے بڑے محدثین مثلاً زکریاؒ بن ابی زائدہؒ، عبدالملکؒ بن ابی سلیمانؒ، لیث بن ابی سلیمؒ، مطرفؒ بن طریفؒ اور حصینؒ بن عبدالرحمٰنؒ وغیرہ امام ابو حنیفہؒ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور ایسے (دقیق) مسائل اُن سے دریافت کرتے تھے جو ان کو درپیش ہوتے تھے اور جس حدیث کے بارے میں ان کو اشتباہ ہوتا ہے اس کے متعلق بھی وہ ان سے سوال کرتے تھے۔ (مناقب موفق ج ۲ص ۱۴۹)'' (مقام ابی حنیفہ ص ۱۱۳)

عرض ہے کہ صدر الائمہ موفق مکی معتزلی اور رافضی تھا۔ کردری حنفی نے کہا:

''وذكر صدر الأئمة المكي أخطب الخطباء الخوارزمي المعتزلي القائل بتفضيل علي على كل الصحابة ''یعنی موفق مکی معتزلی تھا، وہ تمام صحابہ پر علی (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا قائل تھا۔ (مناقب الکردری ج اص ۸۸)

موفق رافضی معتزلی نے یہ روایت ابومحمد الحارثی (عبداللہ بن محمد بن یعقوب البخاری) سے نقل کی۔ دیکھئے مناقب الموفق (ج ۲ص ۱۴۸)

ابومحمد الحارثی کے بارے میں ابواحمد الحافظ وغیرہ نے بتایا کہ وہ حدیث بناتا تھا۔

(کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۵۴، دوسرا نسخہ ص ۱۷۸ ح ۳۸۸ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے لسان المیزان (۳/۳۴۸۔۳۴۹) اور میری کتاب: نور العینین (ص ۴۳)

حارثی کا مزعوم استاد اسماعیل بن بشر مجہول ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی موضوع ہے۔

۸) سرفراز خان نے لکھا ہے:

''چنانچہ امام صدر الائمہ مکیؒ، امام حسنؒ بن زیادؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

...امام ابو حنیفہ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ دو ہزار صرف حمادؒ کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔ (مناقب موفق ج اص ۹۶)'' (مقام ابی حنیفہ ص ۱۱۶)

یہ روایت تین وجہ سے موضوع ہے:

اول: آلِ تقلید کا صدر الائمہ رافضی اور معتزلی تھا۔ دیکھئے روایت نمبر ۷

دوم: موفق رافضی و معتزلی اور حسن بن زیاد اللؤلؤی کے درمیان سند غائب ہے۔ اس رافضی کی پیدائش سے پہلے حسن بن زیاد مر گیا تھا لہٰذا اس روایت کی سند کہاں ہے؟

سوم: حسن بن زیاد مشہور کذاب تھا۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: اور حسن اللؤلؤی کذاب ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۶۵، میری کتاب: علمی مقالات ج ۲ ص ۳۳۷)

عبدالغفار دیوبندی (کذاب) نے لکھا ہے: ''سید الحفاظ یحی بن معین الحنفی المقلد''

(دیوبندی رسالہ: قافلۂ حق ج ۳ شمارہ ۴ ص ۱۹)

امام یحییٰ بن معین نہ تو حنفی تھے اور نہ مقلد بلکہ اُن کے بارے میں حاکم نیشاپوری نے کہا: اہلِ حدیث کے امام (المستدرک ج ۱ ص ۱۹۸ ح ۷۱۰، علمی مقالات ج ۱ ص ۱۶۴ فقرہ ۱۳)

نیز دیکھئے (ایک سوال کے جواب میں) میرا مضمون: امام یحییٰ بن معین اور توثیق ابی حنیفہ؟

حسن بن زیاد کے بارے میں امام نسائی نے فرمایا: ''کذاب خبیث''

(الطبقات للنسائی آخر کتاب الضعفاء ص ۲۶۶، دوسرا نسخہ ص ۳۱۰)

یعقوب بن سفیان الفارسی نے کہا: ''الحسن اللؤلؤي كذاب''

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۵۶/۳)

امام یزید بن ہارون (جنھیں سرفراز خان صفدر نے الحافظ القدوہ اور شیخ الاسلام کہا ہے۔ دیکھئے مقام ابی حنیفہ ص ۷۶) نے حسن بن زیاد کے بارے میں فرمایا: کیا وہ مسلمان ہے؟

(الضعفاء للعقیلی ج ۱ ص ۲۲۷ وسندہ صحیح، اخبار القضاۃ لابن حیان ۱۸۹/۳، وسندہ صحیح، علمی مقالات ج ۲ ص ۳۳۷)

یہ شخص امام سے پہلے سر اُٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا، نیز ایک دفعہ نماز کے دوران میں سجدے میں ایک لڑکے کا بوسہ لے لیا اور اس حرکت کو ایک سچے امام نے دیکھا تھا۔

ایسے گندے کذاب کی روایت سے سرفراز خان کڑمنگی نے استدلال کر کے اپنے بارے میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ علم و تحقیق اور انصاف سے یہ شخص (سرفراز خان) بہت دُور اور ترویجِ اکاذیب میں بہت مصروف تھا۔

۹) سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے:

''امام ابو زکریا یحییٰؒ بن معینؒ سے دریافت کیا گیا کہ:۔...کیا امام ابو حنیفہؒ حدیث میں سچے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ ہاں سچے تھے۔(جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹)''

(مقامِ ابی حنیفہ ص ۱۴۸)

جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر میں یہ روایت محمد بن الحسین الازدی الموصلی الحافظ کے حوالے سے موجود ہے۔اس ازدی کے بارے میں امام ابوبکر البرقانی نے اشارہ کیا کہ وہ ضعیف تھا۔خطیب بغدادی نے کہا: اس کی حدیث میں غرائب اور منکر روایتیں ہیں، وہ حافظ تھا... (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۴۴ ت ۷۰۹)

حافظ ذہبی نے اسے ضعیف راویوں میں ذکر کیا اور کہا: وہ منکر روایتیں اور غرائب بیان کرنے والا تھا، برقانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(دیوان الضعفاء والمتروکین ۲/۲۹۲ ت ۳۶۷۲)

حافظ ابن حجر نے کہا: اور ازدی ضعیف ہے...الخ (ہدی الساری ص ۳۸۶ ترجمۃ احمد بن شبیب)

نیز دیکھئے مضمون: امام یحییٰ بن معین اور توثیقِ ابی حنیفہ؟ (ص ۱)

یہ شخص امام ابن معین کی وفات (۲۳۳ھ) کے ۱۴۱ سال بعد ۳۷۴ھ میں فوت ہوا۔

ازدی مذکور نے امام ابن معین تک کوئی سند بیان نہیں کی لہٰذا یہ بے سند و مجروح روایت موضوع ہے۔

۱۰) سرفراز خان نے کہا:

''حضرت روحؒ بن عبادہؒ فرماتے ہیں کہ میں ۱۵۰ھ میں مشہور محدّث ابنِ جریجؒ کے پاس تھا کہ اچانک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی وفات کی خبر آ گئی۔ابن جریجؒ نے اِنّا لِلّٰہِ الخ پڑھ کر صدمہ کے ساتھ یہ فرمایا کہ:۔

ایّ علم ذھب۔ (بغدادی ج ۱۳ ص ۳۳۸) کتنا بڑا علم رخصت ہو گیا ہے۔''

(مقامِ ابی حنیفہ ص ۷۱۔۷۲)

اس روایت کا ایک راوی ابو محمد عبداللہ بن جابر بن عبداللہ الطرسوسی البزاز ہے، جس کے بارے میں ابو احمد الحاکم نے کہا: " ذاهب الحديث .. منكر الحديث "
وہ حدیث میں گیا گزرا ہے... وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۹/۱۵۹۔۱۶۰)

سیوطی نے عبداللہ بن جابر کی ایک روایت کو اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ (۱/ ۲۱۷) میں ذکر کیا ہے۔

اس طرسوسی کی توثیق نامعلوم ہے۔ اس کا شاگرد ابو الحسن احمد بن جعفر بن حمدان الطرسوسی ہے جس کی توثیق کہیں نہیں ملی یعنی وہ بھی مجہول تھا۔

خلاصہ یہ کہ یہ روایت موضوع ہے۔

یہ دس مثالیں بطورِ نمونہ اور تعارف پیش کی گئی ہیں ورنہ سرفراز خان کی اس کتاب اور دیگر کتابوں میں موضوع، ضعیف اور مردود روایات کثرت سے ہیں۔

ابن الندیم (محمد بن اسحاق بن محمد بن اسحاق بن الندیم الوراق) نام کا ایک رافضی معتزلی تھا۔ دیکھئے لسان المیزان (۵/۷۲، دوسرا نسخہ ۵/۷۰۷)

حافظ ابن حجر نے کہا: وہ غیر موثوق ہے یعنی ثقہ نہیں ہے۔ (ایضاً ص ۷۲)

پھر انھوں نے ابن الندیم کے مفتری (جھوٹے) ہونے کا ثبوت پیش کیا۔

دیکھئے لسان المیزان (ج ۵ ص ۷۳۔۷۴)

حافظ ذہبی نے کہا: " الشيعي المعتزلي " (تاریخ الاسلام ج ۲۷ ص ۳۹۸)

یاقوت الحموی نے کہا: " وكان شيعياً معتزلياً " وہ شیعہ معتزلی تھا۔

(معجم الادباء ج ۱۸ ص ۱۷ ت ۶)

صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی نے کہا: وہ شیعہ معتزلی تھا۔

(الوافی بالوفیات ج ۲ ص ۱۳۹ ت ۵۶۹)

اس شیعہ معتزلی رافضی کی توثیق کسی قابلِ اعتماد محدث سے ثابت نہیں ہے مگر سرفراز

خان صفدر نے بار بار اس کے اقوال سے استدلال کیا۔ (دیکھئے مقامِ ابی حنیفہ ص ۸۲، ۱۰۸)
اور کہا: ''مشہور قدیم اور ثقہ مؤرخ امام ابوالفرج محمدؒ بن اسحاقؒ بن ندیمؒ ...''

(الکلام المفید فی اثبات التقلید ص ۲۴۳)

سبحان اللہ! دیوبندیوں کو رافضی معتزلی امام اور پھر اس پر سہاگا یہ کہ ثقہ بھی (؟!) مبارک ہو!
اسی ایک حوالے سے صاف ظاہر ہے کہ آلِ دیوبند کا اوڑھنا بچھونا کذب وافتراء اور تہمت برا بریاء ہے۔

سرفراز خان صفدر نے اس کتاب اور دوسری کتابوں میں ضعیف اور غیر ثابت اقوال و روایات سے کثرت کے ساتھ استدلال کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ سرفراز خان صفدر کی کتابوں میں علمی و تحقیقی اور فنی کمالات کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا گیا بلکہ جھوٹی روایات اور غیر ثابت اقوال پھیلانے کا بہت بڑا مظاہرہ کیا گیا ہے لہٰذا عام مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے بچ کر رہیں اور اپنی آخرت خراب نہ کریں۔ وما علینا إلا البلاغ (۲/نومبر ۲۰۰۹ء)

امام یحییٰ بن معین اور توثیقِ ابی حنیفہ؟

سوال کیا یہ ثابت ہے کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ کو ثقہ یا صدوق قرار دیا تھا؟ تحقیق کر کے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ایک سائل)

الجواب ہمارے علم کے مطابق امام یحییٰ بن معین البغدادی رحمہ اللہ کی طرف منسوب توثیقِ ابی حنیفہ والی تمام روایات کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱) امام ابوزکریا یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا: کیا ابوحنیفہ حدیث میں سچ بولتے تھے؟ انھوں نے کہا: ''نعم صدوق'' جی ہاں! سچے تھے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ۲ ص ۱۴۹، مقامِ ابی حنیفہ از سرفراز خان صفدر دیوبندی ص ۱۲۸)

یہ روایت تین وجہ سے مردود بلکہ موضوع ہے:

اول: اس کا راوی محمد بن الحسین الازدی ضعیف و مجروح ہے۔

دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۲ص ۲۴۴ ت ۷۰۹)

حافظ ابن حجر نے کہا: اور ازدی ضعیف ہے۔ الخ (ہدی الساری ص ۳۸۶ ترجمۃ احمد بن شبیب)

دوم: ازدی سے امام ابن معین تک سند نامعلوم ہے لہٰذا یہ روایت منقطع و بے سند ہے۔

سوم: حافظ ابن عبدالبر سے ازدی تک سند نامعلوم ہے۔

نیز دیکھئے ایک سوال کے جواب میں میرا مضمون: سرفراز خان صفدر کا علمی و تحقیقی مقام؟ روایت نمبر ۹

۲) احمد بن محمد البغدادی سے روایت ہے کہ (امام) یحییٰ بن معین نے ابوحنیفہ کے بارے میں کہا: وہ عادل اور ثقہ تھے، جن کی تعدیل ابن المبارک اور وکیع کریں، اُس کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ (مناقب کردری ج ۱ص ۹۱، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۸)

یہ روایت کردری (متوفی ۸۲۷ھ) نے کسی امام (؟) نسفی سے بغیر سند کے ذکر کی ہے اور نسفی سے لے کر احمد بن محمد البغدادی تک سند حذف کر دی ہے۔

احمد بن محمد البغدادی کون تھا؟ یہ بھی (برمودا تکون کی طرح) رازوں میں سے ایک راز ہے۔

ان تین علتوں اور مخالفِ ثقات کی وجہ سے یہ روایت مردود ہے۔

۳) احمد نامی کسی شخص سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین سے ابوحنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ حدیث میں ثقہ تھے؟ تو انھوں نے کہا: ہاں ثقہ تھے، ثقہ تھے، اللہ کی قسم ان کی شان اس سے بہت بلند و بالا تھی کہ وہ جھوٹ بولتے۔

(مناقب موفق المعتزلی ج ۱ص ۱۹۲، مناقب کردری ج ۱ص ۲۲۰، مقامِ ابی حنیفہ ص ۱۲۹)

مناقبِ موفق کا پہلا راوی موفق بن احمد معتزلی تھا۔ دیکھئے مناقب الکردری (ج ۱ص ۸۸)

نیز یہ رافضی بھی تھا۔ اس کی توثیق کسی قابلِ اعتماد محدث سے ثابت نہیں ہے۔

اس کا استاد ابوالحسن علی بن الحسین الغزنوی تشیع کی طرف مائل (یعنی شیعہ) تھا۔

دیکھئے المنتظم لابن الجوزی (۱۸/ ۱۰۹، وفیات ۵۵۱ھ) اور سیر اعلام النبلاء (۲۰/ ۳۲۵)

غزنوی کا استاد حسین بن محمد بن خسرو البلخی معتزلی تھا۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ۱/۵۴۸۔۵۴۷ ت ۲۰۵۵، اور لسان المیزان ۲/۳۱۲)

یہ ضعیف اور حاطبِ لیل بھی تھا۔ دیکھئے لسان المیزان (۲/۳۱۲، دوسرا نسخہ ۲/۵۷۸)

کسی معتبر و مستند محدث سے اس کی توثیق ثابت نہیں ہے۔

ابن خسرو کا استاد ابومنصور الشحی نامعلوم ہے۔

الشحی کا استاد ابوالقاسم التنوخی (علی بن المحسن بن علی) البصری البغدادی: معتزلی اور رافضی تھا۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۷/۶۵۰ ت ۴۴۰)

ابوالقاسم التنوخی کے باپ محسن بن علی بن محمد بن ابی الفہم نے یہ روایت کسی ابوبکر سے بیان کی، جو غیر متعین ہے۔

ابوبکر نے یہ روایت احمد نامی شخص سے بیان کی جو کہ سراسر غیر متعین ہے اور اگر اس سے احمد بن محمد البغدادی مراد لیا جائے تو وہ مجہول تھا جیسا کہ نمبر۲ کی تحقیق میں گزر چکا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ ساری سند ظلمات اور گمراہوں کی وجہ سے موضوع ہے۔

کردری نے یہ روایت بغیر سند کے مرغینانی غزنوی (علی بن الحسین/ شیعہ) سے اوپر والی سند حذف کر کے بیان کی، جس پر تبصرہ اوپر گزر چکا ہے۔ ضعف الطالب و المطلوب

آلِ دیوبند کی جرأت پر حیرت ہے کہ وہ کس طرح ایسی موضوع، بے اصل اور مردود روایات چن چن کر بطورِ حجت پیش کرتے ہیں؟!

معتزلیوں اور رافضیوں کی روایات کے دروازے بھی ان لوگوں کے لئے دن رات کھلے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ!

۴) محمد بن سعد العوفی سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا:

ابوحنیفہ ثقہ تھے، وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے تھے جو ان کو از بر یاد ہوتی تھی اور جو حدیث ان کو یاد نہ ہوتی تھی تو وہ اس کو بیان نہیں کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۱۹ طبع مصر، دوسرا نسخہ ص ۴۴۹، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۱، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹)

مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص ۸۱) میں یہ روایت بحوالہ تہذیب التہذیب منقول ہے اور تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۴۵۷ ۔ ۴۵۸) میں یہ روایت بغیر کسی سند کے محمد بن سعد العوفی سے مذکور ہے۔ تہذیب الکمال للمزی (ج ۷ ص ۳۴۰) میں بھی یہ قول بے سند ہے۔

تاریخ بغداد میں اس کی مکمل سند مذکور ہے، جس پر تبصرہ درج ذیل ہے:

اول: محمد بن سعد العوفی کو خطیب البغدادی (۵/۳۲۹) اور ابن الجوزی (المنتظم ۱۲/۲۸۰ ت ۱۸۳۵) دونوں نے لین (یعنی ضعیف) کہا اور دارقطنی نے ''لا بأس به'' قرار دیا۔

(دیکھئے سوالات الحاکم: ۱۷۸)

جمہور کی ترجیح کی وجہ سے جرح مقدم ہے۔

دوم: العوفی کا شاگرد محمد بن احمد بن عصام نامعلوم (یعنی مجہول) ہے۔

سوم: ابن عصام کا شاگرد احمد بن علی بن عمرو بن حبیش الرازی ہے، جس کی توثیق نامعلوم ہے۔ ایک ضعیف اور دو مجہول راویوں کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ومردود ہے۔

۵) صالح بن محمد الاسدی سے روایت ہے کہ (امام) یحییٰ بن معین نے فرمایا:

ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۵۰، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۱، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹، اور تہذیب الکمال ۷/۳۴۰)

مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں یہ روایت بحوالہ تہذیب التہذیب منقول ہے اور تہذیب التہذیب میں یہ بے سند ہے۔ تہذیب التہذیب کی اصل: تہذیب الکمال میں بھی یہ روایت بے سند ہے۔ اس روایت کی کوئی سند ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملی لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

ہمارے شیخ ابومحمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**هذا لا يعرف سنده**'' اس کی سند نامعلوم ہے۔ (انماء الزکن فی تنقید انہاء السکن ص ۲۶)

۶) احمد بن حجر المکی الہیتمی (۹۰۹ ۔ ۹۷۳ھ) نامی ایک بدعتی نے اپنی پیدائش سے صدیوں پہلے وفات پانے والے امام یحییٰ بن معین سے بغیر کسی سند سے نقل کیا ہے:

اور ابوحنیفہ فقہ وحدیث میں ثقہ وصدوق اور اللہ کے دین میں قابلِ اعتماد اور مأمون تھے۔

(الخیرات الحسان ص ۴۸، دوسرا نسخہ ص ۳۱، مقام ابی حنیفہ ص ۱۲۹)

یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تاریخ بغداد (ج ۱۳ص ۴۵۰) میں یہی روایت احمد بن الصلت الحمانی یعنی ابن عطیہ کی سند سے موجود ہے۔ ابن عطیہ الحمانی مشہور کذاب تھا، جس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے جھوٹے لوگوں میں اتنا بے حیا (بے شرم جھوٹا) اور کوئی نہیں دیکھا۔ (الکامل لابن عدی ج اص ۲۰۲، دوسرا نسخہ ج اص ۳۲۷۔ ۳۲۸)

ابن عطیہ یعنی ابن الصلت مذکور کو ابن حبان، دارقطنی، ابن ابی الفوارس، خطیب بغدادی، ذہبی، حاکم نیشاپوری، ابونعیم الاصبہانی، ابن الجوزی اور ابن کثیر نے حدیثیں گھڑنے والا (یعنی بڑا جھوٹا) قرار دیا ہے۔

دیکھئے مضمون: سرفراز خان صفدر کا علمی و تحقیقی مقام؟ روایت نمبر ۱

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ درج بالا قول موضوع (من گھڑت) ہے، جسے ابن حجر مکی (بدعتی) نے سند حذف کر کے رواج دینے کی کوشش کی ہے لہٰذا اس کی کتاب ''الخیرات الحسان'' سراسر نا قابلِ اعتماد ہے بلکہ اس کی ساری کتابیں غیر مستند اور نا قابلِ اعتماد ہیں۔

۷) عبداللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی (ثقہ) سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے ابوحنیفہ کے بارے میں فرمایا: وہ ثقہ تھے، میں نے کسی سے نہیں سنا کہ کسی ایک نے بھی انھیں ضعیف کہا ہو اور یہ شعبہ بن الحجاج ہیں جو ان کی طرف لکھتے تھے کہ وہ حدیث بیان کریں اور انھیں حکم دیتے تھے اور شعبہ شعبہ تھے۔

(الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۲۷، الجواہر المضیہ ج اص ۲۹، مقام ابی حنیفہ ص ۱۳۰)

الجواہر المضیۂ لعبدالقادر القرشی (متوفی ۷۷۵ھ) میں یہ روایت بحوالہ الانتقاء منقول ہے۔ الانتقاء میں اس کا بنیادی راوی ابو یعقوب یوسف بن احمد بن یوسف المکی الصید لانی (ابن الدخیل) مجہول الحال ہے۔ اس کا ذکر تاریخ الاسلام للذہبی (۱۷۸/۲۷، وفیات ۳۸۸ھ) اور العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین للفاسی (۴۸۲/۷ ت ۲۷۶۴) وغیرہما میں

بغیر کسی جرح وتعدیل کے مذکور ہے۔

کوثری گروپ کے ایک غالی تقلیدی ابو الوفاء الافغانی نے سخت افسوس کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: " **ومن الأسف أني لم أجد ترجمته في كتب الرجال ولا في الطبقات** "اور افسوس! کہ مجھے اس کے حالات اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں ملے اور نہ کتبِ طبقات میں ملے ہیں۔ (مقدمۃ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ج بقلم ابی الوفاء الافغانی: رئیس لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد، الہند)

مجہول کے لئے افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اصولِ حدیث کی رو سے اُس کی ہر روایت رد کر دینا ہی صحیح ہے اِلا یہ کہ معتبر متابعت یا شاہد ثابت ہو۔

سرفراز خان نے روایتِ مذکورہ میں عبداللہ بن احمد بن ابراہیم الدورقی کی توثیق تو بیان کردی لیکن ابن الدخیل الصیدلانی کی توثیق سے مکمل خاموشی برتی۔!

ابن الدخیل کا استاذ احمد بن الحسن الحافظ غیر متعین ہونے کی وجہ سے بمنزلۂ مجہول ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سند ضعیف ومردود ہے۔

اس ضعیف سند کے برعکس امام شعبہ بن الحجاج سے صحیح وثابت سند کے ساتھ نعمان بن ثابت پر جرح منقول ہے۔ مثلاً دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی (۲۸۱/۴، وفی نسخہ اخری ۴۳۳/۳ وسندہ صحیح) اور کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل (۳۴۵ وسندہ صحیح)

۸) عباس بن محمد الدوری سے روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا:

" **كان أبو حنيفة أنبل من أن يكذب ، كان صدوقًا إلا أن في حديثه ما في حديث الشيوخ** "ابوحنیفہ جھوٹ بولنے سے بہت بلند تھے، وہ سچے تھے مگر اُن کی حدیث میں، ایسی باتیں ہیں جو شیوخ کی حدیث میں ہوجاتی ہیں۔ (تاریخ بغداد ۴۴۹/۱۳)

اس روایت کی سند موضوع ہے کیونکہ اس کا راوی احمد بن عبدالرحمٰن بن الجارود الرقی کذاب تھا۔

ابن الجارود کے بارے میں خطیب بغدادی نے کہا: " **فإنه كذاب** "پس بے شک وہ

کذاب (جھوٹا) ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۲۴۷ ت ۷۱۶)

نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ۱ ص ۲۱۳، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۱۹۔۳۲۰)

۹) نصر بن محمد البغدادی سے روایت ہے کہ (امام) یحییٰ بن معین فرماتے تھے:
محمد بن الحسن (بن فرقد الشیبانی) کذاب تھا اور جہمی تھا، اور ابو حنیفہ جہمی تھے اور کذاب نہیں تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۴۹)

اس روایت میں نصر بن محمد نامعلوم ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔
اگر اس سے مراد مضر بن محمد البغدادی ہو۔ (دیکھئے التنکیل للیمانی ج ۱ ص ۴۹۰ ت ۲۵۶)
تو پھر تاریخ بغداد والی سند صحیح ہے۔

۱۰) احمد بن محمد بن القاسم بن محرز سے روایت ہے کہ ابن معین کہتے تھے:
"کان أبو حنیفة لابأس به و کان لا یکذب ... أبو حنیفة عندنا من أهل الصدق ولم یتهم بالکذب ... "ابوحنیفہ لا بأس بہ (یعنی ثقہ) تھے، وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے... ہمارے نزدیک ابوحنیفہ سچے لوگوں میں سے تھے اور اُن پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی... (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۴۹)

یہ روایت تین وجہ سے ضعیف و مردود ہے:
اول: احمد بن محمد بن القاسم بن محرز کی توثیق نامعلوم ہے۔
دوم: جعفر بن درستویہ کے حالات اور ثقہ ہونا نامعلوم ہے۔
سوم: احمد بن مسعدہ الفزاری نامعلوم ہونے کی وجہ سے مجہول ہے۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکابلی الکوفی کے بارے میں یحییٰ بن معین البغدادی کی توثیق کی یہ کل روایات ہیں، جو ہم تک پہنچی ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ سب روایات ضعیف و مردود ہیں، ان میں سے ایک بھی صحیح یا حسن لذاتہ نہیں لہٰذا ان روایات سے استدلال مردود ہے۔

تنبیہ: میرے علم کے مطابق خیر القرون کے زمانے میں (۸۰ھ سے لے کر ۳۰۰ھ تک)

کسی ایک مستند و قابلِ اعتماد محدث و عالم دین سے امام ابوحنیفہ کی مطلقاً صریح توثیق ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص مطلقاً ثقہ وصدوق کا ایک صریح حوالہ دورِ مذکور سے باسند صحیح پیش کر دے تو ہم اُس کے از حد ممنون ہوں گے۔ یاد رہے کہ بے سند حوالوں یا الزامی جواب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ان توثیقی روایات کے بعد اب جرح والی روایات اور ان کی تحقیق پیشِ خدمت ہے:

۱) معتدل امام ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۵ھ) نے فرمایا:

'' ثنا علي بن أحمد بن سليمان: ثنا ابن أبي مريم قال: سألت يحيى بن معين عن أبي حنيفة ؟ قال: لا يكتب حديثه '' ہمیں علی بن احمد بن سلیمان (علان) نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں (احمد بن سعد) ابن ابی مریم نے حدیث بیان کی، کہا: میں نے ابوحنیفہ کے بارے میں یحییٰ بن معین سے پوچھا؟ انھوں نے فرمایا: اُس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ ص ۲۴۷۳ وسندہ صحیح)

اسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱۳/ ۴۵۰) میں اور ابن الجوزی نے المنتظم (۸/ ۱۴۷، من طریق الخطیب) میں علی بن احمد بن سلیمان المقریٔ (علان) سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اس قول کو حافظ ذہبی نے اپنی کتاب دیوان الضعفاء (۲/ ۴۰۴ ت ۴۳۸۹) میں بطورِ جزم بیان کیا ہے۔

امام ابن عدی مشہور ثقہ امام تھے۔ ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور السمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) نے کہا: '' و كان حافظًا متقنًا ، لم يكن في زمانه مثله ... ''

وہ ثقہ حافظ تھے، اُن کے زمانے میں اُن جیسا کوئی نہیں تھا... (الانساب ۲/ ۴۱، الجرجانی)

امام دارقطنی نے الکامل لابن عدی کے بارے میں کہا: یہ (کتاب) کافی ہے، اس پر اضافہ نہیں کیا جاتا۔ (تاریخ جرجان للامام حمزہ السہمی: ۴۴۳)

حافظ ذہبی نے کہا: '' هو الإمام الحافظ الناقد.... '' (سیر اعلام النبلاء ۱۶/ ۱۵۴)

حافظ ابن عساکر نے کہا: '' و كان مصنفًا حافظًا ثقة على لحن فيه ''

وہ مصنف حافظ ثقہ تھے، ان کے کلام میں لحن تھا۔ (تاریخ دمشق ج ۳۳ ص ۵)

حمزہ بن یوسف السہمی نے اپنے استاذ امام ابن عدی کے بارے میں فرمایا:

وہ حافظ متقن (ثقہ) تھے، ان کے زمانے میں اُن جیسا کوئی نہیں تھا...

(تاریخ جرجان: ۴۴۳ ص ۲۶۷، تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۳/۶ وسندہ صحیح)

ابن عدی کے بارے میں محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (صوفی) نے کہا:

"وقسم معتدل كأحمد والدارقطني و ابن عدي" اور ایک گروہ معتدل (انصاف والا) ہے جیسے احمد (بن حنبل)، دارقطنی اور ابن عدی۔ (المتکلمون فی الرجال ص ۱۳۷)

حافظ ذہبی نے کہا: "و قسم كالبخاري و أحمد بن حنبل و أبي زرعة و ابن عدي: معتدلون منصفون." اور ایک گروہ جیسے بخاری، احمد بن حنبل، ابوزرعہ اور ابن عدی: یہ معتدل (اور) انصاف کرنے والے تھے۔ (ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ص ۱۵۹)

بہت بعد کے زمانے (شر القرون) میں بعض آلِ تقلید نے امام ابن عدی پر تعصب کا الزام لگایا ہے جو کہ درج بالا توثیق کی وجہ سے مردود ہے۔

ابن عدی کے استاذ علی بن احمد بن سلیمان بن ربیعہ الصیقل المصری: علان ثقہ تھے۔

حافظ ذہبی نے کہا: "الإمام المحدّث العدل" وہ امام محدث (اور) عادل تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ۱۴/۴۹۶)

ابوسعید بن یونس المصری نے کہا: "كان ثقة كثير الحديث ..." وہ ثقہ تھے، ان کی حدیثیں زیادہ ہیں... (تاریخ ابن یونس المصری: تاریخ المصریین، القسم الاول ج ۱ ص ۳۵۵ ت ۹۷۱)

آگے لکھا ہے: "و في خلقه زعارة" اور ان کے اخلاق میں تندخوئی تھی۔ (ایضاً ص ۳۵۶)

جمہور کی توثیق کے بعد تندخوئی والی جرح مردود ہے۔

علان کے استاذ احمد بن سعد بن الحکم بن محمد بن سالم عرف ابن ابی مریم (متوفی ۲۵۳ھ) صدوق تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۵)

خلاصہ یہ کہ یہ سند صحیح ہے۔

۲) امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے کہا:

"حدثني أبو الفضل : ثنا يحيى بن معين قال: كان أبو حنيفة مرجئًا و كان من الدعاة ولم يكن في الحديث بشيءٍ و صاحبه أبو يوسف ليس به بأس"

مجھے ابوالفضل (حاتم بن اللیث الخراسانی) نے حدیث بیان کی، ہمیں یحییٰ بن معین نے حدیث بیان کی، کہا: ابوحنیفہ مرجی تھے اور (اس طرف) دعوت دینے والے تھے اور وہ حدیث میں کچھ چیز نہیں تھے اور ان کا ساتھی (شاگرد) ابو یوسف (القاضی) لیس به باس (یعنی ثقہ) ہے۔ (کتاب السنۃ: ۲۰۲ وسندہ صحیح مخطوط مصور ص ۲۲ ل)

عبداللہ بن احمد بن حنبل ثقہ تھے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۳۲۰۵) اور میری کتاب: علمی مقالات (ج ۱ ص ۳۹۲)

ابوالفضل حاتم بن اللیث الخراسانی ثقہ تھے۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۲۴۵/۸ ت ۴۳۴۶) کتاب الثقات لابن حبان (۲۱۱/۸) اور المنتظم لابن الجوزی (۱۶۷/۱۲ ت ۱۶۷۰، وفیات ۲۶۲ھ)

خلاصہ یہ کہ یہ سند بالکل صحیح ہے۔

تنبیہ: قاضی ابو یوسف کو چونکہ جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا تھا لہٰذا تحقیقِ راجح میں وہ ضعیف تھے۔ دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۵۲۳۔ ۵۴۸)

امام یحییٰ بن معین سے قاضی ابو یوسف کی توثیق والی دیگر روایات بھی ہیں۔

دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۵۳۵)

دوسری طرف یہ بھی صحیح روایت ہے کہ یحییٰ بن معین نے قاضی ابو یوسف کے بارے میں کہا:

"لا يكتب حديثه" اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

(الکامل لابن عدی ۲۶۶/۸ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۲۵۸/۱۴، نیز دیکھئے علمی مقالات ج ۱ ص ۵۳۹)

اس صحیح روایت اور جمہور کی جرح کی رو سے امام ابن معین کی قاضی ابو یوسف کے بارے میں توثیقی روایات منسوخ ہیں۔

۳) ابو خالد یزید بن الہیثم الدقاق الباد انے اپنی کتاب میں کہا:

میں نے یحییٰ (بن معین) کو فرماتے ہوئے سنا: وہ حدیث جسے موسیٰ بن ابی عائشہ عن عبداللہ بن (شداد) عن جابر عن النبی ﷺ کی سند سے ابو حنیفہ روایت کرتے تھے: **من كان له إمام فقراءة إمامه له قراءة** (جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اُس کی قراءت ہے) یہ حدیث کچھ چیز نہیں ہے، یہ صرف عبداللہ بن شداد (سے یعنی مرسل) ہے۔

(من کلام یحییٰ بن معین فی الرجال ص ۱۲۱ رقم ۳۹۷)

یہ قول امام ابن معین سے صحیح ثابت ہے۔ یزید بن الہیثم بن طہمان ثقہ تھے۔

دیکھئے سوالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی (۲۴۳) تاریخ بغداد (۱۴/۳۴۹ ت ۷۶۶۶) اور المنتظم (طبعہ قدیمہ ۵/۱۷۵، طبعہ جدیدہ ۱۲/۳۷۶ وفیات ۲۸۴ھ)

٤) محمد بن عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

یحییٰ بن معین سے ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے انھیں (یہ) فرماتے ہوئے سنا: "**كان يضعف في الحديث**" وہ حدیث میں ضعیف قرار دیا جاتا تھا۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/۲۸۵ وسندہ حسن، تاریخ بغداد ۱۳/۴۵۰ وسندہ حسن، مسألۃ الاحتجاج بالشافعی للخطیب ص ۵۹)

اس روایت کو عقیلی اور ہبۃ اللہ بن محمد بن حبیش الفراء (ثقہ/ تاریخ بغداد ۱۴/۷۰ ت ۷۴۱۶) دونوں نے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ سے بیان کیا ہے اور محمد بن عثمان مذکور جمہور محدثین کی توثیق کی وجہ سے حسن الحدیث تھے۔ دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۴۷۵۔۴۸۳)

ان پر ابن عقدہ (رافضی اور چور) کی جرح مردود ہے۔

۵) خطیب بغدادی نے کہا:

"**أخبرنا عبيد الله بن عمر الواعظ : حدثنا أبي : حدثنا محمد بن يونس الأزرق : حدثنا جعفر بن أبي عثمان قال: سمعت يحيى وسألته عن أبي يوسف و أبي حنيفة فقال: أبو يوسف أوثق منه في الحديث ، قلت: فكان أبو حنيفة يكذب ؟ قال: كان أنبل في نفسه من أن يكذب**"

جعفر بن ابی عثمان (الطیالسی) سے روایت ہے کہ میں نے یحییٰ (بن معین) سے اَبو یوسف اور ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا؟ تو انھوں نے فرمایا: حدیث میں ابو یوسف اس سے زیادہ ثقہ تھے۔ میں (جعفر) نے کہا: کیا ابو حنیفہ جھوٹ بولتے تھے؟ انھوں نے کہا: وہ جھوٹ بولنے سے فی نفسہ بہت بلند تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۴۹ وسندہ صحیح)

اس کی سند صحیح ہے اور راویوں کا مختصر حال درج ذیل ہے:

(۱) عبید اللہ بن عمر الواعظ صدوق (سچے) تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۸۶ ت ۵۵۶۱)

(۲) عمر بن احمد بن عثمان المعروف بابن شاہین البغدادی ثقہ امین تھے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۶۵ ت ۶۰۲۸)

نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۴۳۱/۱۶) اور تذکرۃ الحفاظ (۹۸۸/۳)

(۳) محمد بن یونس الازرق ثقہ تھے۔ (تاریخ بغداد ۴۴۶/۳ ت ۱۵۷۶)

(۴) جعفر بن ابی عثمان الطیالسی ثقہ ثبت تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۸۸/۷ ت ۳۶۴۰)

یہاں پر بطورِ فائدہ عرض ہے کہ ابو یوسف کا نعمان بن ثابت سے زیادہ ثقہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ امام یحییٰ بن معین کے نزدیک نعمان مذکور ثقہ تھے اور ایک صحیح روایت میں امام یحییٰ بن معین کے نزدیک قاضی ابو یوسف: ''لا یکتب حدیثه'' تھے۔ دیکھئے تجریحی روایت نمبر ۲، لہٰذا توثیقی روایات منسوخ ہیں۔ واللہ اعلم

قاضی ابو یوسف کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا نعمان بن ثابت رحمہ اللہ پر اُن کی ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ نعمان جمہور بلکہ بہت زیادہ محدثین کے نزدیک مجروح تھے۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے امام ابو حنیفہ کی توثیق ثابت نہیں بلکہ جرح اور تضعیف ثابت ہے۔

عبد الغفار دیو بندی نامی ایک شخص نے امام ابن معین کے بارے میں لکھا ہے:

''الحنفی المقلد'' (دیو بندی رسالہ: قافلۂ حق ج ۳ شمارہ: ۴ ص ۱۹)

عبدالغفار کی یہ بات بالکل جھوٹ بلکہ کالا جھوٹ ہے۔

امام ابن معین کا مقلد ہونا قطعاً ثابت نہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حنفی ہوں اور پھر اپنے امام کو ضعیف اور لا یکتب حدیثه کہتے رہیں؟!

وہ نہ حنفی تھے اور نہ مقلد تھے بلکہ عظیم الشان محدث اور جلیل القدر عالم تھے۔ عالم مقلد نہیں ہوتا بلکہ ''تقلید'' کرنا تو جاہلوں کا کام ہے۔

حافظ ابن عبدالبر الاندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) نے لکھا ہے:

'' قالوا: والمقلّد لا علم له ولم يختلفوا في ذلك '' انھوں (علماء) نے کہا: اور مقلد لاعلم ہوتا ہے اور اس میں اُن کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۱۱۷، اعلام الموقعین ج ۲ ص ۱۹۷)

حافظ ابن القیم نے لکھا ہے:

'' و إذا كان المقلّد ليس من العلماء باتفاق العلماء لم يدخل في شيءٍ من هذه النصوص '' اور جب علماء کے اتفاق کے ساتھ مقلد علماء میں سے نہیں ہے تو وہ ان دلائل (علم وفضیلت) میں داخل نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۰)

آلِ دیوبند کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ کیا وہ امام ابن معین رحمہ اللہ کو بھی اپنے جیسا لاعلم و جاہل سمجھتے ہیں کہ انھیں علماء کی صف سے نکال کر مقلدین میں شامل کر دیا ہے؟

یا یہ لوگ خوفِ آخرت سے بے نیاز ہو کر جھوٹی اور باطل باتیں پھیلانے میں ہمہ تن مدہوش ہیں؟! (۳/نومبر ۲۰۰۹ء)

امام ابو حنیفہ فارسی نہیں تھے

سوال علماء احناف یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ اہل فارس میں سے ایک شخص ہو گا تو وہ اس وقت دین اور علم ثریا کی بلندیوں پر بھی ہو گا تو وہ اس مقام پر پہنچ کر بھی دین اور علم کی معرفت حاصل کرے گا اور وہ اس سے ثابت کرتے ہیں کہ اس سے مراد بالاتفاق امام

ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔اس روایت کی وضاحت درکار ہے؟ (محمد عثمان پنڈ دادن خان قمر)

الجواب اہلِ فارس والوں (رجال) یا والے (رجل) کی روایت تو بالکل صحیح ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۴۸۹۷) وصحیح مسلم (۲۵۴۶)

لیکن امام ابوحنیفہ کا فارسی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔جس روایت میں آیا ہے کہ امام ابوحنیفہ فارسی ہیں، اُس روایت کی سند موضوع (من گھڑت) ہے۔اس میں احمد بن عبید اللہ (عبداللہ) بن شاذان اور اُس کا باپ دونوں نامعلوم ہیں۔شاذان (نضر بن سلمہ) سچا نہیں تھا۔

(الجرح والتعدیل ۸/۴۸۰)

وہ حدیثیں چوری (کر کے روایت) کرتا تھا۔اسے احمد بن محمد بن عبدالکریم نے جھوٹا قرار دیا۔(المجروحین لابن حبان ۳/۸۰) اس سند کا آخری راوی اسماعیل بن حماد ضعیف ہے۔(دیکھئے الکامل لابن عدی ۱/۳۰۸)

اس کی کوئی معتبر توثیق ثابت نہیں ہے۔

اس موضوع روایت کے برعکس عمر بن حماد بن ابی حنیفہ سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دادا ''زوطی'' کابل والوں میں سے تھے۔

(دیکھئے تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۴ وسندہ صحیح إلی عمر بن حماد، واخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری ص ۱)

امام ابونعیم الفضل بن دُکین الکوفی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۸ھ) نے کہا: ''أبو حنیفة النعمان بن ثابت بن زوطی، أصله من کابل'' ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی آپ کی اصل کابل سے ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۳۲۴، ۳۲۵ وسندہ صحیح)

فارس چوتھی اقلیم میں ہے۔ (معجم البلدان ۴/۲۲۶)

اور کابل تیسری اقلیم میں ہے۔ (معجم البلدان ۳/۴۲۶)

کابلی کو فارسی بنا دینا اُن لوگوں کا کام ہے جو دن رات سیاہ کو سفید بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

حدیث بخاری و مسلم سے مراد (سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یا) فارسی (ایرانی) محدثین کرام

ہیں۔ رحمہم اللہ اجمعین (۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۷]

کیا امام ابوحنیفہ تابعی تھے؟

سوال کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی تھے؟ اور کیا کسی صحابی سے ان کی ملاقات صحیح سند سے ثابت ہے؟ (صفدر نذیر ولد منظور الٰہی دکاندار بھکر)

الجواب اس مسئلے میں علمائے کرام کے درمیان سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی نہیں تھے۔ ان دونوں گروہوں کے نظریات پر تبصرہ کرنے سے پہلے دو اہم ترین بنیادی باتیں پیشِ خدمت ہیں:

اول: جس کتاب سے جو قول یا روایت بطورِ دلیل نقل کی جائے، اُس کی سند صحیح لذاتہ یا حسن لذاتہ ہو، ورنہ استدلال مردود ہوتا ہے۔

دوم: صحیح دلیل کے مقابلے میں تمام ضعیف اور غیر ثابت دلائل مردود ہوتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد ہزاروں میں ہی کیوں نہ ہو۔

اس تمہید کے بعد فریقین کے نظریات پیشِ خدمت ہیں:

فریق اول: خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

"النعمان بن ثابت أبو حنيفة التيمي إمام أصحاب الرأي وفقيه أهل العراق، رأى أنس بن مالك وسمع عطاء بن أبي رباح ...."

یعنی: نعمان بن ثابت، ابوحنیفہ التیمی، اہل الرائے کے امام اور عراقیوں کے فقیہ، آپ نے انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا ہے اور عطاء بن ابی رباح سے (روایات وغیرہ کو) سنا ہے۔

(تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۲۳، ۳۲۴ ت ۷۲۹۷)

بعد والے بہت سے علماء نے خطیب رحمہ اللہ کے اس قول پر اعتماد کیا ہے۔

مثلاً دیکھئے العلل المتناہیۃ لابن الجوزی (۱/ ۱۲۸ ح ۱۹۶) بعض لوگوں نے ابن الجوزی کے

قول کو دارقطنی کی طرف منسوب کر دیا ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ (دیکھئے اللمحات ۲/۲۹۳)

فریقِ دوم: ابوالحسن الدارقطنی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) سے پوچھا گیا کہ کیا ابوحنیفہ کا انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے سماع (سننا) صحیح ہے؟

تو انھوں نے جواب دیا: " لا ولا رؤیته ، لم یلحق أبو حنیفة أحدًا من الصحابة "

نہیں، اور نہ ابوحنیفہ کا انس (رضی اللہ عنہ) کو دیکھنا ثابت ہے بلکہ ابوحنیفہ نے تو کسی صحابی سے (بھی) ملاقات نہیں کی ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۰۸ ت ۱۸۹۵ وسندہ صحیح)

[سوالات السہمی للدارقطنی (ص ۲۶۳ ت ۳۸۳)، العلل المتناہیۃ فی الأحادیث الواہیۃ لابن الجوزی (۱/۶۵ تحت ح ۴۷)]

معلوم ہوا کہ خطیب بغدادی سے بہت پہلے امام دارقطنی رحمہ اللہ اس بات کا صاف صاف اعلان کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے نہ تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور نہ ان سے ملاقات کی ہے۔

تنبیہ: جلیل القدر معتدل امام دارقطنی رحمہ اللہ کا سابق بیان علامہ سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب " تبییض الصحیفة فی مناقب الإمام أبی حنیفة" میں محرف ومبدل ہو کر چھپ گیا ہے۔ (ص ۱۰ بتعلیق محمد عاشق الٰہی برنی دیوبندی)

یہ تحریف شدہ متن اصل مستند کتابوں کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

ذیل اللآلی وغیرہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلطی بذاتِ خود علامہ سیوطی کو حافظ ابن الجوزی کا کلام نہ سمجھنے کی وجہ سے لگی ہے۔ بہر حال امام دارقطنی سے ثابت شدہ قول کے مقابلے میں سیوطی وابن الجوزی وغیرہما کے حوالے مردود ہیں۔

ان دونوں (خطیب ودارقطنی) کے اقوال میں متقدم واوثق ہونے کی وجہ سے دارقطنی کے قول کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

فریقِ اول کی معرکۃ الآراء دلیل: جو لوگ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو تابعی مانتے یا منواتے ہیں وہ ایک معرکۃ الآراء دلیل پیش کرتے ہیں:

محمد بن سعد (کاتب الواقدی) نے (طبقات میں) کہا: " حدثنا أبو الموفق سیف بن جابر قاضي واسط قال: سمعت أبا حنیفة یقول: قدم أنس بن مالك الکوفة ونزل النخع وکان یخضب بالحمرة، قد رأیته مرارًا "

(عقود الجمان فی مناقب النعمان ص ۴۹، الباب الثالث واللفظ لہ، تذکرۃ الحفاظ للذھبی ۱/۱۶۸ ت ۱۶۳، مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ ابی یوسف ومحمد بن الحسن للذہبی ص ۷، ۸)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ (امام) ابوحنیفہ نے کہا کہ میں نے (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ میں دیکھا۔

عرض ہے کہ اس روایت کا بنیادی راوی سیف بن جابر مجہول الحال ہے۔ اُس کی توثیق کسی مستند کتاب میں نہیں ملی، دیکھئے التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الأباطیل للمعلمی (ج ۱ ص ۱۷۹ ت ۳۴) تبصرۃ الناقد (ص ۲۱۸، ۲۱۹) واللمحات إلی مافی انوار الباری من الظلمات (ج ۲ ص ۲۷۷)

دوسرے یہ کہ یہ روایت ابن سعد کی کتاب "الطبقات" میں موجود نہیں ہے۔ اسے حاکم کبیر ابواحمد محمد بن محمد بن احمد بن اسحاق (متوفی ۳۷۸ھ) نے درج ذیل سند و متن سے روایت کیا ہے: " حدثني أبوبکر بن أبي عمرو المعدل ببخاری: حدثني أبو بکر عبداللہ بن محمد بن خالد القاضي الرازي الحبال قال: حدثني عبداللہ بن محمد بن عبید القرشي المعروف بابن أبي لدنیا: نا محمد بن سعد الهاشمي صاحب الواقدي: نا أبو الموفق سیف بن جابر قاضي واسط قال: سمعت أبا حنیفة یقول: قدم أنس بن مالك الکوفة ونزل النخع وکان یخضب بالجهر [1] قد رأیته مرارًا " (کتاب الاسامی والکنی للحاکم الکبیر ۴/۱۷۴ باب أبي حنیفة)

اس روایت کے راوی ابوبکر بن ابی عمرو کی توثیق نامعلوم ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ سند نہ

....

(۱) وفی عقود الجمان فی مناقب النعمان ص ۴۹ "بالحمرۃ"

تو ابن سعد سے ثابت ہے اور نہ امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے، لہٰذا اسے "فإنه صح" کہنا غلط ہے۔

اس کے علاوہ تابعیتِ امام ابوحنیفہ ثابت کرنے والی موضوع روایات اخبار ابی حنیفہ للصیمری و جامع المسانید للخوارزمی و کتبِ مناقب میں بکثرت موجود ہیں جن کا دارومدار احمد بن الصلت الحمانی وغیرہ جیسے کذابین و مجہولین و مجروحین پر ہی ہے۔

ان روایات پر تفصیلی جرح کے لئے التنکیل اور اللمحات کا مطالعہ کریں۔

فریقِ دوم کی معرکۃ الآراء دلیل: امام معتدل ابو احمد بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۵ ھ) فرماتے ہیں:

"ثناه عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز: حدثني محمود بن غيلان: ثنا المقرئي: سمعت أباحنيفة يقول: ما رأيت أفضل من عطاء وعامة ما أحدثكم خطاء" ابوحنیفہ نے فرمایا: میں نے عطاء (بن ابی رباح، تابعی) سے زیادہ افضل کوئی (انسان) نہیں دیکھا اور میں تمہیں عام طور پر جو حدیثیں بیان کرتا ہوں وہ غلط ہوتی ہیں۔

(الکامل ۲۴۷۳/۷ والطبعۃ الجدیدۃ ۲۳۷/۸ وسندہ صحیح)

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ (الاسانید الصحیحۃ فی اخبار الامام ابی حنیفہ قلمی ص ۲۹۰)

عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی مطلقاً ثقہ ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۵۵/۱۴)

جمہور محدثین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ (الاسانید الصحیحہ ص ۱۲۴)

ان پر سلیمانی و ابن عدی کی جرح مردود ہے۔ محمود بن غیلان ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۶۵۱۶)

ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المقرئی ثقہ فاضل ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۳۷۱۵)

اس روایت کو خطیب بغدادی نے بھی عبداللہ بن محمد البغوی سے روایت کر رکھا ہے۔

(تاریخ بغداد ۴۲۵/۱۳ وسندہ صحیح)

عبداللہ بن محمد البغوی دوسری روایت میں فرماتے ہیں کہ: "حدثنا ابن المقرئي: نا أبي قال: سمعت أبا حنيفة يقول: ما رأيت أفضل من عطاء وعامة ما (أ) حدثكم

به خطأ " (مسند علی بن الجعد ۲/ ۷۷۷ ح ۲۰۶۲، دوسرا نسخہ: ۱۹۷۸ وسندہ صحیح)

اس روایت کی سند بھی صحیح ہے۔

محمد بن عبداللہ بن یزید المقرئ ثقہ ہیں۔ (التقریب: ۶۰۵۴)

عبداللہ بن یزید المقرئ ثقہ فاضل ہیں جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ ابو یحییٰ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی فرماتے ہیں: " سمعت أبا حنيفة يقول: ما رأيت أحدًا أكذب من جابر الجعفي ولا أفضل من عطاء بن أبي رباح " میں نے ابوحنیفہ کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے جابر الجعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا اور عطاء بن ابی رباح سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (العلل الصغیر للترمذی ص ۸۹۱ وسندہ حسن، مسند علی بن الجعد، روایۃ عبداللہ البغوی ۲/ ۷۷۷ ح ۲۰۶۱، دوسرا نسخہ: ۱۹۷۷ وسندہ حسن، الکامل لابن عدی ۲/ ۵۳۷، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۲۷ وسندہ حسن، وعنہ البیہقی فی کتاب القراءت خلف الامام ص ۱۳۴ تحت ح ۳۲۱، دوسرا نسخہ ص ۱۵۷ تحت ح ۳۴۵ وسندہ حسن)

ابو یحییٰ الحمانی صدوق حسن الحدیث ہیں۔ (تحریر تقریب التہذیب ۲/ ۳۰۰ ت ۳۷۷۱)

باقی سند بالکل صحیح ہے۔

ان صحیح اسانید سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحابیٔ رسول) کو بالکل نہیں دیکھا، ورنہ وہ یہ کبھی نہ فرماتے کہ "میں نے عطاء (تابعی) سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔"

یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ہر صحابی ہر تابعی سے افضل ہے۔ جب امام صاحب نے خود اعلان فرما دیا ہے کہ انہوں نے عطاء تابعی سے زیادہ افضل کوئی انسان نہیں دیکھا تو ثابت ہو گیا کہ انہوں نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا ہے تفصیل کے لئے کتاب اللمحات الیٰ مافی انوار الباری من الظلمات پڑھ لیں۔

خلاصۃ التحقیق: امام ابوحنیفہ تابعی نہیں ہیں، کسی ایک صحابی سے بھی ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں خطیب بغدادی وغیرہ کے اقوال مرجوح وغلط ہیں اور اسماء الرجال کے امام ابوالحسن الدارقطنی کا قول و تحقیق ہی راجح اور صحیح ہے۔ محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی

(متوفی ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ " وقسم معتدل كأحمد والدارقطني وابن عدي " اور محدثین کرام کا ایک گروہ معتدل ہے جیسے احمد، دارقطنی اور ابن عدی، یعنی یہ تینوں معتدل تھے۔ (المتکلمون فی الرجال ص ۱۳۷)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: " وقسم كالبخاري وأحمد وأبي زرعة وابن عدي معتدلون منصفون " اور محدثین کا ایک گروہ مثلاً بخاری، احمد بن حنبل، ابوزرعہ (رازی) اور ابن عدی معتدل و منصف تھے۔ (ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ص ۱۵۹)

تنبیہ: حافظ ذہبی نے کتاب ''الموقظہ'' میں امام دارقطنی کو بعض اوقات متساہل قرار دیا ہے۔ (ص ۸۳)

یہ قول خطیب بغدادی وعبدالغنی ازدی وقاضی ابوالطیب الطبری وغیرہم کی توثیق وثنا کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ دارقطنی، عجلی، ابن خزیمہ اور ابن الجارود کا متساہل ہونا ثابت نہیں ہے۔ وما علينا إلا البلاغ (۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ)

[الحدیث:۱۷]

کیا امام ابوحنیفہ نے کوئی کتاب لکھی تھی؟

سوال اہلِ حدیث میں عام تاثر یہ پایا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کوئی کتاب نہیں لکھی، ان کے اقوال ان کی وفات کے تقریباً تین سو سال بعد کتب فقہ کی شکل میں لکھے گئے۔ دیوبندی حضرات سے جب گفتگو ہوتی ہے تو وہ ایک کتاب (مسندِ امام اعظم رحمہ اللہ) کا نام لیتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔ کیا یہ کتاب واقعی ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی ہے یا نہیں اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(قاری محمد انور صالح، گوجرانوالہ)

الجواب یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اس وقت دنیا میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں ہے جسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خود لکھا یا مرتب کیا ہو۔ یہ عین ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

نے کچھ کتابیں لکھی ہوں مگر صد افسوس کہ حنفیت کے دعویداروں نے ان کتابوں کو ضائع کر دیا ہے یا وہ مرورِ زمانہ کی نذر ہو گئیں ہیں۔ واللہ اعلم

''مسند امام اعظم'' کے نام سے جو مسند متاخرین کے ہاں مشہور ہو گئی ہے، اس کے مقدمے میں عبدالرشید نعمانی دیوبندی نے لکھا ہے کہ ''اس وقت جس کتاب کا ترجمہ مسند امام اعظم کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے یہ درحقیقت امام عبداللہ حارثی کی تالیف ہے۔ جس کا اختصار علامہ حصکفی نے کیا ہے اور ملا عابد سندی نے اس کی ابواب فقہ پر ترتیب کی ہے۔''

(ص ۲۴ طبع: ادارہ نشریات اسلام، اُردو بازار لاہور)

حارثی مذکور کی ولادت ۲۶۴ھ اور وفات ۳۷۵ھ ہے۔ کل عمر ۸۱ سال تھی۔ دیکھئے لسان المیزان (ج ۳ ص ۳۴۹ ترجمہ ۴۷۸) یعنی یہ شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی وفات (۱۵۰ھ) کے ۱۱۴ سال بعد پیدا ہوا تھا۔ اسے امام احمد السلیمانی وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔ ابوزرعہ، احمد بن الحسین الرازی، حاکم، خطیب اور الخلیلی نے جرح کی ہے اور کسی نے بھی اس کی توثیق نہیں کی ہے۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۲/۴۹۶ ولسان المیزان ۳/۳۴۸، ۳۴۹)

لہٰذا یہ شخص بالاتفاق ضعیف اور متہم بالکذب ہے، ایسے شخص کی روایت، اصولِ حدیث کی رُو سے مردود ہوتی ہے۔ حارثی سے لے کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک (اکثر) اسانید (بھی) نامعلوم (اور مردود) ہیں۔ [شہادت، اپریل ۲۰۰۱ء]

کیا امام شافعی امام ابوحنیفہ کی قبر پر گئے تھے؟

سوال ایک روایت میں آیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''إني لأتبرك بأبي حنيفة وأجيئ إلى قبره في كل يوم - يعني زائرًا - فإذا عرضت لي حاجة صليت ركعتين وجئت إلى قبره وسألت الله تعالى الحاجة عنده فما تبعد عني حتى تقضى'' میں ابوحنیفہ کے ساتھ برکت حاصل کرتا اور روزانہ اُن کی قبر پر زیارت کے لئے آتا۔ جب مجھے کوئی ضرورت ہوتی تو دو رکعتیں

پڑھتا اور ان کی قبر پر جاتا اور وہاں اللہ سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا تو جلد ہی میری ضرورت پوری ہو جاتی۔ (بحوالہ تاریخ بغداد) کیا یہ روایت صحیح ہے؟ (ایک سائل)

الجواب یہ روایت تاریخ بغداد (۱/۱۲۳) و اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصیمری (ص ۸۹) میں ''مکرم بن أحمد قال: نبأنا عمر بن إسحاق بن إبراهيم قال: نبأنا علي بن ميمون قال: سمعت الشافعي...'' کی سند سے مذکور ہے۔

اس روایت میں ''عمر بن اسحاق بن ابراہیم'' نامی راوی کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''غير معروف.'' یہ غیر معروف راوی ہے...

(السلسلة الضعيفه ۱/۳۱ ح ۲۲)

یعنی یہ راوی مجہول ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

اس موضوع و مردود روایت کو محمد بن یوسف الصالحی الشافعی (عقود الجمان عربی ص ۳۶۳ ومترجم اردو ص ۴۴۰) ابن حجر ہیتمی / مبتدع (الخیرات الحسان فی مناقب النعمان عربی ص ۹۴ ومترجم ص ۲۵۵ [سرتاجِ محدثین]) وغیرہما نے اپنی اپنی کتابوں میں بطور استدلال و بطورِ حجت نقل کیا ہے مگر عمر بن اسحاق بن ابراہیم کی توثیق سے خاموشی ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔

اسی ایک مثال سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ تحقیق وانصاف سے دور بھاگنے والے حضرات نے کتبِ مناقب وغیرہ میں کیا کیا گل کھلا رکھے ہیں۔ یہ حضرات دن رات سیاہ کو سفید اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں حالانکہ تحقیقی میدان میں ان کے سارے دھوکے اور سازشیں ظاہر ہو جاتی ہیں پھر باطل پرست لوگوں کو منہ چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہیں ملتی۔ مردود روایات کی ترویج کرنے والے ایک اور روایت پیش کرتے ہیں کہ شہاب الدین الاقشیطی (۸۱۰ھ وفات ۸۸۳ھ) نامی شخص نے (بغیر کسی سند کے) نقل کیا ہے: امام شافعی نے صبح کی نماز امام ابو حنیفہ کی قبر کے پاس ادا کی تو اس میں دعائے قنوت نہیں پڑھی۔ جب ان سے عرض کیا گیا تو فرمایا: اس قبر والے کے ادب کی وجہ سے دعائے قنوت

نہیں پڑھی۔

(عقود الجمان ص ۳۶۳، الخیرات الحسان ص ۹۴ تذکرۃ النعمان ص ۴۴۰، ۴۴۱ سر تاج محدثین ص ۲۵۵)

یہ سارا قصہ بے سند، باطل اور موضوع ہے۔

اسی طرح محی الدین القرشی کا طبقات میں بعض (مجہول) تاریخوں سے عدم جہر بالبسملہ کا ذکر کرنا بھی بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع اور باطل ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام شافعی کے امام ابوحنیفہ کی قبر پر جانے والے قصے کا موضوع اور بے اصل ہونا حدیثی اور عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

دیکھئے "اقتضاء الصراط المستقیم" (ص ۳۴۳، ۳۴۴ دوسرا نسخہ ص ۳۸۵، ۳۸۶)

جو شخص ایسا کوئی قصہ ثابت سمجھتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے پیش کردہ قصے کی صحیح متصل سند پیش کرے۔ مجرد کسی کتاب کا حوالہ کافی نہیں ہوتا۔

تنبیہ بلیغ: امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ سے امام ابوحنیفہ کی تعریف وثنا قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے سراسر برعکس امام شافعی رحمہ اللہ سے امام ابوحنیفہ پر جرح باسند صحیح ثابت ہے دیکھئے آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم (ص ۱۷۱، ۱۷۲ وسندہ صحیح، ۲۰۱، ۲۰۲ وسندہ صحیح) تاریخ بغداد (۱۳/ ۴۳۷ وسندہ صحیح، ۲/ ۱۷۷، ۱۷۸ وسندہ صحیح)

لہٰذا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ امام شافعی کبھی امام ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت کے لئے گئے ہوں۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۶]

مناقبِ ابی حنیفہ اور کتاب: الخیرات الحسان

سوال "کیا الخیرات الحسان" حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ کی کتاب ہے؟ اور کیا اس کتاب میں انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال و واقعات لکھے ہیں؟ اس کتاب کی وضاحت فرمائیں کہ اس کی کیا حیثیت ہے، کیونکہ دیوبندیوں نے دوران گفتگو اس کتاب کا حوالہ دیا ہے جس کے بارے میں ہمیں علم نہیں، آپ وضاحت فرمائیں۔

(خرم ارشاد محمدی، دولت نگر۔ گجرات)

الجواب کتاب ''الخیرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان'' حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) کی لکھی ہوئی نہیں ہے، بلکہ اسے شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی المکی السعدی الانصاری الشافعی، ابوالعباس (متوفی ۹۷۳ھ) نے لکھا ہے۔

اس ابن حجر المکی کے بارے میں امام محمود شکری بن عبداللہ بن محمود بن عبداللہ بن محمود الحسینی الآلوسی البغدادی (متوفی ۱۳۴۲ھ) لکھتے ہیں:

''کیونکہ ابن حجر کی اکثر کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں، اور افتراء، قولِ زور، بے اصل آراء اور دعوت الی غیر اللہ وغیرہ بدعات وضلالات سے پر ہیں'' (انوار رحمانی ترجمۃ غایۃ الأمانی ۴۳۳/۲)

امام آلوسی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: ''ابن حجر کی سب کتابیں اہلِ بصیرت کی نظر میں عیوب کی جامع ہیں اور ان میں بعض میں دوسروں کی کتابوں کا سرقہ کا عیب بھی ہے...... پھر ان میں موضوع احادیث ہیں، جنہیں غلط طور پر آں حضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے''

(انوار رحمانی ترجمۃ غایۃ الامانی ۴۳۳/۲، ۴۳۴)

علامہ آلوسی کے بارے میں عمر رضا کحالہ نے لکھا ہے:

'' جمال الدين أبو المعالي ، مؤرخ أديب لغوي ، من علماء الدين ...... ''

(معجم المؤلفین ۸۱/۳ ت ۱۶۶۰۳)

خیر الدین الزرکلی نے لکھا ہے:

'' مؤرخ عالم بالأدب والدين ، من الدعاة إلى الإصلاح :وحمل على أهل البدع في الإسلام برسائل فعاداه كثيرون '' (الأعلام ۱۷۲/۷)

علامہ آلوسی البغدادی کی اس گواہی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ''الخیرات الحسان'' کے بارے میں درج ذیل اہم نکات پیشِ خدمت ہیں:

۱: اس کتاب میں سندیں حذف کر کے قال فلان اور روی فلان کے ساتھ روایتیں لکھی گئی

ہیں، اہلِ تحقیق پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ بے سند وغیر ثابت روایات کے بارے میں قال فلان اور روی فلان وغیرہ کے الفاظ لکھنا انتہائی معیوب اور ناپسندیدہ حرکت ہے۔

۲: ابن حجر مکی نے موضوع و بے اصل روایات کو جزم کے صیغے استعمال کر کے بیان کیا ہے تا کہ عام لوگ یہ سمجھیں کہ یہ روایات صحیح و ثابت ہیں۔

مثال نمبر ۱: " وعنه :إن احتيج للرأي فرأي مالك و سفيان و أبي حنيفة وهو أفقههم و أحسنهم و أدقهم فطنة و أغوصهم على الفقه " (الخیرات الحسان ص ۴۵)

"ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اگر رائے کی ضرورت ہو تو امام مالکؒ اور سفیانؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی رائیں درست ہیں، ان سب میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہہ اور اچھے فقیہ تھے اور باریک بینی اور فقیہ میں زیادہ غور وخوص کرنے والے تھے"

(سرتاج محدثین ص ۱۵۷، مترجم: عبدالغنی طارق دیوبندی)

تبصرہ: یہ روایت تاریخ بغداد للخطیب البغدادی رحمہ اللہ (۳۴۳/۱۳) میں احمد بن محمد بن مغلس (الحمانی) کی سند سے موجود ہے، اس ابن مغلس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا: " وما رأيت في الكذابين أقل حياء منه " اور میں نے جھوٹوں میں اتنا بے حیا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ (الکامل لابن عدی ۲۰۲/۱)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا: " يضع الحديث " یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین ص ۱۲۳، ترجمہ: ۵۹)

اس کذاب شخص کو کسی محدث نے ثقہ یا صدوق نہیں کہا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " وقسم كالبخاري و أحمد بن حنبل و أبي زرعة و ابن عدي :معتدلون منصفون " یعنی (امام) بخاری، (امام) احمد بن حنبل، (امام) ابوزرعہ، اور (امام) ابن عدی (سب) معتدل اور انصاف کرنے والے تھے۔

(ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ص ۱۵۹/۲)

سخاوی نے کہا: " وقسم معتدل كأحمد والدارقطني و ابن عدي "

اور ایک قسم (جرح وتعدیل) والے معتدل ہیں مثلاً احمد، دارقطنی اور ابن عدی۔

(المتکلمون فی الرجال ص ۱۳۷)

مثال نمبر۲: ابن حجر المکی نے کہا:" وقال وکیع :ما رأیت أحداً أفقه منه ولا أحسن صلاة منه " (الخیرات الحسان ص ۴۸)

''محدث وکیع ؒ فرماتے ہیں: میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا نہ فقیہ دیکھا ہے اور نہ کسی کو ان سے اچھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا'' (سرتاج محدثین ص ۱۶۳)

یہ روایت تاریخ بغداد (۱۳؍۳۴۵) میں احمد بن الصلت الحمانی کی سند سے ہے اور احمد بن الصلت کذاب ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ یہ دو مثالیں بطورِ نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ ''الخیرات الحسان'' اس قسم کی موضوع، بے اصل اور باطل روایات سے بھری ہوئی ہے۔

۳: کسی کتاب سے حوالہ پیش کرنے کے لئے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے:

اول: صاحبِ کتاب ثقہ وصدوق ہو۔

دوم: کتاب، صاحبِ کتاب تک صحیح ثابت ہو۔

سوم: صاحبِ کتاب سے لے کر صاحبِ قول وروایت تک سند صحیح وحسن لذاتہ ہو۔

ان شرطوں میں سے اگر ایک بھی مفقود ہو تو پھر کتاب کا حوالہ بے کار اور مردود ہو جاتا ہے۔

۴: ابن حجر مکی-المبتدع کی کتاب ''الخیرات الحسان'' میں مناقب الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ والی روایات کا بہت بڑا اور اکثر حصہ غیر ثابت، موضوع اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۰ جولائی ۲۰۰۴ء) [الحدیث:۴]

موطأ امام مالک کا مقام

سوال کتب میں موطأ امام مالک کا شمار کس درجہ پر کیا جاتا ہے اور اسے صحاحِ ستہ میں شامل کیوں نہیں کیا گیا؟ (سید عبدالناصر، ضلع مردان)

الجواب موطأ امام مالک درجہ اولیٰ کی کتاب ہے، ہمارے خیال میں اسے صحاحِ

ستہ میں اس لئے شامل نہیں کیا گیا کہ اس میں مرفوع احادیث کے ساتھ ساتھ آثارِ صحابہ، تابعین اور امام مالک کے اپنے اقوال بکثرت ہیں۔ جب کہ صحاحِ ستہ کا اصل موضوع ذاتِ رسول اللہ ﷺ ہیں نہ کہ آثارِ تابعین وغیرہ۔ [شہادت، دسمبر ۲۰۰۱ء]

صحیح بخاری کی دو حدیثیں اور ان کا دفاع

سوال شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل روایات کو ضعیف قرار دیا ہے۔ آپ اپنی تحقیق کی روشنی میں جواب ارشاد فرما کر آگاہ فرمائیں۔

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: قال الله ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة رجل أعطي بي ثم غدر ورجل باع حرًا فأكل ثمنه ورجل استأجر أجيرًا فاستوفى منه ولم يعطه أجره. (اخرجہ البخاری ۳۰۲/۱، واحمد ۳۵۸/۲)

اس حدیث کے ایک راوی یحییٰ بن سُلیم کے متعلق موصوف کہتے ہیں کہ یہ قیاس کے خلاف حدیثیں گھڑتا تھا۔ (!!)

(۲) عن علي قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: يخرج قوم في آخر الزمان أحداث الأسنان سفهاء الأحلام يقولون من خير قول البرية لا يجاوز أيمانهم حناجرهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية فأينما لقيتموهم فاقتلوهم فان في قتلهم أجرًا لمن قتلهم يوم القيامة.

(بخاری۔ کتاب الانبیاء)

شیخ البانی رحمہ اللہ اس روایت کو منکر کہتے ہیں۔ (فضل اکبر کاشمیری)

الجواب ① پہلی حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا: میں تین قسم کے آدمیوں کا قیامت کے دن دشمن ہوں گا (ایک) وہ آدمی جس نے میرے نام پر عہد و پیمان کیا پھر غداری کرتے ہوئے اسے توڑ دیا (دوسرا) وہ آدمی جس نے کسی آزاد شخص کو غلام بنا کر بیچا اور اس کی قیمت کھالی (تیسرا) وہ

آدمی جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا، اس سے پورا کام لیا لیکن مزدوری نہ دی۔

(صحیح بخاری: ۲۲۲۷، ۲۲۷۰)

اسے احمد بن حنبل (۳۵۸/۲ ح ۸۶۹۲) ابن الجارود (۵۷۹) ابن ماجہ (۲۴۴۲) اور ابن حبان (الاحسان: ۷۲۹۵) وغیرہم نے يحيىٰ بن سُليم الطائفي عن إسماعيل بن أمية عن سعيد المقبري عن أبي هريرة رضي الله عنه کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ سعید بن ابی سعید المقبری اور ان کے والد دونوں ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۲۳۲۱، ۵۶۷۶)

اسماعیل بن اُمیہ: ثقہ ثبت ہیں۔ (التقریب: ۴۲۵)

یحییٰ بن سلیم الطائفی کے بارے میں جرح وتعدیل کا جائزہ درج ذیل ہے:

یحییٰ بن سلیم پر جرح

① احمد بن حنبل: والله إن حديثه يعني فيه شيً، وكأنه لم يحمده ... كان قد أتقن حديث ابن خثيم.... إلخ

② ابوحاتم الرازی: شيخ صالح محله الصدق ولم يكن بالحافظ يكتب حديثه ولا يحتج به.

③ النسائی: ليس بالقوى ...ليس به بأس وهو منكر الحديث عن عبيد الله بن عمر.

④ ابواحمد الحاکم: ليس بالحافظ عندهم .

⑤ الدارقطنی: سئی الحفظ .

⑥ العقیلی: ذكره في كتاب الضعفاء [۴۰۶/۴] ونقل بسند صحيح عن أحمد قال: وقعت على ابن سليم وهو يحدث عن عبيد الله أحاديث مناكير فتركته ولم أحمل عنه إلا حديثاً.

⑦ ابن حجر: صدوق سئی الحفظ [وفی تحریر تقریب التہذیب (۷۵۶۳): بل

صدوق حسن الحدیث، ضعیف فی روایته عن عبید اللّٰه بن عمر]

⑧ الساجی: صدوق یهم فی الحدیث و أخطأفی أحادیث رواها [عن] عبیداللّٰه بن عمر. (تہذیب التہذیب ۱۱/ ۱۹۹)

⑨ البیہقی: کثیر الوهم سئی الحفظ (السنن الکبریٰ ۹/ ۲۵۶)

⑩ البخاری: یروی أحادیث عن عبیداللّٰه یهم فیها.. [العلل الکبیر للترمذی ۱/ ۵۱۶] رجل صالح صاحب عبادة یهم الکثیر فی حدیثه إلا أحادیث کان یسأل عنها .... (ایضاً ۲/ ۹۷۱)

یحییٰ بن سلیم کی تعدیل

۱۔ یحییٰ بن معین قال: ثقة (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۲۹)

۲۔ ابن سعد نے کہا: و کان ثقة کثیر الحدیث (الطبقات ۵/ ۵۰۰)

۳۔ العجلی نے کہا: ثقة (الثقات/ التاریخ ۱۹۸۰)

۴۔ ابن شاہین، ذکرہ فی الثقات [۱۵۹۱]

۵۔ ابن حبان، ذکرہ فی الثقات [۷/ ۶۱۵] ولم یقل شیئاً ونقل المزي عن ابن حبان وقال: یخطئی [تہذیب الکمال ۲۰/ ۱۱۷]

۶۔ النسائی قال: لیس به بأس... إلخ، نسائی نے یحییٰ بن سلیم کی حدیث پر سکوت کیا [ح ۸۷، ۱۱۴] اور کہا: ثقة [تہذیب الکمال ۲۰/ ۱۱۴] لعله أرادهذا أو غیره

۷۔ یعقوب بن سفیان نے کہا: سنی رجل صالح و کتابه لا بأس به وإذا حدث من کتابه فحدیثه حسن وإذا حدث حفظًا فیعرف وینکر.

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۳/ ۵۱)

۸۔ البخاری: احتج به في صحیحه. [ح ۲۲۲۷، ۲۲۷۰]

۹۔ مسلم بن الحجاج: احتج به في صحیحه. [۲۸/ ۲۲۹۴ و دار السلام: ۵۹۷۳]

١٠۔ ابن عدی قال: وليحيى بن سليم عن إسماعيل بن أمية وعبيدالله بن عمر وابن خثيم وسائر مشائخه أحاديث صالحة وإفرادات وغرائب يتفرد بها عنهم وأحاديثه مقاربة وهو صدوق لا بأس به. [الکامل ۷/۲۶۷۵ دوسرا نسخہ ۹/۶۴]

١١۔ ابن الجارود: احتج به في صحيحه. (۵۷۹)

١٢۔ الساجی: صدوق يهم في الحديث ...إلخ دیکھئے اقوال جرح: ۸

١٣۔ الذہبی: ثقة. (الکاشف ۳/۲۲۶ ت ۶۲۹۰)

١٤۔ الحاکم: صحح له في المستدرك. (۱/۳۰۱ ح ۱۱۲۱)

١٥۔ الترمذی: حسن له في سننه. (ح ۵۴۴)

١٦۔ ابن خزیمہ: صحح له في صحيحه بروايته وسكوته عليه. (ح ۱۵۰)

١٧۔ البوصیری، قال في حديثه: هذا إسناد حسن رجاله ثقات.

(ابن ماجہ مع زوائدہ: ۱۴۴)

١٨۔ البغوی، قال في حديثه: هذا حديث صحيح. (شرح السنۃ ۸/۲۶۶ ح ۲۱۸۶)

١٩۔ الزیلعی، قال: فهو ثقة. (نصب الرایۃ ۴/۲۰۳)

٢٠۔ واشار المنذري إلى تقوية حديثه.

(انظر الترغیب والترہیب ۳/۲۳ ح ۲۸۰۴ و ۳/۳۲ ح ۲۸۳۷)

٢١۔ وأشار الهيثمي إلى تقوية حديثه، انظر مجمع الزوائد (۳/۲۹۹)

٢٢۔ الاسماعیلی روی حدیث البخاری فی مستخرجہ، انظر فتح الباری (۴/۴۱۸ ح ۲۲۲۷)

٢٣۔ ابن حجر، مال إلى تقويته، انظر فتح الباری (۴/۴۱۸)

٢٤۔ عینی حنفی نے یحییٰ بن سلیم کی توثیق نقل کی اور جرح نقل نہیں کی۔
دیکھئے شرح سنن ابی داود (۱/۳۳۱ للعینی)

٢٥۔ ابن القطان الفاسی نے کہا: ومن ضعفه لم يأت بحجة وهو صدوق عند الجميع (بیان الوہم والایہام ۲/۳۵۵ ح ۳۵۳)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن سلیم الطائفی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث وحسن الحدیث ہیں۔ بعض علماء نے ان پر "یھم" و "یخطئ" و "أخطأ" وغیرہ جرح کی ہے جو کہ حسن الحدیث کے منافی نہیں ہے۔ بعض نے ان پر سیٔ الحفظ، کثیر الخطاء ومنکر الحدیث وغیرہ جرح کی ہے جس کا تعلق یحییٰ بن سلیم کی عن عبید اللہ بن عمر والی روایت سے ہے۔ احمد بن حنبل نے عبد اللہ بن عثمان بن خثیم سے یحییٰ مذکور کو متقن (یعنی ثقہ) قرار دیا ہے، امام بخاری نے فرمایا: "**ماحدث الحمیدی عن یحیی بن سلیم فھو صحیح**" یعنی: حمیدی نے جو روایت یحییٰ بن سلیم سے بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔

(تہذیب التہذیب ۱۱/۲۲۷)

خلاصۃ التحقیق: یحییٰ بن سلیم الطائفی کی روایات کے چار درجے ہیں:

① وہ جب ابن خثیم سے روایت کریں تو متقن (ثقہ) ہیں۔

② ان سے جب (عبد اللہ بن الزبیر) الحمیدی روایت کریں تو وہ صحیح الحدیث (ثقہ) ہیں۔

③ عبید اللہ بن عمر اور ابن خثیم کے علاوہ تمام راویوں سے وہ روایت کریں تو حسن الحدیث ہیں۔

④ عبید اللہ بن عمر سے ان کی روایت ضعیف ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی مسئولہ حدیث بلحاظ سند واصولِ حدیث حسن لذاتہ ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کا اس پر جرح کرنا غلط اور مردود ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کا یہ قول بہت عجیب وغریب ہے کہ "حسن أوقریب منہ" (ارواء الغلیل ۵/۳۰۸ ح ۱۴۸۹) اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب وہ استنباط ہے جو شیخ البانی رحمہ اللہ نے امام بخاری کے قول: "**ماحدث الحمیدی عن یحییٰ بن سلیم فھو صحیح**" سے نکالا ہے کہ اگر غیر حمیدی ان (یحییٰ بن سلیم) سے روایت کریں تو (امام بخاری کے نزدیک) ضعیف ہے۔

اسے مفہوم مخالف کہتے ہیں۔ دلیلِ صریح کے مقابلے میں مفہوم مخالف اور مبہم وغیر واضح دلائل سب مردود ہوتے ہیں۔ امام بخاری نے یحییٰ بن سلیم سے صحیح بخاری کے اصول میں

روایت کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہیں لہٰذا امام بخاری کے قول کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ حمیدی کی یحییٰ بن سلیم سے روایت مطلقاً صحیح ہوتی ہے چاہے وہ عبیداللہ بن عمر سے روایت کریں یا نہ کریں اسی طرح وہ اسماعیل بن امیہ سے امام بخاری کے نزدیک صحیح الحدیث ہیں اور جب دوسروں سے روایت کریں تو حسن الحدیث ہیں۔ اس مفہوم و تطبیق سے جمہور محدثین اور امام بخاری کے اقوال کے درمیان تطبیق و توفیق بھی ہو جاتی ہے اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کی حدیث بھی ضعیف قرار نہیں پاتی۔

وهذا هو الصواب والحمد لله رب العالمين

تنبیہ: یہ قول کہ ''قیاس کے خلاف حدیثیں گھڑتا تھا'' مجھے یحییٰ بن سلیم کے بارے میں کہیں نہیں ملا۔ مختصر صحیح البخاری (۲/۷۳،۷۴) میں شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں توقف کیا ہے۔!

④ دوسری حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم نکلے گی جو نوعمر بے وقوف ہوں گے۔ لوگوں کے اقوال میں سے بہترین قول کہیں گے (یعنی قرآن پڑھیں گے) اُن کا ایمان اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشان سے نکل جاتا ہے۔ پس تم انہیں جہاں پاؤ اُن سے قتال کرو کیونکہ قیامت کے دن اُن کے قتل کا اجر و ثواب ملے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۹۳۰، ۵۰۵۷، ۳۶۱۱ و صحیح مسلم ۱۰۶۶/۱۵۴ و دارالسلام: ۲۴۶۲ و سنن ابی داود: ۴۷۶۷ و سنن النسائی ۷/۱۱۹ ح ۴۱۰۷)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ سوید بن غفلہ، خیثمہ بن عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ الجعفی اور سلیمان الاعمش سب ثقہ راوی ہیں۔ اعمش نے سماع کی تصریح کر دی ہے، لہٰذا تدلیس کا اعتراض غلط ہے۔

تنبیہ: صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داود و سنن النسائی و مسند احمد (۱/۸۱ ح ۶۱۶، ۱/۱۳۱ ح ۹۱۲) وغیرہ میں ''من خیر قول البریۃ'' ہے۔ یہ جملہ صحیح ہے منکر نہیں ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس جملے والے متن کو "صحیح" کہا ہے۔ (صحیح الجامع: ۳۶۵۴)
ارواء الغلیل کی ایک عبارت (۱۲۰/۸۔۱۲۳ ح ۲۴۷۰) میں ایک دوسرے لفظ "من قول خیر البریة" کے منکر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم
خلاصۃ التحقیق: صحیح بخاری وصحیح مسلم کی مسئولہ حدیث بالکل صحیح ہے۔
شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح ہی قرار دیا ہے۔ نیز دیکھئے مختصر صحیح البخاری (۲۳۹/۴)
والحمدللہ۔ (۳/ جمادی الاول ۱۴۲۶ھ) [الحدیث:۱۶]

غنیۃ الطالبین اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ

سوال کیا "غنیۃ الطالبین" نامی کتاب شیخ عبدالقادر جیلانی سے ثابت شدہ ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا محدثین اور ائمۂ جرح وتعدیل کے نزدیک کیا مقام ہے؟
[محمد وقاص زبیر، راولپنڈی]

الجواب غنیۃ الطالبین کتاب کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے لیکن حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) اور ابن رجب الحنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) دونوں اسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب قرار دیتے ہیں (دیکھئے کتاب العلو للعلی الغفار للذہبی ص ۱۹۳، الذیل علی طبقات الحنابلۃ لابن رجب ۲۹۶/۱) اور یہی راجح ہے۔
تنبیہ: مروجہ غنیۃ الطالبین کے نسخے کی صحیح و متصل سند میرے علم میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا علمائے حدیث وائمۂ اسلام کے نزدیک بہت بڑا مقام ہے۔
حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: "**الشيخ الإمام العالم الزاهد العارف القدوة، شيخ الإسلام، علم الأولياء ......**" (سیر اعلام النبلاء ۴۳۹/۲۰)
ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد ابن قدامہ المقدسی الجماعیلی الصالحی الحنبلی صاحب المغنی (متوفی ۶۲۰ھ) نے فرمایا: "**أخبرنا شيخ الإسلام عبدالقادر بن أبي صالح الجيلي**"
(سیر اعلام النبلاء ۴۴۰/۲۰ وسندہ صحیح)

حافظ ذہبی نے حافظ ابن السمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) سے نقل کیا کہ انھوں نے اپنے استاذ شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں فرمایا: " فقيه صالح ديّن خيّر "

(سیر اعلام النبلاء ۲۰/۲۰ و تاریخ الاسلام ۸۹/۳۹)

تنبیہ: یہ عبارت الانساب للسمعانی کے پانچ جلدوں والے مطبوعہ نسخے سے گرگئی ہے۔ واللہ اعلم

حافظ ابن النجار نے اپنی تاریخ میں شیخ عبدالقادر کے بارے میں کہا:

" وأوقع له القبول العظيم...... وأظهر الله الحكمة على لسانه "

اور آپ کو قبولِ عظیم حاصل ہوا...... اور اللہ نے آپ کی زبان پر حکمت جاری فرمائی۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ۹۲/۳۹ وفیات ۵۶۱ھ)

حافظ ابن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب المنتظم میں ان کا ذکر کیا لیکن شدید مخالفت کے باوجود آپ پر کوئی جرح نہیں کی۔ دیکھئے تاریخ الاسلام (۱۸۹/۳۹) المنتظم (۱۷۳/۱۸ ت ۴۲۵۹)

علمائے حدیث کی ان گواہیوں اور دیگر اقوال سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ثقہ وصدوق اور نیک آدمی تھے لیکن ان کی اس کتاب میں ضعیف اور موضوع روایات بھی موجود ہیں۔ [۱۰/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

[الحدیث: ۴۳]

ابن جریر طبری نام کے دو شخص ہیں

سوال کیا ابن جریر طبری جو کہ صاحبِ تفسیر ہیں اور ایک ابن جریر طبری صاحبِ تاریخ ہیں، کیا دونوں افراد ایک ہی ہیں یا مختلف اگر ایک ہیں تو صاحبِ تاریخ کے متعلق علماء سے سنا ہے کہ وہ رافضی تھا، تو پھر صاحبِ تفسیر پر علماء کا بھروسا کیوں ہے اور اگر علیحدہ علیحدہ ہیں تو دونوں کا مختصر ترجمہ لکھ کر بھیجیں۔ جزاکم اللہ خیراً (محمد اسلم قاضی، ہمبڑیال)

الجواب ابن جریر الطبری نام کے دو آدمی گزرے ہیں:

① محمد بن جریر بن رستم الطبری ابوجعفر الآملی: یہ رافضی تھا۔ اس کے حالات کے لئے دیکھئے میزان الاعتدال (۴۹۹/۳، ت ۷۳۰۷) و ذیل المیزان للعراقی (ص: ۳۰۴ ت ۶۳۷)

لسان المیزان (۵/۱۰۳ت ۱۹۱۷) اور سیر اعلام النبلاء (۱۴/۲۸۲) اہل سنت کے کسی امام نے اسے ثقہ یا صدوق نہیں کہا، عبدالعزیز الکتانی کہتے ہیں کہ یہ رافضی تھا، بعض نے اسے معتزلی (بھی) قرار دیا ہے۔شیعوں کی درج ذیل کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے:

مجمع الرجال للقہپائی (۵/۱۷۳) معجم رجال الحدیث للخوئی (۱۵/۱۴۷ت ۱۰۳۵۴) رجال النجاشی (ص۲۶۶ وقال :جليل من أصحابنا كثير العلم حسن الكلام ، ثقة في الحديث ، له كتاب المسترشد في الإمامة) تنقیح المقال (۱/۱۳۴ت ۱۰۴۸۱، وقال :خاصي ثقة)اور کتاب الرجال لابن داود الحلی (ص ۱۶۷ت ۱۳۳۰)

ابن داود الحلی الرافضی نے کہا: " ثقة في الحديث صاحب كتاب المسترشد في الإمامة......... وهو غير صاحب التاريخ ، ذاك عامي " (ص۱٦۷)

میں (زبیر علی زئی) کہتا ہوں کہ میں نے اس رافضی کی کتاب " الإمامة " پڑھی ہے جو کہ ساری کی ساری، بے اصل اور موضوع روایات سے بھری ہوئی ہے۔

② محمد بن جریر بن یزید، ابو جعفر الطبری: یہ اہل سنت کے بڑے اماموں میں سے تھے، ان کے حالات کے لئے دیکھئے: تاریخ بغداد للخطیب (۲/۱۶۲ ت ۵۸۹) المنتظم لابن الجوزی (۱۳/۲۱۵ت ۲۱۹۹) لسان المیزان (۵/۱۰۰ -۱۰۳ت ۱۹۰۷) میزان الاعتدال (۳/۴۹۸ ت ۷۳۰٦) سیر اعلام النبلاء (۱۴/۲٦۷ ت ۱۷۵) اور طبقات الشافعیہ للسبکی (۳/۱۲۰- ۱۲۸) وغیرہ۔علمائے اہل سنت مثلاً ابو سعید بن یونس المصری اور خطیب بغدادی وغیرہما نے اس کی بہت تعریف کی ہے۔

حافظ ذہبی نے کہا:" كان ثقة صادقًا حافظًا " (سیر اعلام النبلاء ۱۴/۲۷۰)

ابن خزیمہ الامام نے کہا: " وما أعلم على أديم الأرض أعلم من محمد بن جرير ، ولقد ظلمته الحنابلة " (النبلاء ۱۴/۲۷۳)

اس ابن جریر الطبری کی چند مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

① تفسیر طبری ② تاریخ طبری ③ تہذیب الآثار ④ صریح السنہ وغیرہ۔

یہ کتابیں بھی اس پر گواہ ہیں کہ ابن جریر سنی تھے۔ ابن جریر الطبری السنی نے کہا کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے زیادہ بھی ہوتا ہے اور کم بھی ہوتا ہے۔ (صریح السنہ ص ۲۵)

ابن جریر الطبری لکھتے ہیں: "**وكذلك نقول فأفضل أصحابه ﷺ الصديق أبوبكر رضي الله عنه ثم الفاروق بعده عمر ثم ذوالنورين عثمان بن عفان ثم أمير المؤمنين وإمام المتقين علي بن أبي طالب رضوان الله عليهم أجمعين**" (صریح السنہ: ۲۴) اور اسی طرح ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

یہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ ابن جریر مذکور شیعہ نہیں بلکہ سنی تھے۔ ان کے بارے میں مامقانی رافضی کہتا ہے کہ "**عامي لم يوثق**" (تنقیح المقال ۱/۱۳۴)

یعنی یہ عامی (اہل سنت سے) تھا۔ کسی (رافضی) نے اسے ثقہ نہیں کہا۔

تنبیہ: ابن جریر کے ثقہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تاریخ طبری کی تمام روایات صحیح ہیں، بلکہ ابن جریر سے لے کر اوپر تک ساری سند کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ میں نے تاریخ طبری کی جو تحقیق کی ہے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کتاب کا نوے (۹۰) فیصد حصہ موضوع و باطل ہے جس کی وجہ مجروح راوی ہیں، جن سے طبری نے روایات لے کر اپنی کتاب میں درج کر رکھی ہیں۔ [الحدیث: ۲]

کوثری کا ایک بڑا جھوٹ

سوال محمد زاہد الکوثری (متوفی ۱۳۷۱ھ) نے تاریخ بغداد للخطیب البغدادی کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: "اور اس واقعہ کی سند میں بہت سے مشکوک راوی ہیں اور ابو محمد بن حیان جو ہے وہ ابو الشیخ ہے جس کی کتاب العظمۃ اور کتاب السنۃ ہیں اور ان دونوں کتابوں میں ایسے من گھڑت واقعات ہیں جو کسی اور میں نہیں ملتے اور اس کو اس کے ہم وطن الحافظ العسال نے ضعیف کہا ہے۔"

(ابوحنیفہ کا عادلانہ دفاع، ترجمہ تانیب الخطیب ص ۵۴ او تانیب الخطیب ص ۴۹)

کیا یہ سچ ہے کہ حافظ ابواحمد العسال نے ابوالشیخ الاصبہانی کو ضعیف کہا ہے؟
مہربانی فرما کر، تحقیق کر کے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً

(ابوثاقب محمد صفدر حضروی)

الجواب تانیب الخطیب وہ کتاب ہے جسے محمد زاہد کوثری نے خطیب بغدادی کے رد میں لکھا ہے۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی کے بیٹے عبدالقدوس قارن دیوبندی نے اس کا ترجمہ ''ابوحنیفہ کا عادلانہ دفاع'' کے نام سے کیا ہے۔ تانیب الخطیب کا رد الشیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی (متوفی ۱۳۸۶ھ) نے ''التنكيل لما ورد في تانيب الكوثري من الأباطيل'' کے نام سے دو جلدوں میں لکھا ہے، جس کے جواب الجواب سے ساری کوثری پارٹی عاجز و ساکت ہے۔ والحمدللہ

سب سے پہلے عبدالقدوس قارن دیوبندی کی علمی حیثیت پیشِ خدمت ہے:

۱: کوثری نے تانیب میں خالد بن عبداللہ القسری کے بارے میں لکھا ہے:

''والقسري هذا هو الذي بنى كنيسة لأمه تتعبد فيها وهو الذي يقال عنه أنه ذبح الجعد بن درهم يوم عيد الأضحى أضحية عنه والخبر على انتشاره وذيوعه غير ثابت'' (ص ۶۲)

اس کا ترجمہ کرتے ہوئے عبدالقدوس نے لکھا ہے: ''اور یہ القسری وہ ہے جس نے اپنی ماں کے لئے گرجا بنایا تھا جس میں وہ عبادت کیا کرتی تھی۔ اور یہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن الجعد بن درہم نے اس کی طرف سے قربانی کا جانور ذبح کیا تھا۔ اور یہ واقعہ مشہور ہونے اور پھیل جانے کے باوجود ثابت نہیں ہے۔.''

(ابوحنیفہ کا عادلانہ دفاع ص ۱۷۸)

عبدالقدوس کی یہ بات کہ ''عیدالاضحیٰ کے دن الجعد بن درہم نے اس (خالد القسری) کی طرف سے قربانی کا جانور ذبح کیا تھا'' بڑی عجیب و غریب اور نایاب دریافت ہے۔ حالانکہ

محولہ عبارت اور اس کا صحیح ترجمہ درج ذیل ہے:

" أنه ذبح الجعد بن درهم يوم عيد الأضحى أضحية عنه "

بے شک اُس نے اپنی طرف سے جعد بن درہم کو عیدالاضحیٰ کے دن (بطور) قربانی ذبح کیا۔ کوثری کے نزدیک مشہور اور غیر ثابت واقعہ تو یہ ہے کہ خالد القسری نے عیدالاضحیٰ کے دن، اپنی طرف سے قربانی کے طور پر جعد بن درہم (ضال ومضل اور منکرِ صفات باری تعالیٰ) کو ذبح کیا تھا۔

جب کہ عبدالقدوس صاحب، یہ راگ الاپ رہے ہیں: ''جعد بن درہم نے اس کی طرف سے قربانی کا جانور ذبح کیا تھا'' سبحان اللہ!

سرزمین حجاز اور کوفہ کے امیر خالد القسری کے بارے میں حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے لکھا ہے: اس نے اضحیٰ والے دن کہا: ''ضحوا تقبل الله منكم فإني مضح با لجعد بن درهم ، زعم أن الله لم يتخذ إبر اهيم خليلاً '' إلخ. (لوگو) تم قربانیاں کرو، اللہ تمہاری قربانیاں قبول کرے میں جعد بن درہم کی قربانی کرنے والا ہوں کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ۴۳۲/۵)

یہ مشہور قصہ ثابت ہو یا نہ ہو، کوثری کی عبارت میں یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ جعد بن درہم نے خالد کی طرف سے کوئی قربانی کی ہو۔ اگر عبدالقدوس قارن کو عربی نہیں آتی تو میزان الاعتدال (ج ا ص ۳۹۹ ت ۱۴۸۲) کی طرف ہی رجوع کر لیا ہوتا، جس میں لکھا ہوا ہے: ''فقتل على ذلك بالعراق يوم النحر'' پس وہ (جعد بن درہم) اس (غلط عقیدے کی وجہ سے) عراق میں، قربانی والے دن قتل ہو گیا۔ اليس منكم رجل رشيد ؟

تنبیہ: خالد القسری کا اپنی ماں کے لئے کنیسہ (گرجا) بنانا ثابت نہیں ہے۔

۲: عبدالقدوس قارن نے مولانا ارشاد الحق اثری کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اور دوسری بات کرنے میں تو اثری صاحب نے بے تکی کی حد ہی کر دی جب وہ ذرا ہوش میں آئیں تو ان سے کوئی پوچھے کہ کیا امام صاحبؒ کے جنازہ میں صرف احناف شریک تھے؟ دیگر

مذاہب (مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ) کے لوگ شریک نہ تھے۔ جب وہ لوگ شریک تھے اور ان کے نزدیک قبر پر جنازہ پڑھنا درست ہے اور انہوں نے اپنے مذہب کے مطابق عمل کیا تو اس پر اعتراض کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟"

(مجذوبانہ واویلا ص ۲۸۹ طبع اول جون ۱۹۹۵ مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ)

تنبیہ: قارن صاحب کی عبارت میں بریکٹیں ان کی طرف سے ہی لکھی گئی ہیں۔

عرض ہے کہ ۱۵۰ ہجری میں فوت ہونے والے امام ابوحنیفہ کے جنازہ میں امام شافعی (پیدائش ۱۵۰ھ) اور امام احمد (پیدائش ۱۶۴ھ) کے مقلدین کہاں سے آگئے تھے۔ کیا عالم غیب سے ان کا ظہور ہوا تھا؟

مدرسہ نصرت العلوم میں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں جو یہ کہے کہ حضرت آپ کیا لکھ رہے ہیں؟ کیا آپ ہوش میں ہیں؟

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ ابو الشیخ الاصبہانی اہل سنت کے مشہور ثقہ وصادق اماموں میں سے ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات کے لئے سیر اعلام النبلاء (۱۶/۲۷۶۔۲۸۰) وتذکرۃ الحفاظ (۳/۹۴۵۔۹۴۷) وغیرہما کتب کا مطالعہ کریں۔

امام ابن مردویہ نے ان کے بارے میں فرمایا: " ثقة مأمون "

ابوالقاسم السوذرجانی نے کہا: " هو أحد عبا د الله الصالحين، ثقة مأمون ."

(النبلاء ۱۶/۲۷۸)

ان پر امام ابو احمد العسال (محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان) الاصبہانی کی جرح کسی مستند کتاب میں موجود نہیں ہے، کوثری نے امام عسال پر یہ جھوٹ بولا ہے کہ انھوں نے ابو الشیخ کو ضعیف کہا ہے۔ یہ جھوٹ کوثری نے بار بار بولا ہے۔ دیکھئے تانیب (ص ۶۹، ۱۴۱) ابوحنیفہ کا عادلانہ دفاع (ص ۱۹۲، ۳۲۲)

ذہبی عصر شیخ معلمی رحمہ اللہ نے کوثری کے اس دعوے پر اعتراض کیا۔ (التنکیل ۱/۳۱۸، ۳۱۹ ت ۱۲۹)

طلیعۃ التنکیل کے حاشیے پر ہے کہ مجلس شوریٰ مکہ مکرمہ کے رکن شیخ سلیمان الصنیع نے اس

سلسلے میں فرمایا:"وجوابي على ذلك أني اجتمعت بالكوثري عدة مرات في داره بمصر في ذلك الحين وسألته عن ذلك فلم أحصل على نتيجة منه ولو كان صادقًا فيما نسبه إلى أبي أحمد العسال لأوضحه لي حين سؤالي له والذي يظهر لي أن الرجل يرتجل الكذب ويغالط "إلخ

اس پر میرا جواب یہ ہے کہ میں اس وقت مصر میں کوثری کے گھر میں کئی دفعہ اس کے ساتھ ملا اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو مجھے اس سے کوئی نتیجہ (خیز جواب) حاصل نہیں ہوا۔ اگر وہ سچا ہوتا تو اس نے ابواحمد العسال کی طرف جو کچھ منسوب کیا ہے مجھے میرے سوال پر واضح طور پر دکھا دیتا۔ مجھ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آدمی (کوثری) فی البدیہ جھوٹ بولتا اور مغالطے دیتا ہے۔ (طلیعۃ التنکیل ص۲۹)

عبدالقدوس قارن اور تمام کوثری پارٹی سے عرض ہے کہ ابوالشیخ پر ابواحمد العسال کی تضعیف کا حوالہ پیش کر کے اپنے امام کوثری کو کذب وافتراء کے الزام سے بچانے کی کوشش کریں۔ ورنہ وہ اس کے جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ

[الحدیث:۸]

وحید الزمان حیدر آبادی

سوال وحید الزمان حیدر آبادی کے بارے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟

(فہیم نثار سلفی)

الجواب وحید الزمان پہلے غالی مقلد، پھر نیم اہل سنت اور آخری عمر میں تفضیلی قسم کا شیعہ بن گیا تھا۔ وہ اہل حدیث کے نزدیک سخت ضعیف اور متروک الحدیث انسان ہے۔

وحید الزمان پر اہل حدیث کی جرح کے لیے دیکھئے حیات وحید الزمان از عبدالحلیم چشتی (ص۱۰۱) مجموعہ رسائل ماسٹر محمد امین اوکاڑوی حیاتی دیوبندی (ج۱ص۶، ج۳ص۹۷) تجلیات صفدر (ج۱ص۶۲۱)

وحید الزمان کا عقیدہ تھا کہ عامی پر مجتہد یا مفتی کی (بغیر تعین کے) تقلید ضروری ہے۔

(نزل الابرار ص ۷)

وہ بعض صحابہ کو فاسق بھی کہتا تھا (ایضاح ج ۳ ص ۹۴) أعاذ نا اللّٰہ منہ

مختصر یہ کہ وحید الزمان متروک الحدیث ہے اور اہل حدیث اُس کے اقوال اور کتابوں سے بری ہیں۔

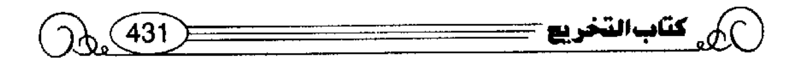
یہ علیحدہ بات ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک وحید الزمان حیدر آبادی کا ترجمہ پسندیدہ ہے۔ محمد یحییٰ صدیقی، داماد شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

''چنانچہ طے ہوا کہ مولانا وحید الزمان کا اردو ترجمہ دوسرے کالم میں دیا جائے۔ اس ترجمہ کی شمولیت میں بھی میرا مشورہ شامل ہے کیونکہ خود علامہ عثمانی کو یہ ترجمہ پسند تھا۔''

(فضل الباری شرح اردو صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۳)

مزید تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۳ ص ۳۶، ۴۰ اور ''امین اوکاڑوی کا تعاقب'' (طبع اول ص ۴۹، ۵۰) [الحدیث: ۴۸]





تخریج الروایات اور ان کا حکم

یا ساریۃُ الجبلَ والی روایت کی تحقیق

سوال کیا یا ساریۃ الجبل والی روایت صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو مفہوم واضح کریں اور اگر ضعیف ہے تو وجہ ضعف بیان کر دیں۔ جزاکم اللہ خیراً

(ڈاکٹر محمد شفیق چوہدری، راولپنڈی)

الجواب اس سلسلے میں راقم الحروف کا ایک تفصیلی مضمون "ہفت روزہ الاعتصام لاہور" (ج ۴۳ شمارہ ۴۵، ۸ نومبر ۱۹۹۱ء) میں شائع ہوا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یا ساریۃ الجبل والا قصہ بلحاظ سند صحیح ثابت نہیں ہے۔ اس کی سندوں کی بحث مختصراً درج ذیل ہے:

① ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر۔ الخ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۳۷۰)

اس کی سند ابن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

محمد بن عجلان مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین تحقیقی ۳/۹۸ ص ۶۰) اور عن سے روایت کر رہے ہیں۔ اصولِ حدیث میں یہ مقرر ہے کہ غیر صحیحین میں مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے لیے قادح ہے۔ یعنی مدلس راوی کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

(دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص ۹۹)

② ایاس بن معاویہ بن قرۃ کی مرسل روایت (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/ ۳۷۰)

مرسل روایت جمہور محققین کے نزدیک مردود ہوتی ہے۔ (دیکھئے الفیۃ العراقی: ۱۲۳ ص ۲۸)

③ ایوب بن خوط عن عبدالرحمان السراج عن نافع، الخ [الفوائد لأبی بکر بن خلاد (۱/۲۱۵/۲ قلمی) بحوالہ السلسلۃ الصحیحۃ (۳/۱۰۱ ح ۱۱۱۰)] اس کا راوی ایوب بن خوط متروک ہے۔ [التقریب: ۶۱۲]

④ فُرات بن السائب عن میمون بن مہران عن ابن عمر، الخ (اسد الغابۃ: ۲/ ۲۴۴)

فرات بن السائب متروک و سخت مجروح ہے۔ [دیکھئے میزان الاعتدال ۳/ ۳۴۱ و کتب الجروحین]

⑤ الواقدی عن شیوخہ (البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۳۵، الاصابہ ۲/ ۳)

واقدی مشہور کذاب اور متروک راوی ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۹/ ۳۲۳۔۳۲۶)

⑥ سیف بن عمر عن شیوخه (البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۳۴)

سیف مشہور متروک الحدیث اور زندیق ہے۔ (تہذیب التہذیب ۴/ ۲۵۹، ۲۶۰)

⑦ **هشام بن محمد بن مخلد بن مطر عن أبي توبة عن محمد بن مهاجر عن أبي بلج علي بن عبدالله** إلخ (السنة للالکائی ۷/ ۱۳۰، ۱۳۱)

اس میں ہشام اور ابو بلج کے حالات نامعلوم ہیں یعنی دونوں مجہول ہیں۔

⑧ **لالكائي عن مالك عن نافع عن ابن عمر**

[البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۳۵، وکرامات اللالکائی: ۳/ ۷ دوسرا نسخہ: ۶۷]

اس کے راوی عمرو بن الازہر کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: کذاب (الضعفاء والمتروکون: ۳۹۵) ابن حبان نے اسے حدیثیں گھڑنے والا قرار دیا۔ دیکھئے المجروحین (۲/ ۷۸) لہٰذا یہ سند موضوع ہے۔ خود حافظ ابن کثیر نے کہا: ''**وفي صحته من حديث مالك نظر**'' اور اس کی صحت میں نظر ہے۔ (البدایہ ۷/ ۱۳۵)

اس قصے کی دیگر سندیں بھی مردود ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ یہ ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں غلط ہے۔

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف و ناقابل اعتماد ہے۔ لہٰذا اسے کسی متاخر امام یا عالم کا صحیح قرار دینا اصول حدیث کی رو سے غلط ہے۔ جو لوگ اسے صحیح سمجھتے ہیں انھیں چاہئے کہ اصول حدیث کی روشنی میں اس واقعہ کا صحیح ہونا ثابت کریں۔ [الحدیث: ۴۰]

ہرمزان کا اسلام

سوال ماہنامہ ''شہادت'' مارچ 2007ء کے صفحہ نمبر 36 پر ''وعدے کا پاس'' کے عنوان سے ایک مشہور واقعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا گیا ہے:

''ایران کا مشہور سپہ سالار ہرمزان قیدی بنا کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے

اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے اس نے ٹھکرا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، کیونکہ اس نے اسلام کو بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ جب اس کے قتل کی تیاری ہوگئی تو اس نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر کہا: میں پیاس سے نڈھال ہوں...... کیا ایسا ممکن ہے کہ مجھے قتل کرنے سے پہلے پینے کیلئے پانی دیا جائے؟ حکم ہوا کہ اسے پانی پلایا جائے۔ ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: یہ پانی جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہے، اسے پینے تک آپ لوگ مجھے قتل تو نہیں کریں گے؟ فرمایا: ہاں! جب تک تم یہ پانی نہیں پیو گے تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس نے جلدی سے پانی کو نیچے گرا کر ضائع کر دیا اور کہا: امیر المومنین! دیکھئے آپ نے وعدہ کیا ہے اب اس کو پورا کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں قتل کرنے سے فی الحال رک جاتے ہیں، میں تمہارے معاملے میں غور وفکر کروں گا۔ پھر جلاد کو حکم دیا کہ تلوار ہٹا لو۔ اب اس نے بلند آواز میں پکارا:

أشهد أن لا إله إلا الله وأنّ محمداً رسول الله

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اسلام لے آئے ہو، اچھا کیا، مگر یہ بتاؤ جب میں نے تمہیں اسلام کی دعوت دی تھی تو اس وقت تم نے قبول کیوں نہ کیا؟ اس نے کہا: مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ اگر میں اس وقت اسلام قبول کروں گا تو میرے بارے میں کہا جائے گا کہ موت سے گھبرا کر اسلام لایا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان: ''عقول فارس تزن الجبال''

''اہل فارس کی عقلیں پہاڑوں جیسی ہیں'' سے مراد یہ ہے کہ یہ بڑے عقل مند و دانا ہیں، ان کی عقلیں عظیم الشان ہیں۔'' اس واقعہ کی تحقیق وتخریج درکار ہے۔ (محمد وقاص زبیر، راولپنڈی)

الجواب الفاظ کے اختلاف کے ساتھ قصۂ مذکورہ بغیر کسی سند کے کئی کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً: طبقات ابن سعد (۵/۸۹، ۹۰) المنتظم لابن الجوزی (۴/۲۳۴، ۲۳۵ سنہ ۱۷ھ بحوالہ ابن سعد) تاریخ الاسلام للذہبی (۳/۲۹۴، ۲۹۵ بحوالہ ابن سعد) الکامل لابن الاثیر اور تاریخ ابن خلدون وغیرہ۔

یہ قصہ سیف بن عمر التمیمی (ضعیف الحدیث فی الحدیث وضعیف الحدیث فی التاریخ) کی سند

کے ساتھ تاریخ ابن جریر الطبری (۴/۸۳۔۸۸ دوسرا نسخہ ۱/۲۵۵۱۔۲۵۵۹) اور المنتظم (۴/۲۳۲۔۲۳۵) میں مذکور ہے۔ سیف بن عمر کے ضعف اور کئی علتوں کی وجہ سے یہ قصہ مردود ہے۔

پانی اور پیاس کے ذکر کے بغیر یہ قصہ تاریخ خلیفہ بن خیاط میں موجود ہے۔

(روایت ہے کہ) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے فرمایا تھا: تُو بات کر، کوئی حرج نہیں ہے۔

اس نے ان الفاظ سے استدلال کر کے اپنی جان بچالی۔ (تاریخ خلیفہ بن خیاط ص ۱۴۷)

اس قصے کی سند حُمید (الطّویل) تک صحیح ہے۔ حمید نے اسے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صیغۂ عن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بعض علماء حمید الطویل کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے عن والی روایات کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ حمید طبقۂ ثالثہ کے مدلس تھے اور راجح یہی ہے کہ ان کی غیر صحیحین میں ہر معنعن منفرد روایت ضعیف ہوتی ہے لہٰذا یہ قصہ بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: ہرمزان کو (بعد میں) عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد مشتعل ہو کر شک کی بنا پر قتل کر دیا تھا۔ (دیکھئے طبقات ابن سعد ۳/۳۵۵، ۳۵۶ وسندہ صحیح)

ہرمزان کے قبولِ اسلام کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (۳۱۵۹)

"عقول فارس تزن الجبال" وغیرہ والا قصہ بے اصل ہے۔ [۱۰/ رمضان ۱۴۲۸ھ]

[الحدیث: ۴۳]

مجھے دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں والی حدیث کی تحقیق

سوال میرے علم کے مطابق ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دفعہ ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((حبّب إليّ من دنيا كم ثلاث: الطيب والنساء و جعلت قرة عيني في الصلوٰة)) مجھے تمھاری دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں: (۱) خوشبو (۲) بیویاں (۳) اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ آپ کے ساتھ صحابۂ کرام بھی بیٹھے

ہوئے تھے تو ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا اور مجھے دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں: (۱) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرے کو دیکھنا (۲) رسول اللہ کے لئے اپنا مال خرچ کرنا (۳) اور یہ چاہنا کہ میری بیٹی، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی بنے۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو بکر! آپ نے سچ فرمایا اور مجھے دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں: (۱) نیکی کا حکم دینا (۲) بُرائی سے منع کرنا (۳) اور پرانا (استعمال شدہ بوسیدہ) کپڑا۔

پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! آپ نے سچ فرمایا اور مجھے دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں: (۱) بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلانا (۲) ننگوں کو کپڑے پہنانا (۳) اور تلاوتِ قرآن۔ پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عثمان! آپ نے سچ فرمایا اور مجھے دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں: (۱) مہمان کی خدمت کرنا (۲) گرمی میں روزے رکھنا (۳) اور (میدانِ جہاد میں) تلوار چلانا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اسی حال میں تھے کہ جبریل (علیہ السلام) تشریف لائے اور فرمایا: جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھاری گفتگو سنی تو مجھے بھیجا اور آپ کو حکم دیا کہ مجھ سے پوچھیں کہ اگر میں دنیا والوں میں سے ہوتا تو میں کیا پسند کرتا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تم دنیا میں سے کیا پسند کرتے؟ جبریل (علیہ السلام) نے فرمایا: (۱) راستہ بھولے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھانا (۲) غریب عبادت گزاروں کی دل جوئی (۳) اور مفلس عیال داروں کی مدد۔

جبریل (علیہ السلام) نے فرمایا: رب العزت اللہ جلّ جلالہ اپنے بندوں سے تین خصلتیں پسند کرتا ہے: (۱) حسبِ استطاعت (اللہ کے راستے میں مال وجان) خرچ کرنا (۲) ندامت کے وقت رونا (۳) اور فاقے کے وقت صبر کرنا۔ (بحوالہ المنبہات لابن حجر)

گزارش ہے کہ اس حدیث کی مکمل تحقیق وتخریج عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، نیز رسالہ (الحدیث) میں بھی شائع فرما دیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ (قاری عظیم حاصلپوری، گوجرانوالہ)

الجواب میرے علم کے مطابق یہ روایت حدیث کی کسی کتاب میں باسند وباحوالہ موجود نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر (العسقلانی) کی طرف منسوب کتاب ''المنبہات'' میں یہ روایت بے حوالہ اور بے سند مذکور ہے۔ (ص ۲۱، ۲۲ طبع ۱۳۸۲ھ)

۱:   ''المنبہات'' کا حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب ہونا ثابت نہیں ہے۔ جن لوگوں نے حافظ ابن حجر کے حالات لکھے ہیں اور ان کی کتابوں کے نام لکھے ہیں مثلاً سخاوی (الضوء اللامع) شوکانی (البدر الطالع) اسماعیل پاشا بغدادی (ہدیۃ العارفین) اور زرکلی (الاعلام) وغیرہ، ان میں سے کسی نے بھی اس کتاب کو حافظ ابن حجر کی طرف منسوب نہیں کیا۔

۲:   مشہور عربی محقق شیخ ابوعبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان نے اسے حافظ ابن حجر العسقلانی کی طرف ظلم، جھوٹ اور بہتان کے ساتھ منسوب کتاب قرار دیا ہے۔ دیکھئے کتب حذّر منہا العلماء

(ج ۲ ص ۳۲۶)

۳:   شیخ جاسم الدوسری اور شیخ عبدالرحمٰن فاخوری نے بھی حافظ ابن حجر کی طرف اس کتاب کے انتساب کو باطل قرار دیا ہے۔ (ایضاً ص ۳۲۷)

۴:   المنبہات کے شروع میں اس کا نام ''منبہات... على الإستعداد ليوم المعاد'' لکھا ہوا ہے۔ (ص ۴) اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ اس میں دو دو اور تین تین سے لے کر دس دس تک کا بیان لکھا ہوا ہے۔ (ایضاً ص ۴)

حاجی خلیفہ کاتب چلپی حنفی نے اپنی مشہور کتاب ''کشف الظنون'' میں لکھا ہے کہ

''**المنبهات على الإستعداد ليوم الميعاد للنصح و الوداد، مختصر لزين القضاة أحمد بن محمد الحجي (الحجري) المتوفى سنة ... جمع فيه أحاديث ونصائح من الواحد إلى العشرة مثنىٰ وثلاث ورباع، أوله الحمد لله رب العالمين، إلخ قال: هٰذه منبهات على الإستعداد ليوم الميعاد**''

(کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون ج ۲ ص ۱۸۴۸)

اس طویل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب احمد بن محمد الحجی یا الحجری کی لکھی ہوئی ہے، یہ حجی یا حجری مجہول ہے، اس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملے۔

۵:   حافظ ابن حجر العسقلانی نے ایک صوفی ابراہیم بن محمد بن المؤید بن حمویہ الجوینی (متوفی ۷۲۲ھ) کے حالات میں لکھا ہے کہ حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**كان حاطب الليل، جمع**

أحاديث ثنائيات وثلاثيات ورباعيات من الأ باطيل المكذوبة'' وہ حاطب لیل (رات کو لکڑیاں اکٹھی کرنے والا) تھا۔ اس نے دو دو، تین تین اور چار چار والی حدیثیں جمع کی ہیں جو باطل اور جھوٹی ہیں۔ (الدرر الکامنہ فی اعیان المائۃ الثامنہ ۱/ ۶۸ ت ۱۸۱)

معلوم یہی ہوتا ہے کہ ابن حمویہ الجوینی الصوفی (متوفی ۷۲۲ھ) کی کتاب سے اختصار کر کے ابن حجی یا ابن حجری نامی کسی مجہول شخص نے منبہات نامی کتاب لکھ دی ہے جو ناشرین یا ناسخین کی غلطیوں کی وجہ سے حافظ ابن حجر کی طرف منسوب ہوگئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے ''ثلاث'' کی زیادت والی روایت کے بے سند ہونے کی صراحت کی ہے۔ دیکھئے التلخیص الحبیر (۳/ ۱۱۶ ح ۱۴۳۵) لہٰذا وہ اس روایت اور مذکورہ کتاب سے بری ہیں۔

اگر کوئی شخص دلائل سے یہ ثابت کر دے کہ یہ کتاب ضرور حافظ ابن حجر العسقلانی ہی کی لکھی ہوئی ہے تو بھی یہ روایت باطل اور موضوع ہے کیونکہ اس کی کوئی سند یا حوالہ معلوم نہیں ہے۔ ہر وہ روایت جو بے سند و بے حوالہ ہو تو وہ موضوع، باطل اور مردود ہی رہتی ہے الا یہ کہ صحیح سند یا صحیح حوالہ پیش کر دیا جائے۔

اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی (متوفی ۱۱۶۲ھ) نے اسے کتاب ''المواهب'' سے نقل کر کے لکھا ہے: ''قال الطبري : خرجه الجندي و العهدة عليه''

طبری نے کہا: اسے الجندی نے روایت کیا ہے اور اس روایت کی ذمہ داری اُسی پر ہے۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی اَلسنۃ الناس ج ۱ ص ۳۴۰ ح ۱۰۸۹)

عجلونی کی بیان کردہ یہ روایت احمد بن محمد القسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) کی کتاب المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ میں اسی طرح بے سند و بے حوالہ ''الجندی'' سے بطورِ لطیفہ مذکور ہے۔

(ج ۲ ص ۱۸۰، ۱۸۱)

الجندی نام کے کئی آدمی تھے مثلاً مفضل بن محمد بن ابراہیم الجندی (متوفی ۳۱۰ھ)

اللہ ہی جانتا ہے کہ اس الجندی سے مراد کون ہے؟ اور اگر کوئی الجندی متعین بھی ہو جائے تو اس سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک سند معلوم نہیں ہے۔

شبراملسی (متوفی ۱۰۸۷ھ) اور خفاجی وغیرہما مولویوں نے اس روایت میں مزید بے سند اور بے حوالہ اضافہ بھی ذکر کر رکھا ہے جو کہ سرے سے موضوع اور باطل ہے۔

تنبیہ بلیغ: حاجی خلیفہ حنفی نے بغیر کسی سند اور بغیر حوالے کے جلال الدین سیوطی سے نقل کر رکھا ہے کہ قسطلانی میری کتابوں سے چوری کرتا ہے۔ الخ (کشف الظنون ۲/۱۸۹۷)

ظاہر ہے کہ یہ بے سند و بے حوالہ بات مردود و باطل ہے لیکن بے سند و بے حوالہ روایتیں پھیلانے والے اس حکایت کی وجہ سے المواہب کے مصنف قسطلانی کو چور نہیں سمجھتے!

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت بے اصل، جھوٹی اور من گھڑت ہے جسے منظم یا غیر منظم منصوبے سے جاہل اور عام مسلمانوں میں پھیلا دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا بالکل حرام ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .)) جس شخص نے مجھ پر ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانا (جہنم کی) آگ میں بنا لے۔ (صحیح بخاری:۱۰۹)

اس ارشادِ نبوی کے باوجود بہت سے لوگ دن رات اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ جھوٹی روایات بنائیں یا پہلے سے موجود جھوٹی اور ضعیف روایات مسلمانوں میں پھیلا دیں۔ کیا ہمارے لئے صحیح احادیث و روایات کافی نہیں ہیں؟

تنبیہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((حبّب إليّ من الدنيا :النساء والطيب وجعل قرة عيني في الصلوة .)) مجھے دنیا میں سے عورتیں (بیویاں) اور خوشبو پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

(سنن النسائی ۷/۶۱ ح ۳۳۹۱ وسندہ حسن، مسند احمد ۳/۲۸۵ وسندہ حسن وحسنہ الحافظ ابن حجر فی التلخیص الحبیر ۳/۱۱۶ ح ۱۴۳۵ واوردہ الضیاء فی المختارۃ ۵/۱۱۶ ح ۱۷۳۶)

دوسری روایت میں ہے: ((حبب إلي النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلوة .)) مجھے عورتیں (بیویاں) اور خوشبو پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ (سنن النسائی ۷/۶۲ ح ۳۳۹۲ وسندہ حسن وصححہ الحاکم علیٰ شرط مسلم ۲/۱۶۰، ووافقہ الذہبی)

اس صحیح حدیث کا منہبات والی موضوع روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ نماز دنیا کی کوئی چیز ہے۔ (۱۱/ جنوری ۲۰۰۷ء) [الحدیث:۳۶]

طارق جمیل صاحب کی بیان کردہ روایتیں

سوال طارق جمیل تبلیغی دیوبندی صاحب ایک مشہور واعظ ہیں، انھوں نے ایک واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''سعد السلیمی رضی اللہ عنہ بنو سلیم کے بدصورت، کالے رنگ والے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

''جاؤ عمرو (بن وہب الثقفی) سے کہو (وہ) اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دے دے''

جب سعد رضی اللہ عنہ وہاں (عمرو رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازے کے پاس) پہنچے تو معلوم ہونے کے بعد عمرو بن وہب نے انکار کر دیا: ''بھاگ جا کہاں کی بات کرتا ہے؟'' عمرو کی بیٹی جو خوبصورت اور حسن و جمال میں مشہور تھی، بولی: ''اے ابا جان! یہ سوچ لو کیا کر رہے ہو، تم نبی کی بات کو ٹھکرا رہے ہو ہلاک ہو جاؤ گے، میں تیار ہوں، نبی کے حکم کے سامنے میں کالے گورے کو نہیں دیکھ رہی، میں نبی کے حکم کو دیکھ رہی ہوں، جاؤ میں تیار ہوں اور کہہ دو: میں شادی کروں گی'' اس کے بعد چار سو درہم حق مہر پر شادی ہوگئی''

یہ مفصل واقعہ جناب طارق جمیل صاحب کے بیان کردہ ''ایمان افروز اصلاحی واقعات'' کے مجموعے ''دلچسپ اصلاحی واقعات'' (ترتیب محمد ارسلان اختر) میں درج ہے۔

(ص۲۲۰ تا ۲۲۳)

مہربانی فرما کر اس واقعے کی تحقیق کر کے ماہنامہ ''الحدیث'' میں شائع کریں، جزاکم اللہ خیراً۔

(ابو عبداللہ محمد نواز، ساماں)

الجواب طارق جمیل صاحب کا بیان کردہ یہ واقعہ ''سوید بن سعید: ثنا محمد بن عمر الکلاعی عن الحسن وقتادہ عن انس رضی اللہ عنہ'' کی سند کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے۔

کتاب المجروحین لابن حبان (ج۲ص۲۹۱، ۲۹۲) الکامل لابن عدی (ج۶ص۲۲۱۵، ۲۲۱۶)

اس روایت کے راوی محمد بن عمر کے بارے میں امام حاکم النیسابوری فرماتے ہیں:

"روى عن الحسن وقتادة حديثًا موضوعًا، روى عنه سويد بن سعيد"

(المدخل للحاکم ص۲۰۵ ت ۱۸۶ لسان المیزان: ۵ص۳۱۹ واللفظ لہ)

یعنی یہ روایت، امام حاکم کے نزدیک موضوع (من گھڑت) ہے۔

اس روایت کے راوی محمد بن عمر الکلاعی کے بارے میں امام ابن عدی نے فرمایا:

"منكر الحديث عن ثقات الناس" وہ ثقہ راویوں سے منکر حدیثیں بیان کرتا ہے۔

(الکامل: ج۶ص۲۲۱۵)

حافظ ابن حبان نے کہا: "منكر الحديث جدًا" یہ سخت منکر حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔ (المجروحین: ج۲ص۲۹۱)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے جسے طارق جمیل صاحب نے بیان کیا ہے۔ وما علینا إلا البلاغ [الحدیث:۳۰]

سوال طارق جمیل صاحب فرماتے ہیں: "نباتہ بن یزید نخعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یمن کے علاقے سے اللہ کے راستے میں نکلے، راستے میں گدھا مر گیا، ساتھیوں نے کہا، سامان ہمیں دے دو، کہا: نہیں، چلو میں آتا ہوں، ان کو آگے روانہ کیا، خود مصلی بچھایا، اللہ اکبر، دو نفل پڑھے: اے میرے مولا، تو ہر چیز سے غنی، میں ہر چیز کا محتاج، تو مردوں کا زندہ کرنے والا، گدھے کی روح تو نے قبض کی ہے، مجھے لمبا سفر کرنا ہے، مجھے اس کی ضرورت ہے اے اللہ اسے زندہ کر دے، یہ کہہ کر اٹھے، چھڑی اٹھائی اور ایک ماری، کہا: اٹھو اللہ کے حکم سے، وہ ایک دم گدھا کود کے کھڑا ہو گیا" (دلچسپ اصلاحی واقعات ص۲۲۳)

کیا یہ واقعہ صحیح ثابت ہے؟ (معاذ علی زئی)

الجواب یہ واقعہ حافظ ابن حجر نے الاصابۃ میں ابوبکر بن درید کی کتاب "الأخبار المنثورة" سے "ابن الكلبي عن أبيه عن مسلم بن عبدالله بن شريك النخعي

" کی سند سے نقل کیا ہے۔ (ج ۳ ص ۵۸۲، القسم الثالث: ت ۸۸۵۰)

اس کا راوی محمد بن السائب الکلبی کذاب ہے۔

سلیمان التیمی نے کہا: " کان بالکوفة کذابان أحدهما الکلبي " کوفہ میں دو کذاب (جھوٹے راوی) تھے ان میں سے ایک کلبی ہے۔ (تہذیب التہذیب ۹/ ۱۵۷)

یزید بن زریع کہتے ہیں: " أشهد أن الکلبي کافر " میں گواہی دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔

(تہذیب التہذیب ۹/ ۱۵۸)

جوزجانی نے کہا: " کذاب ساقط " کلبی جھوٹا ساقط ہے۔ (تہذیب التہذیب ۹/ ۱۵۹)

اس کا دوسرا راوی ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے۔

اس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ''متروک'' ابن عسا کر نے کہا:

" رافضي لیس بثقة " یہ رافضی ہے ثقہ نہیں ہے۔ (لسان المیزان ۶/ ۱۹۶)

تنبیہ: ابن الکلبی تک سند نامعلوم ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت موضوع (جعلی، من گھڑت) ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

[الحدیث: ۳]

کیا امام بخاری بچپن میں نابینا ہو گئے تھے؟

سوال مولانا ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی صغر سنی میں آنکھیں خراب ہو گئیں۔ جس کے نتیجہ میں ان کی بصارت جاتی رہی، امام بخاری کی والدہ محترمہ جو بڑی عابدہ اور صاحبِ کرامات خاتون تھیں، دعا کیا کرتیں کہ اے اللہ! میرے بیٹے کی بینائی درست کر دو ایک رات خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے۔ آپ فرما رہے تھے کہ تمھاری کثرتِ دعاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمھارے بیٹے کی بینائی واپس لوٹا دی ہے۔ چنانچہ اس شب کو جب وہ بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند کی بینائی درست

کردی۔ (تاریخ بغداد ص ۱۰ ج ۲۔ ھدی الساری ص ۴۷۸)''

(آفاتِ نظر اوران کا علاج ص ۶۰، ناشر ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد)

کیا یہ واقعہ بلحاظِ سند صحیح ہے؟ اس کی تحقیق فرمادیں۔ جزاکم اللّٰہ خیراً

(حافظ شیر محمد بیاڑوی)

الجواب اس روایت کی سند و متن تاریخ بغداد میں درج ذیل ہے:

''حدثني أبو القاسم عبد اللّٰه بن أحد بن علي السوذرجاني بأصبهان من لفظه قال :نبأنا علي بن محمد بن الحسين الفقيه قال :نبأنا خلف بن محمد الخيام قال :سمعت أبا محمد عبد اللّٰه بن محمد بن إسحاق السمسار يقول :سمعت شيخي يقول:ذهبت عينا محمد بن إسماعيل في صغره فرأت والدته في المنام إبراهيم الخليل عليه السلام ، فقال لها :ياهذه قدرداللّٰه على ابنك بصره لكثرة بكائك أولكثرة دعائك،قال:فأصبح وقد رداللّٰه عليه بصره'' (۲/۱۰ ت ۴۲۴)

اب اس سند کے راویوں کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱: شیخ ، یہ مجہول ہے۔

۲: ابو محمد المؤذن عبداللہ بن محمد بن اسحاق السمسار کے حالات نہیں ملے۔

۳: خلف بن محمد الخیام سخت ضعیف راوی ہے۔اس کے بارے میں امام خلیلی نے فرمایا:

''وهو ضعيف جدًا'' اور وہ سخت ضعیف ہے۔(الارشاد للخلیلی ج ۳ ص ۹۷۲ ولسان المیزان ۴/۴۰۴)

اس پر امام حاکم نیشاپوری اور ابن ابی زرعہ نے جرح کی ہے۔ابو سعد الادریسی نے بھی اس کی تلیین (تضعیف) کی ہے۔

۴: علی بن محمد بن الحسین الفقیہ کے حالات نہیں ملے۔

۵: ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن علی السوذرجانی کے حالات نہیں ملے۔

نتیجہ: یہ سند سخت ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری میں لکھا ہے: "فروي غنجار في تاريخ بخارى واللالكائي في شرح السنة في باب كرامات الأولياء منه أن محمد بن إسماعيل ذهبت عيناه في صغره" (ص ۴۷۸)

غنجار والی روایت کی سند درج ذیل ہے:

" أنا خلف بن محمد قال: سمعت أحمد بن محمد بن الفضل البلخي يقول: سمعت أبي يقول: ذهبت عينا محمد بن إسماعيل في صغره "

(تغلیق التعلیق ۳۸۸/۵)

ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن سلیمان بن کامل البخاری: غنجار کے حالات سیر اعلام النبلاء (۳۰۴/۱۷) وغیرہ میں ہیں۔

خلف بن محمد الخیام سخت ضعیف ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

احمد بن محمد بن الفضل البلخی کے حالات بھی مطلوب ہیں۔

تنبیہ: محمد بن احمد بن سلیمان: غنجار والی روایت امام لالکائی نے "کرامات اولیاء اللہ" میں: "أخبرنا أحمد بن محمد بن حفص" عن غنجار کی سند سے بیان کر رکھی ہے (ص ۲۹۰ ح ۲۲۹) لیکن نسخہ مطبوعہ میں کمپوزر یا ناسخ کی غلطی کی وجہ سے سند میں تصحیف وتحریف واقع ہو چکی ہے۔

نتیجہ: غنجار اور لالکائی والی روایت خلف بن محمد الخیام کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

لہٰذا یہ سارا قصہ ثابت نہیں ہے۔ [الحدیث: ٦]

چند روایات کی تخریج وتحقیق

سوال مولانا عبدالسلام بستوی نے اسلامی خطبات "خطبہ نمبر ۲۳۔ ج ۱ ص ۲۲۰" معراج النبی (ﷺ) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس کی تحقیق درکار ہے۔

اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ ''پھر مجھ کو نور میں پیوست کر دیا گیا اور ستر ہزار حجاب مجھ کو طے کرا دیئے گئے کہ ان میں ایک حجاب دوسرے کے مشابہ نہ تھا، اور مجھ سے تمام انسانوں اور فرشتوں کی آہٹ منقطع ہوگئی، اس وقت مجھ کو وحشت ہوئی تو اس وقت پکارنے والے نے مجھ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لہجہ میں پکارا کہ ٹھہر جایئے، آپ کا رب صلوٰۃ میں مشغول ہے۔'' اور اس میں یہ بھی ہے کہ ''میں نے عرض کیا مجھ کو ان دو باتوں پر تعجب ہوا ایک تو یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے آگے بڑھ آئے اور دوسرا یہ کہ میرا رب صلوٰۃ سے بے نیاز ہے پھر ارشاد ہوا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھو ''هو الذي يصلي عليكم'' تو میری صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے اور ابوبکر کی آواز کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے ایک فرشتہ ابوبکر کی آواز اور صورت کا پیدا کیا کہ آپ کو ان ہی کے لہجہ میں پکارے تا کہ آپ کی وحشت دور ہو۔ اور آپ کو ایسی ہیبت لاحق نہ ہو، جو آپ کے فہم مقصود سے مانع ہو۔ مواہب نے ابن غالب کے حوالہ سے ان روایات کو شفاء الصدور میں نقل کیا ہے۔

(قاری نور الٰہی ادھوال، تحصیل راولپنڈی)

الجواب یہ روایت احمد بن محمد القسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) کی کتاب ''المواهب اللدنية بالمنح المحمدية'' (ج ۲ ص ۳۸۲، ۳۸۳) میں مذکور ہے قسطلانی نے اسے ابوالحسن بن غالب سے نقل کیا ہے، ابوالحسن بن غالب نے اسے ابوالربیع بن سبیع السبتی کی کتاب ''شفاء الصدور'' سے نقل کیا ہے۔

''شفاء الصدور'' کے بارے میں حاجی خلیفہ چلپی (متوفی ۱۰۶۷ھ) نے کسی صاحب ''مشارع الأشواق'' سے نقل کیا ہے کہ ''(وأودع) أحاديثه عرية عن الاسناد'' اور اس نے (اپنی کتاب میں) حدیثیں درج کی ہیں جو سندوں سے عاری ہیں۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۵۰)

یعنی یہ بے سند روایتوں والی کتاب ہے لہٰذا یہ روایت بھی بے سند ہونے کی وجہ سے مردود و بے اصل ہے۔

تنبیہ(۱): المواهب اللدنیہ میں بہت سی موضوع ، بے اصل اور ضعیف روایات موجود ہیں مثلاً اسی کتاب کے صفحہ ۳۷۸ (ج ۲ واللفظ لہ) پر سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی (ج ۲ ص ۳۹۳، ۳۹۴) مروی ہے: ''ثم صعدت إلى السماء السابعة فإذا إبراهيم الخليل ساند ظهره إلى البيت المعمور كأحسن الرجال و معه نفر من قومه..'' إلخ

اس روایت کی سند کا ایک راوی ابو ہارون عمارہ بن جوین العبدی ہے (دلائل النبوۃ ۲/۳۹۰) عمارہ بن جوین کے بارے میں امام حماد بن زید نے فرمایا: كان أبو هارون العبدي كذاباً... إلخ (الجرح والتعدیل ۲/۳۶۴ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''أبو هارون العبدي غير ثقة يكذب'' (سوالات ابن الجنید:۱)
یعنی یہ راوی ضعیف، متروک اور جھوٹا تھا لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔

تنبیہ(۲): عبدالسلام بستوی (متوفی ۱۳۹۴ھ) کی کتاب ''اسلامی خطبات'' میں بہت سی ضعیف، مردود، منکر اور موضوع روایات موجود ہیں، مثلاً بستوی صاحب لکھتے ہیں:

''طوبى للمخلصين أولئك مصابيح الهدى و تنجلي عنهم كل فتنة ظلماء (بيهقي) مبارک اور خوش خبری ہو، اخلاص والوں کے لئے جو ہدایت کے چراغ ہیں، ان ہی کے ذریعہ تمام سیاہ فتنے دور ہو جاتے ہیں۔ (اسلامی خطبات ج ۱ ص ۱۵)

یہ روایت ''الترغیب والترهیب'' میں بحوالہ بیہقی (شعب الایمان: ۶۸۶۱) مذکور ہے۔ (ج ۱ ص ۵۴ ح ۵)

شیخ البانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ: ''موضوع'' یہ روایت موضوع ہے۔
(ضعیف الترغیب والترهیب ج ۱ ص ۱۹ والسلسلۃ الضعیفۃ ج ۵ ص ۲۵۲ ح ۲۲۲۵)

اس حدیث کے راوی عبیدہ بن حسان کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''كان ممن يروي الموضوعات عن الثقات'' وہ ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا۔ (کتاب المجروحین ج ۲ ص ۱۸۹)

ابو حاتم الرازی نے کہا: "منکر الحدیث." (الجرح والتعدیل ۹۲/۶)

اس موضوع روایت کی سند پر مزید بحث کے لئے السلسلۃ الضعیفۃ دیکھیں۔

تنبیہ (۳): اس قسم کی غیر مستند کتابیں جن میں موضوع و بے اصل روایات بغیر سندوں کے لکھی ہوتی ہیں ان سے عوام الناس کو بچنا چاہئے، ان کے مطالعے سے بغیر تحقیق کلی اجتناب کرنا چاہئے۔ وما علینا إلا البلاغ (۵/ اکتوبر ۲۰۰۵ء) [الحدیث: ۲۰]

سوال کچھ روایات لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ ان روایات کو الحدیث میں شائع کریں۔ اور مجھے بھی جوابی لفافے میں ارسال فرمائیں۔

روایت نمبر ۱: نبی ﷺ کو نماز میں بچھو ڈس گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر ملا اور ساتھ ساتھ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد ۱۱۱/۵، وقال الہیثمی: اسنادہ حسن)

روایت نمبر ۲: طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ کہ انہیں لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ سے قرآن نہ سننا، تو انہوں نے اپنے کانوں میں روئی دے لی۔ پھر آپ ﷺ کو کعبہ کے قریب قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ انہوں نے کانوں سے روئی نکالی اور قرآن سننا شروع کر دیا۔ خود شاعر بھی تھے تو کہنے لگے کہ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں چنانچہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اکثر اہلحدیث خطباء واعظین یہ واقعہ بیان کرتے ہیں، اس کی علمی میدان میں کیا حیثیت ہے وضاحت فرمائیں؟

روایت نمبر ۳: مروی ہے کہ نبی ﷺ پر ایک عورت کوڑا پھینکتی تھی۔ ایک دن اس نے کوڑا نہ پھینکا تو آپ ﷺ اس کے گھر چلے گئے اس کے گھر کو صاف کیا۔ پانی بھرا تو وہ عورت آپ کا اخلاق دیکھ کر مسلمان ہوگئی۔ (بحوالہ تعلیمی نصاب کی کتابیں)

اس واقعہ کی تحقیق مطلوب ہے کہ یہ واقعہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا صرف منہ کی بات ہے یا گورنمنٹ کا نصاب ہی اس کا حوالہ ہے، وضاحت فرمائیں۔

روایت نمبر ۴: مروی ہے کہ ایک عورت مکہ کے اندر خریداری کے لئے آئی تو اس عورت کو

کہا گیا کہ یہاں ایک شخص ہے اس کی بات نہ سننا وہ جادوگر ہے۔ شاعر ہے۔ اس عورت نے گٹھڑی اٹھائی مکہ سے باہر نکل کر بیٹھ گئی۔ چنانچہ نبی ﷺ کا گزر ادھر سے ہوا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ آپ کہاں جانا چاہتی ہیں تو اس نے بتایا فلاں جگہ پر آپ ﷺ نے اس کا سامان اٹھایا اور وہاں اس عورت کو پہنچا دیا تو وہ عورت کہنے لگی کہ تم اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔

تمہیں نصیحت ہے کہ یہاں ایک شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جادوگر ہے اس سے بچ کر رہنا۔ اس کی باتیں سن کر نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ تو عورت کہنے لگی آپ پھر غلط نہیں ہو سکتے چنانچہ اس عورت نے اسلام قبول کرلیا۔

محترم حافظ صاحب یہ چار روایتیں لکھی ہیں ان کی تحقیق مطلوب ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (خرم ارشاد محمدی، دولت نگر)

نماز میں بچھو کا ڈسنا

الجواب روایت نمبر ا: یہ روایت مجمع الزوائد میں بحوالہ ''الطبراني في الصغير'' مروی ہے۔ (۱۱۱/۵)

المعجم الصغیر للطبرانی میں اس کی سند درج ذیل ہے:

''**حدثنا محمد بن الحسين الأشناني الكوفي: حدثنا عباد بن يعقوب الأسدي: حدثنا محمد بن فضيل عن مطرف عن المنهال بن عمرو عن محمد بن الحنفية عن علي كرم الله وجهه في الجنة ......**'' (۲۳/۲ ح ۸۵۰)

اس سند کے راوی عباد بن یعقوب الرواجنی کا جامع تعارف درج ذیل ہے:

جرح

① حافظ ابن حبان نے کہا: ''**وكان رافضيًا داعية إلى الرفض ومع ذلك يروي المناكير عن أقوام مشاهير فاستحق الترك**'' وہ رافضی تھا، رافضیت کی طرف دعوت دیتا تھا اور اس کے ساتھ وہ مشہور لوگوں سے منکر روایات بیان کرتا تھا لہٰذا وہ متروک

قرار دیئے جانے کا مستحق ٹھہرا۔ (المجروحین ۱۷۲/۲)

④ ابوبکر ابن ابی شیبہ یا ہناد بن السری نے اس پر جرح کی۔

دیکھئے الکامل لابن عدی (۱۶۵۳/۴)

③ ابن عدی نے کہا: "وفيه غلو فيما فيه من التشيع وروى أحاديث أنكرت عليه في فضائل أهل البيت وفي مثالب غيرهم" (الکامل ۱۶۵۳/۴ دوسرا نسخہ ۵۵۹/۵)

④ ابن جوزی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا۔ (۷۷/۲ ت ۱۷۸۸)

⑤ ابوحاتم الرازی نے کہا: "كوفي شيخ" (الجرح والتعدیل ۸۸/۲)

نیز دیکھئے کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی (۵۶۶/۲)

تنبیہ: حافظ مزی وذہبی وغیرہما نے بغیر سند کے لکھا ہے کہ ابوحاتم نے کہا: "شيخ ثقة"

(تہذیب الکمال مطبوعہ مصغرۃ ۶۰/۴ وسیر اعلام النبلاء ۵۳۷/۱۱)

یہ قول باسند صحیح امام ابوحاتم رازی سے ثابت نہیں ہے۔

⑥ شیخ البانی رحمہ اللہ نے محمد بن طاہر سے نقل کیا کہ "من غلاة الروافض ، روى المناكير عن المشاهير" ([الضعیفۃ ۳۸۳/۳ ح ۱۲۳۷] نیز دیکھئے اقوال تعدیل نمبر: ۱۰)

⑦ بوصیری نے اس کی روایت کو ضعیف کہا ہے۔ دیکھئے یہی مضمون (تنبیہ: ۱)

تعدیل

ان اقوال کے مقابلے میں درج ذیل تعدیل ثابت ہے:

۱۔ امام دارقطنی نے فرمایا: "شيعي صدوق" (سوالات الحاکم: ۴۲۵)

۲۔ ابن خزیمہ نے کہا: "نا عباد بن يعقوب - المتهم في رأيه، الثقة في حديثه"

(صحیح ابن خزیمہ ۳۷۶/۲، ۳۷۷ ح ۱۴۹۷)

۳۔ حاکم نے ان کی حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۴۹۲/۲ ح ۳۸۲۰، ۱۵۴/۳ ح ۴۷۳۱)

۴۔ الضیاء المقدسی نے المختارۃ میں ان سے حدیث لی ہے۔ (المختارۃ ۱۸۳/۲ ح ۵۶۲)

۵۔ حافظ ذہبی نے کہا: "صدوق في الحديث ، رافضي جلد"

(ذکر اسماء من تکلم فیہ وھو موثق:١٠٦)

نیز دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۵۳۶/۱۱) ومیزان الاعتدال (۳۸۰،۳۷۹/۲)

٦۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں، متابعات میں عباد بن یعقوب سے روایت لی ہے۔

(صحیح البخاری:۷۵۳۴)

۷۔ حافظ ہیثمی نے اس کی بیان کردہ حدیث کو حسن کہا۔ (مجمع الزوائد ۱۱۱/۵)

۸۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''صدوق رافضي ، حديثه في البخاري مقرون ، بالغ ابن حبان فقال: يستحق الترك'' (تقریب التہذیب:۳۱۵۳)

نیز دیکھئے ہدی الساری (ص۴۱۲) وفتح الباری (۵۱۰/۱۳)

۹۔ ابن العماد نے کہا: ''الحافظ الحجة'' (شذرات الذہب ۱۲۱/۲ وفیات ۲۵۰ھ)

۱۰۔ محمد بن طاہر الفتنی نے کہا: ''رافضي داعية إلا أنه ثقة صدوق ......''

(تذکرۃ الموضوعات ص۲٦٦)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عباد بن یعقوب جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں، اور باقی سند حسن ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت حسن ہے۔

تنبیہ (۱): سنن ابن ماجہ میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إذا أنا مت فاغسلوني بسبع قرب من بئري بئر غرس'' جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے میرے کنویں بئر غرس کی سات مشکوں سے غسل دینا۔

(ح۱۴٦۸ و قال البوصيري : "هذا إسناد ضعيف، عباد بن يعقوب ......" إلخ)

راقم الحروف نے تسہیل الحاجہ میں اسے ''إسناده ضعيف'' لکھا ہے۔ (قلمی ص۱۰۰)

شیخ البانی (الضعیفۃ : ۱۲۳۷) اور بوصیری اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں جب کہ الضیاء المقدسی اسے المختارہ (۱۸۳/۲ ح۵۲٦) میں نقل کیا ہے اور انصاف یہی ہے کہ ابن ماجہ والی روایت بلحاظ سند حسن ہے۔

لہٰذا میں اپنی پہلی تحقیق سے رجوع کرتا ہوں۔ واللہ الموفق

تنبیہ (۲): بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عباد مذکور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا تھا مگر اس میں سے کچھ بھی باسند صحیح وحسن ثابت نہیں ہے۔ واللہ أعلم

طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کا قصہ

روایت نمبر:۲ سیدنا طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ قصہ "ابن إسحاق عن عثمان بن الحويرث عن صالح بن كيسان" کی سند سے درج ذیل کتابوں میں منقول ہے:

الاستیعاب لابن عبدالبر (۲/۲۳۲) سیر أعلام النبلاء للذہبی (۱/۳۴۵)

تنبیہ: یہ روایت اس سند کے ساتھ کتاب المغازی لابن اسحاق کے صرف ایک نسخہ میں ہے۔ دیکھئے الاصابۃ لابن حجر (۲/۲۲۵)

"السیرۃ النبویۃ" لابن اسحاق (مطبوع) میں مجھے یہ روایت نہیں ملی۔

یہ سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

① ابن اسحاق مدلس ہیں اور یہ سند معنعن (عن سے) ہے۔

② عثمان بن الحویرث کی توثیق نامعلوم ہے۔

③ صالح بن کیسان تابعی ہیں لہٰذا یہ سند مرسل ہے۔

سیرت ابن ہشام (عربی ۲/۲۲) دلائل النبوۃ للبیہقی (۵/۳۶۰۔۳۶۳) تاریخ دمشق لابن عساکر (۲۷/۹، ۱۰) البدایہ والنہایہ (۳/۹۶، ۹۷) اور السیرۃ النبویہ لابن کثیر (۲/۷۲۔۷۶) میں یہی روایت محمد بن اسحاق بن یسار سے مرسلاً منقطعاً، بغیر سند کے مروی ہے۔

اس روایت کی تائید میں بعض روایتیں مروی ہیں مثلاً دیکھئے طبقات ابن سعد (۴/۲۳۷۔۲۳۹) والاصابۃ (۲/۲۲۵) والنبلاء (۱/۳۴۴، ۳۴۵) ان روایتوں کی سندوں میں محمد بن عمر الواقدی اور الکلبی دونوں جھوٹے راوی ہیں۔

خلاصۃ التحقیق: یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔

کوڑا کرکٹ پھینکنے والی عورت کا قصہ

روایت نمبر۳: یہ بالکل بے اصل اور من گھڑت روایت ہے۔ ہمارے علم کے مطابق حدیث کی کسی کتاب میں بھی اس کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔

گٹھڑی والی عورت کا قصہ

روایت نمبر۴: یہ بھی بالکل بے اصل اور من گھڑت روایت ہے۔ اس قسم کی روایتیں واعظ نما قصہ گو حضرات نے گھڑی ہیں۔ واللہ أعلم (۳/ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ) [الحدیث:۲۲]

ایک مشہور مگر بے اصل روایت

سوال درج ذیل حدیث کی تحقیق درکار ہے۔

"ایک بدو (دیہاتی) رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں فرمایا: ہاں کہو، دربار میں اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے انہوں نے یہ حدیث مبارکہ تحریر کر کے اپنے پاس رکھ لی۔

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں امیر بننا چاہتا ہوں؟

فرمایا: قناعت اختیار کرو، امیر ہو جاؤ گے۔

عرض کیا: میں سب سے بڑا عالم بننا چاہتا ہوں؟

فرمایا: تقویٰ اختیار کرو، عالم بن جاؤ گے۔

عرض کیا: عزت والا بننا چاہتا ہوں؟

فرمایا: مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانا بند کردو، باعزت ہو جاؤ گے۔

عرض کیا: اچھا آدمی بننا چاہتا ہوں؟

فرمایا: لوگوں کو نفع پہنچاؤ۔

عرض کیا: عادل بننا چاہتا ہوں؟

فرمایا: جسے اپنے لئے اچھا سمجھو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو۔

عرض کیا: طاقتور بننا چاہتا ہوں؟

فرمایا: اللہ پر توکل کرو۔

عرض کیا: اللہ کے دربار میں خاص (خصوصیت کا) درجہ چاہتا ہوں؟

فرمایا: کثرت سے ذکر کرو۔

عرض کیا: رزق کی کشادگی چاہتا ہوں؟

فرمایا: ہمیشہ باوضو رہو۔

عرض کیا: دعا کی قبولیت چاہتا ہوں؟

فرمایا: حرام نہ کھاؤ۔

عرض کیا: ایمان کی تکمیل چاہتا ہوں؟

فرمایا: اخلاق اچھے کرلو۔

عرض کیا: قیامت کے روز اللہ سے گناہوں سے پاک ہوکر ملنا چاہتا ہوں؟

فرمایا: جنابت کے فوراً بعد غسل کیا کرو۔

عرض کیا: گناہوں میں کمی چاہتا ہوں؟

فرمایا: کثرت سے استغفار کیا کرو۔

عرض کیا: قیامت کے روز نور میں اٹھنا چاہتا ہوں؟

فرمایا: ظلم کرنا چھوڑ دو۔

عرض کیا: چاہتا ہوں اللہ مجھ پر رحم کرے؟

فرمایا: اللہ کے بندوں پر رحم کرو۔

عرض کیا: چاہتا ہوں اللہ میری پردہ پوشی کرے؟

فرمایا: لوگوں کی پردہ پوشی کرو۔

عرض کیا: رسوائی سے بچنا چاہتا ہوں؟

فرمایا: زنا سے بچو۔

عرض کیا: چاہتا ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب بن جاؤں؟

فرمایا: جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا محبوب ہو اسے اپنا محبوب بنالو۔

عرض کیا: اللہ کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں؟

فرمایا: فرائض کا اہتمام کرو۔

عرض کیا: احسان کرنے والا بننا چاہتا ہوں؟

فرمایا: اللہ کی یوں بندگی کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو یا جیسے وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا چیز دوزخ کی آگ کو ٹھنڈا کردے گی؟

فرمایا: دنیا کی مصیبتوں پر صبر۔

عرض کیا: اللہ کے غصے کو کیا چیز سرد کر دیتی ہے؟

فرمایا: چپکے چپکے صدقہ اور صلہ رحمی۔

عرض کیا: سب سے بڑی برائی کیا ہے؟

فرمایا: بداخلاقی اور بخل۔

عرض کیا: سب سے بڑی اچھائی کیا ہے؟

فرمایا: اچھے اخلاق، تواضع اور صبر۔

عرض کیا: اللہ کے غصہ سے بچنا چاہتا ہوں؟

فرمایا: لوگوں پر غصہ کرنا چھوڑ دو۔

[شائع کردہ: قاری میڈیکوز پاک گول بازار ، فیصل آباد] ''

(محمد عبدالصمد فاروق، لاہور)

الجواب یہ ساری روایت موضوع، من گھڑت اور بے اصل ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۳/ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ) [الحدیث:۲۲]

ہر صدی کے آخر میں مجدد کا وجود!

سوال حدیث (ہر صدی کے سرے میں مجدد آئیں گے) اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے متن اور رجال کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (آصف اقبال، راولپنڈی)

الجواب امام ابوداود رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حدثنا سليمان بن داود المهري : حدثنا ابن وهب :أخبرني سعيد بن أبي أيوب عن شراحيل بن يزيد المعافري عن أبي علقمة عن أبي هريرة - فيهما أعلم - عن رسول الله ﷺ قال: إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها ، قال أبو داود: رواه عبد الرحمن بن شريح الإسكندراني، لم يجزبه شراحيل" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر وہ انسان مبعوث فرمائے گا جو اس (اُمت) کے دین کی تجدید کرے گا، یا کریں گے۔ (سنن ابی داود کتاب الملاحم باب ا ح ۴۲۹۱)

اس روایت کی سند حسن ہے۔ اسے حاکم نے بھی عبداللہ بن وہب کی سند سے روایت کیا ہے۔ (المستدرک ۵۲۲/۴ ح ۸۵۹۲)

اب اس سند کے راویوں کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

① سلیمان بن داود المہری: ثقة (تقریب التہذیب: ۲۵۵۱)

② عبداللہ بن وہب: ثقة حافظ عابد (التقریب: ۳۶۹۴) وكان يدلس

③ سعید بن ابی ایوب: ثقة ثبت (التقریب: ۲۲۷۴)

④ شراحیل بن یزید: صدوق (التقریب: ۲۷۶۳) من رجال صحيح مسلم

⑤ ابوعلقمہ مولیٰ بنی ہاشم: ثقة (التقریب: ۸۲۶۲)

باقی سند بالکل صحیح ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

(دیکھئے الصحیحۃ: ۵۹۹)

اس روایت کے متن میں کئی چیزیں تحقیق طلب ہیں:

① ہر صدی کے سر (علی رأس کل مأة) سے کیا مراد ہے۔ صدی کے شروع والا حصہ یا صدی کے اختتام والا دور؟ راجح یہی ہے کہ صدی کے اختتام والا دور ہی مراد ہے۔
دیکھئے عون المعبود (۱۷۹/۴)

② صدی سے کیا مراد ہے؟ ہجرت والی صدی یا آپ کی وفات کے بعد والی صدی؟
مشہور یہی ہے کہ ہجرت والی صدی مراد ہے واللہ اعلم۔

③ تجدید کرنے والے سے کیا مراد ہے؟ مختلف فرقوں اور لوگوں نے اپنی اپنی پسندیدہ شخصیتوں کو تجدد کا تاج پہنا کر مجدد بنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ فلاں شخص ضرور بالضرور مجدد تھا یا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری کے مجدد (سیدنا) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور دوسری صدی کے امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ ہیں، لیکن یہ سب دعوے بلا دلیل ہیں لہٰذا اس مسئلے میں مکمل سکوت میں ہی بہتری ہے۔

تنبیہ: بہت سے اہل بدعت (جو اپنے آپ کو اہل سنت، اہل توحید اور علمائے حق وغیرہ سمجھتے ہیں) یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ فلاں شخص چودھویں صدی کا مجدد تھا اور فلاں شخص فلانی صدی کا مجدد تھا، یہ سب دعوے جھوٹے اور مردود ہیں۔ یاد رہے کہ تجدید کرنے والا شخص یا اشخاص کتاب و سنت و اجماع کے عالم و عامل اور سلف صالحین کے فہم کو مدنظر رکھنے والے ہی ہو سکتے ہیں۔

اللہ کے ہاں مجدد کون ہے؟ یہ کسی کو پتا نہیں لہٰذا خواہ مخواہ قیاس آرائیاں کر کے اپنی مرضی کی شخصیات کو مجددیت کا تاج پہنا دینا بے دلیل اور مردود ہے۔ ایک عام کلرک کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ فلاں ملک کا بادشاہ ہے، اس بے چارے کے ساتھ سراسر مذاق ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۳/محرم ۱۴۲۷ھ) [الحدیث:۲۳]

جریج راہب کا قصہ

سوال ① میں نے ایک قصہ اپنے شہر کی مسجد میں سنا تھا، عبداللہ بن مبارک اور عورت کا جو ہر بات کا جواب قرآنی آیت سے دیتی ہے اللہ کا شکر ہے آپ کی کتاب سے مجھے اس قصے کی حقیقت کا پتا چلا اب ایک بار پھر ایک قصہ سننے کو ملا میں نے کہا: چلو آپ سے معلوم کیا جائے اس بہانے آپ سے رابطہ شروع ہو جائے گا، قصہ یوں ہے کہ ایک شخص ''حضرت جریج'' نامی ایک بار نماز پڑھ رہا تھا، ماں نے اسے آواز دی لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا بار بار آواز دینے پر جواب نہ آیا تو ماں نے بددعا دی کہ تو بدنامی کا منہ دیکھے کچھ عرصے بعد ایک عورت نے الزام لگایا اس کا ایک بچہ ان سے ہے، آپ پریشان ہوئے اور اللہ سے توبہ کی اور بچے کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا تو کس کا بچہ ہے کچھ دنوں کے بچے نے ایک آدمی جو چرواہا تھا کی طرف اشارہ کیا یہ میرا باپ ہے۔ اب مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ قصہ سچا ہے یا جھوٹا اسلام کے بعد کا ہے یا قبل کا اور اس کے راویوں کا کیا معاملہ ہے؟

② اور ایک بات کہ میرے چچا کے بیٹے نے اپنی بیٹی کا نام ''مِشائم'' رکھا ہے وہ کہتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں ایک (کا) نام مِشائم اور ایک (کا نام) عمرائم تھا، آپ سے یہ پوچھنا ہے کیا واقعی اِن کی دو بیٹیاں تھیں اور کیا یہ نام عربی کے ہیں یا عبرانی کے کیونکہ مجھے کسی نے کہا ہے کہ ان کے دو بیٹے تھے۔'' (بلال نیازی، میانوالی)

الجواب

① بنی اسرائیل کے راہب جریج اور ان کی ماں والا قصہ صحیح سند سے ثابت ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جریج اپنی کوٹھڑی نما عبادت خانے میں عبادت کر رہے تھے کہ اُن کی والدہ تشریف لائیں ۔حمید (بن ہلال، راویٔ حدیث) نے کہا کہ ابو رافع (راویٔ حدیث) نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جریج کی والدہ کی حالت بیان کی کہ کس طرح اُس نے اپنی پلکوں پر ہتھیلی رکھ کر، پھر سر اُٹھا کر اَپنے

بچے کو آواز دی تھی۔ اس نے کہا: اے جریج! میں تیری ماں ہوں، مجھ سے بات کر۔ جریج نماز پڑھ رہے تھے۔ جریج نے (اپنے دل میں) کہا: اے میرے اللہ! ایک طرف میری ماں ہے اور دوسری طرف میری نماز ہے؟!

پس جریج نے نماز پڑھنی جاری رکھی تو ان کی والدہ واپس لوٹ گئیں۔ پھر وہ دوسری دفعہ آئیں اور کہا: اے جریج! میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر۔ جریج نے کہا: اے میرے اللہ! ایک طرف میری ماں ہے اور دوسری طرف میری نماز ہے؟! پھر وہ نماز پڑھتے رہے تو ان کی ماں نے کہا: اے میرے اللہ! یہ جریج میرا بیٹا ہے، میں اس سے بات کرتی ہوں مگر یہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ اے اللہ! اس کو اس کے مرنے سے پہلے بدکار عورتوں کا چہرہ دکھا دے۔ (راوی نے) کہا: اگر وہ جریج کے فتنے میں مبتلا ہونے کی دعا کرتیں تو وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔ فرمایا کہ: بھیڑوں کا ایک چرواہا، جریج کے عبادت خانے کے قریب رہتا تھا، اُس نے (ایک دن) اس گاؤں کی ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا جس سے اسے حمل ہو گیا۔ پھر جب اس کا بچہ پیدا ہوا تو لوگوں نے پوچھا: یہ کس کا بچہ ہے؟ اُس عورت نے کہا: اس عبادت خانے والے (جریج) کا بچہ ہے۔

لوگ کدالیں اور پھاوڑے لے آئے اور جریج کو آواز دی۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جریج نے لوگوں سے کوئی بات نہیں کی تو لوگ اس کے عبادت خانے کو گرانے لگے۔ جب جریج نے یہ معاملہ دیکھا تو اُتر کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اس عورت سے پوچھو۔

جریج مسکرائے پھر اس عورت کے (دو تین دن کے) چھوٹے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا: تیرا باپ کون ہے؟ اس نے جواب دیا: بھیڑوں کا چرواہا ہے۔ جب لوگوں نے (باتیں نہ کر سکنے والے بچے سے) یہ سُن لیا تو (جریج سے) کہا: ہم آپ کے لئے سونے چاندی کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا: نہیں، جس طرح پہلے یہ مٹی کا تھا اسی طرح بنا دو۔ پھر وہ اپنے عبادت خانے پر چڑھ گئے۔

(صحیح بخاری: ۳۴۳۶ وصحیح مسلم: ۲۵۵۰ وترقیم دارالسلام: ۶۵۰۸ واللفظ لہ)

یہ قصہ بالکل سچا ہے اور زمانۂ اسلام سے پہلے، بنی اسرائیل کے دور کا ہے، اس کے سارے راوی اعلیٰ درجے کے ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں۔

② سیدنا یوسف علیہ السلام کے دو بیٹوں (۱) افرائیم اور (۲) فشا کا ذکر بغیر کسی سند کے تاریخ ابن جریر الطبری (ج ۱ ص ۳۶۴) میں موجود ہے۔

عمرائیم اور مشائم (بیٹیوں) کے نام مجھے کہیں نہیں ملے اور نہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی دو بیٹیوں کا کہیں ثبوت ملا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں دلیل نہ ہونے کی وجہ سے مکمل سکوت میں ہی فائدہ ہے۔ (۱۹/ صفر ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۴]

کلمہ طیبہ پڑھنے والی ایک ہرنی کا قصہ

سوال ''مارچ ۲۰۰۶ء کے ماہنامہ ''محدث'' میں امام حرم الشیخ راشد الخالد کا صحن کعبہ میں پیش کردہ وہ خطبۂ جمعہ جس سے تحریک ناموس رسالت نے جنم لیا، کا ترجمہ کیا ہے۔ اس میں امام موصوف کے بیان کردہ اس واقعے کی تحقیق طلب ہے۔ ''زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینے کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ کسی دیہاتی نے ایک ہرنی کو جنگل سے پکڑ کر باندھ رکھا تھا۔ جب ہم وہاں سے گزرے تو دیکھا کہ ایک ہرنی وہاں بندھی ہوئی ہے۔ ہرنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شکوہ کناں ہوئی۔ کہ یہ دیہاتی مجھے جنگل سے شکار کر کے لے آیا ہے۔ میرے تھنوں کا دودھ مجھ پر گراں ہو گیا ہے۔ مجھے آزاد کر دیں کہ میں اپنے بچوں کے پاس چلی جاؤں اور میرے دودھ سے مجھے آرام مل جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو کیا تو اکیلی چلی جائے گی؟ اس نے کہا: ہاں چلی جاؤں گی۔ اسی دوران (میں) وہ دیہاتی بھی آ گیا، جس نے اسے باندھ رکھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: کیا اس ہرنی کو بیچو گے؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ کی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہرنی کو آزاد کر دیا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! میں نے صحرا میں اس کو آواز لگاتے ہوئے سنا۔ وہ کہہ رہی تھی:
لاإله إلا الله محمد رسول الله. حضرت ام سلمہؓ اور دیگر صحابہؓ سے اس کے اور طرق بھی ہیں۔ (ماہنامہ محدث اپریل ۲۰۰۶ص ۲۸، ۲۹) ''(حکیم ابو عامر ایم۔ اے لاہور)

الجواب سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت دلائل النبوۃ للبیہقی (۳۵/۶) دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی (ص ۳۳۲ ح ۲۷۳) تلخیص المتشابہ فی الرسم للخطیب (۷۳۰/۲) میں ''يعلى بن إبراهيم الغزال :ثنا الهيثم بن حماد عن أبي كثير عن زيد بن أرقم رضي الله عنه'' کی سند سے مروی ہے۔ اسے سیوطی نے الخصائص الکبریٰ (۶۱/۲) میں بیہقی اور ابونعیم سے نقل کیا ہے۔ اس قصے کے راوی یعلی بن ابراہیم کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: '' لا أعرفه، له خبر باطل عن شيخ واهٍ '' میں اسے نہیں جانتا، اور اس کی (بیان کردہ) خبر باطل ہے جو اس نے ایک کمزور استاد سے بیان کی ہے۔ (میزان الاعتدال ۴۵۶/۴)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: '' هذا موضوع '' یہ (روایت) موضوع (من گھڑت) ہے۔ (لسان المیزان ۳۱۲/۶ وجدید ۵۱۲/۷)

ہیثم بن حماد اور ابوکثیر کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا کہ یہ دونوں معروف نہیں ہیں۔
(دیکھئے میزان الاعتدال ۳۲۱/۴)

خطیب نے کہا: '' الهيثم بن حماد في عداد المجهولين، يروي عن أبي كثير شيخ غير مسمى '' ہیثم بن حماد مجہولوں میں سے ہے، وہ ابوکثیر سے روایت بیان کرتا ہے جس کا نام معلوم نہیں۔ (تلخیص المتشابہ ۷۳۰/۲)

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ ہیثم بن حماد سے مراد ہیثم بن جماز ہے۔ (لسان المیزان ۲۰۴/۶)

ہیثم بن جماز سخت ضعیف اور مجروح ہے۔ اس کے بارے میں ابوحاتم الرازی نے کہا:
'' ضعيف الحديث ، منكر الحديث '' (الجرح والتعدیل ۸۱/۹)

معلوم ہوا کہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں موضوع روایتیں بغیر کسی جرح وتنقید کے نقل کر

رکھی ہیں لہٰذا اس کتاب کی روایتوں پر بغیر تحقیق کے اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔

دوسری روایت: سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت دلائل النبوۃ للبیہقی (۶/۳۴) میں "**علي بن قادم: حدثنا أبو العلاء خالد بن طهمان عن عطية عن أبي سعيد**" کی سند سے مروی ہے۔ اس کا بنیادی راوی عطیہ بن سعد العوفی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (دیکھئے الحدیث: ۲۴ ص ۴۰)

عطیۃ العوفی مدلس تھا۔ (طبقات المدلسین: ۴/۱۲۲)

یہ محمد بن السائب الکلبی کو ابوسعید کہہ کر اس سے تدلیس کرتا تھا۔

(کتاب المجروحین لابن حبان ۲/۱۷۶)

محمد بن السائب الکلبی کذاب تھا، دیکھئے "الحدیث" (۲۴ ص ۵۲ تا ۵۴)

لہٰذا یہ سند موضوع ہے۔

تیسری روایت: اسے طبرانی (الاوسط: ۵۵۴۳) اور ابونعیم الاصبہانی (دلائل النبوۃ ص ۳۳۱ ح ۲۷۴) نے "**محمد ابن عثمان بن أبي شيبة: حدثنا إبراهيم بن محمد بن ميمون: حدثنا عبدالكريم بن هلال الجعفي عن صالح المري عن ثابت البناني عن أنس بن مالك رضي الله عنه**" کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں ابراہیم بن محمد بن میمون کٹر شیعہ اور جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۱/۱۰۷)

عبدالکریم بن ہلال غیر معروف (مجہول) ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۲/۶۴۷)

ولسان المیزان (۴/۵۲) ودیوان الضعفاء للذہبی (۲۵۹۷) اور المغنی فی الضعفاء (۳۷۸۶)

صالح المری ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب: ۲۸۴۵) ومجمع الزوائد (۸/۲۹۵)

لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف، مردود اور باطل ہے۔

چوتھی روایت: اسے طبرانی (المعجم الکبیر ۲۳/۳۳۱، ۳۳۲ ح ۷۶۳) اور ابونعیم الاصبہانی (البدایہ والنہایہ ۶/۱۵۵) نے "**حبان بن أغلب بن تميم المسعودي عن أبيه عن**

هشام بن حسان عن الحسن عن ضبة بن محصن عن أم سلمة رضي الله عنها" کی سند سے بیان کیا ہے۔

اس سند میں حبان بن اغلب: ضعیف الحدیث ہے۔ (الجرح والتعدیل ۳/۲۷۱، لسان المیزان ۲/۱۶۵)

أغلب بن تمیم کے بارے میں امام بخاری نے کہا: "منكر الحديث" وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (التاریخ الکبیر ۲/۷۰)

ہیثمی نے کہا: "وفيه أغلب بن تميم وهو ضعيف" اور اس میں اغلب بن تمیم ہے وہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ۸/۲۹۵)

لہٰذا یہ روایت بھی سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

پانچویں روایت: ابن ابی خیثمہ نے التاریخ الکبیر میں "شريك عن عمر بن عبدالله عن يعلى بن مرة عن أبيه عن جده" کی سند سے بیان کی۔

(المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر للزرکشی ص ۱۱۹، ۱۲۰)

اس میں قاضی شریک مدلس ہیں۔ (طبقات المدلسین ۲/۵۶)

عمر بن عبداللہ بن یعلی ضعیف ہے۔

(تقریب التہذیب: ۴۹۳۳ وتحفۃ الاقویاء فی تحقیق کتاب الضعفاء ص ۷۷)

اس کا باپ عبداللہ بن یعلی بن مرہ ضعیف ہے۔

(دیوان الضعفاء للذہبی: ۲۳۵۳، نیز دیکھئے لسان المیزان ۳/۳۷۹)

لہٰذا یہ روایت بھی مردود ہے۔

تنبیہ: یہ روایت مجھے ابن ابی خیثمہ کی کتاب "التاریخ الکبیر" میں نہیں ملی اور نہ حافظ ابن حجر کو یہ روایت کتابِ مذکور میں ملی ہے۔

دیکھئے حاشیہ المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر (ص ۱۲۰)

خلاصۃ التحقیق: ہرنی والا یہ قصہ ثابت نہیں ہے لہٰذا اسے بغیر جرح کے بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۷]

عرفات میں خضر علیہ السلام کا تشریف لانا؟

سوال شیخ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر سال خشکی اور تری والے (اشخاص) مکہ میں آ کر جمع ہوتے ہیں۔ تری اور خشکی والوں سے مراد الیاس علیہ السلام اور خضر علیہ السلام ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں۔'' (غنیۃ الطالبین ص ۴۰۶)

کیا یہ روایت صحیح ہے؟ (محمد آصف پٹیالوی، پٹیالہ ڈاکخانہ بولار، ضلع نارووال)

الجواب اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''أخبر نا هبة الله ابن المبارك ، قال :انبأنا الحسن بن أحمد بن عبدالله المقرئ، قال:أخبرنا الحسين بن عمران المؤذن، قال:حدثنا أبو القاسم الفامي، قال:حدثنا أبو علي الحسن بن علي، قال:حدثنا أحمد بن عمار: أنبأنا محمد بن مهدي، قال:حدثني ابن جريج عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما '' إلخ

(الغنیۃ لطالبی طریق الحق، عربی ج ۲ ص ۳۹، غنیۃ الطالبین عربی اردو ج ۲ ص ۴۴۶، ۴۴۷)

یہ روایت موضوع ہے۔ اس کا پہلا راوی ھبۃ اللہ بن المبارک السقطی ہے، اس کے بارے میں محدث محمد بن ناصر رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ ثقہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا:

''لا والله، حدّث بواسط عن شيوخ لم يرهم فظهر كذبه عندهم''

نہیں! اللہ کی قسم (وہ ثقہ نہیں) اُس نے واسط میں ایسے شیوخ سے حدیثیں بیان کیں جنھیں اس نے نہیں دیکھا تھا تو اس کا جھوٹ وہاں کے لوگوں پر ظاہر ہو گیا۔ (المنتظم لابن الجوزی ۱۴۴/۱۷) اس کے بارے میں محدث السمعانی نے فرمایا: '' ولم يكن موثوقًا به فيما ينقله '' اور وہ اپنی (بیان کردہ) نقل میں ثقہ نہیں تھا۔ (الانساب ج ۳ ص ۲۶۴)

اسے شجاع الذہلی نے سخت ضعیف اور ابن النجار نے اسے ''متهافت... ضعيف''

یعنی ٹوٹا گرا ہوا...(اور) ضعیف قرار دیا۔ (المستفاد من ذیل تاریخ بغداد ۱۹/ ۲۵۰)

محمد بن ناصر اسے اس کے نسب ''سقطی'' کی طرح ساقط سمجھتے تھے اور فرماتے:

''السقطي لا شئ، هو مثل نسبه من سقط المتاع'' سقطی کچھ چیز نہیں ہے۔ وہ اپنے نسب کی طرح گمشدہ سامان ہے۔ (المستفاد ص ۲۵۰)

السقطی کے استاد الحسن بن احمد بن عبداللہ المقری، ابو القاسم الفامی، ابو علی الحسن بن علی اور احمد بن عمار (یأتی بعدہ) کا تعین مطلوب ہے۔ حسین بن عمران المؤذن اور محمد بن مہدی کے حالات نہیں ملے لہٰذا یہ سند مجہول راویوں کا مجموعہ ہے۔

حافظ ابن حجر کے خیال میں اس روایت کی سند میں محمد بن مہدی اور ابن جریج کے درمیان مہدی بن ہلال کا واسطہ ہے۔ (دیکھئے الاصابہ ۱/ ۴۳۸ ترجمۃ الخضر، اللآلی المصنوعہ ۱/ ۱۶۷)

مہدی بن ہلال کے بارے میں یحییٰ بن سعید القطان نے کہا: ''یکذب فی الحدیث'' وہ حدیث میں جھوٹ بولتا تھا۔ (الجرح والتعدیل ۸/ ۳۳۶ وسندہ صحیح)

یحییٰ بن معین نے کہا: ''مهدي بن هلال كذاب'' مہدی بن ہلال کذاب (جھوٹا) ہے۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۴۹۱)

اس روایت کے ایک راوی احمد بن عمار کے بارے میں ابن حجر نے کہا:

''قال ابن الجوزي: أحمد بن عمار متروك عندالدارقطني'' احمد بن عمار، دارقطنی کے نزدیک متروک ہے۔ (الاصابہ ۱/ ۴۳۸)

خلاصہ یہ کہ یہ سند موضوع ہے۔ اس کی دوسری موضوع و منکر سند کے لئے دیکھئے کتاب الموضوعات لابن الجوزی (۱/ ۱۹۵، ۱۹۶) والکامل لابن عدی (۲/ ۴۰۷ دوسرا نسخہ ۳/ ۱۷۵) واللآلی المصنوعہ (۱/ ۱۶۷) [الحدیث: ۲۷]

سوال عبدالقادر جیلانی صاحب اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عرفہ (عرفات) کے دن جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور خضر (علیہم السلام) عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۴۰۶)

کیا یہ روایت صحیح ہے؟ (محمد آصف پٹیالوی)

الجواب اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

"وأخبر نا هبة الله بن المبارك قال: أنبانا الحسن بن أحمد الأزهري قال: أنبأنا أبو طالب ابن حمدان البكري قال: أنبأنا إسماعيل قال: حدثنا عباس الدوري قال: أنبأنا عبيد الله بن إسحاق العطار قال: أنبأنا محمد بن المبشر القيسي عن عبدالله بن الحسن عن أبيه عن جده عن علي رضي الله عنه قال: يجتمع..." (غنیۃ الطالبین عربی ۲/۳۰ و مترجم ص ۴۴۷)

اس سند کے پہلے راوی ھبۃ اللہ بن المبارک کا ساقط و کذاب ہونا سابقہ سوال کے جواب میں ثابت کر دیا گیا ہے۔ الحسن بن احمد الازہری، اسماعیل اور ابو طالب بن حمدان البکری کا تعین مطلوب ہے۔ عبید (صح) بن اسحاق العطار جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

امام بخاری نے فرمایا: "عنده مناكير" اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔

(کتاب الضعفاء بتحقیقی: ۲۲۳)

نیز فرمایا: "منكر الحديث" وہ منکر حدیثیں بیان کرتا تھا۔ (التاریخ الصغیر ۲/۳۰۵)

نسائی نے کہا: "متروك الحديث" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۴۰۲)

حافظ ابن حجر نے یہ روایت ذکر کر کے کہا: "وعبيد بن إسحاق متروك الحديث"

اور عبید بن اسحاق متروک الحدیث ہے۔ (الاصابہ ۱/۴۳۹)

نیز دیکھئے اللآلی المصنوعہ (۱/۱۶۸)

محمد بن المبشر یا محمد بن میسر کا تعین مطلوب ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سند سخت مظلم (اندھیرے میں) اور موضوع ہے۔

تنبیہ: خضر علیہ السلام کا ابھی تک زندہ رہنا کسی حدیث یا اثرِ صحابی سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ بلکہ راجح اور حق یہی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ وما علينا إلا البلاغ

(۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۷]

((مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ إِلَيْهِ)) کی تحقیق

سوال نبی ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ إِلَيْهِ))

(مسند احمد ۳۱۰/۴ مستدرک حاکم ۲۱۵/۴)

اس حدیث کی تحقیق مطلوب ہے۔ (عبداللہ طاہر۔ اسلام آباد)

الجواب اس روایت: ((مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِّلَ إِلَيْهِ)) [جس نے کوئی چیز لٹکائی (مثلاً منکا) تو وہ اسی کے سپرد کیا جاتا ہے] کو حاکم (۲۱۶/۴ ح ۷۵۰۳) ابن ابی شیبہ (۳۷۱/۷ ح ۲۳۴۴۷) اور بیہقی (۳۵۱/۹) وغیرہم نے ''محمد بن عبدالرحمٰن ابن أبي ليلى عن أخيه عيسى بن عبدالرحمٰن بن أبي ليلى عن عبدالله بن عكيم'' کی سند سے بیان کیا ہے۔

محمد بن ابی لیلیٰ جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔ بوصیری نے کہا:

''ضعفه الجمهور'' اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔

(مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجۃ: ۸۵۴)

طبرانی نے ''(محمد) ابن أبي ليلى عن عيسى عن أبي معبد الجهني'' کی سند سے یہی روایت بیان کی۔ (المعجم الکبیر ۳۸۵/۲۲ ح ۹۶۰)

ابومعبد الجہنی عبداللہ بن عکیم ہیں اور محمد بن ابی لیلیٰ ضعیف ہے۔

اس کی تائیدی روایات (شواہد) درج ذیل ہیں:

① ''عباد بن ميسرة المنقري عن الحسن عن أبي هريرة رضي الله عنه''

(السنن المجتبیٰ للنسائی ۱۱۲/۷ ح ۴۰۸۴، والسنن الکبریٰ للنسائی: ۳۵۴۲، الکامل لابن عدی ۱۶۴۸/۴)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: حسن بصری نے اس روایت میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح نہیں کی۔ حسن بصری تدلیس کرتے تھے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۱۲۲۷) وطبقات المدلسین (۲/۴۰)

دوم: عباد بن میسرہ: لین الحدیث (ضعیف) عابد ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۳۱۴۹)

④ ''مبارك بن فضالة عن الحسن عن عمران بن حصين رضي الله عنه'' إلخ (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۰۵۳ دوسرا نسخہ: ۶۰۸۵)

حسن بصری کی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح موجود نہیں ہے۔ ایک روایت میں تصریح آئی ہے۔ (مسند احمد ۴/۴۴۵)

لیکن اس سند میں مبارک بن فضالہ مدلس ہے اور اس کے سماع کی تصریح نہیں ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

⑤ ''مشرح بن هاعان عن عقبة بن عامر رضي الله عنه عن رسول الله ﷺ قال: ((مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَّعَ اللّٰهُ لَـــهُ)) ''جو شخص کوئی تمیمہ (منکا) لٹکائے تو اللہ اسے اُس کے لیے پورا نہ کرے اور جو ودعہ (سفید دھاگا) لٹکائے تو اللہ اسے سکون میں نہ رکھے۔ (مسند احمد ۴/۱۵۴ ح ۱۷۴۰۴ وسندہ حسن، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۶۰۵۴ دوسرا نسخہ: ۶۰۸۶، المستدرک ۴/۲۱۶ وصححہ ووافقہ الذہبی)

اس روایت کی سند حسن ہے۔ خالد بن عبید کو ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح الحدیث قرار دیا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیثِ مسئول بلحاظِ سند صحیح نہیں ہے۔

ابومجلز لاحق بن حمید (تابعی) نے فرمایا: ''مَنْ تَعَلَّقَ عَلَاقَةً وُكِّلَ إِلَيْهَا'' جو آدمی کوئی چیز لٹکائے گا وہ اسی کے سپرد کیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۷/۳۷۴ ح ۲۳۴۵۶ وسندہ صحیح)

[الحدیث: ۲۷]

((إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِي وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ)) کی تحقیق

سوال ایک دفعہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عبداللہ بن اُبی سے تنگ آ کر ایک دوسرے کو یہ کہا کہ آؤ اللہ کے رسول ﷺ سے فریاد رسی کریں۔ آپ ﷺ نے

صحابہ کی یہ بات سُن کر فرمایا:((إِنَّهٗ لَا يُسْتَغَاثُ بِيْ وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ))

(طبرانی ومسند احمد)

اس حدیث کی بھی تحقیق مطلوب ہے۔ (عبداللہ طاہر، اسلام آباد)

الجواب یہ روایت((إِنَّهٗ لَا يُسْتَغَاثُ بِيْ وَإِنَّمَا يُسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ))[بے شک مجھ سے مدد نہیں مانگی جاتی بلکہ مدد تو صرف اللہ سے مانگی جاتی ہے] طبرانی نے درج ذیل سند ومتن سے بیان کی ہے:''حدثنا أحمد بن حماد بن زغبة المصري: حدثنا سعيد بن عفير: حدثنا ابن لهيعة عن الحارث ابن يزيد عن علي بن رباح عن عبادة قال قال أبوبكر: قوموا نستغيث برسول الله ﷺ من هذا المنافق فقال رسول الله ﷺ: ((أنا لايستغاث بي، إنما يستغاث بالله عزوجل))''

عبادہ (بن الصامت رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) نے کہا: اُٹھو اس منافق کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ سے مدد مانگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے مدد نہیں مانگی جاتی، مدد صرف اللہ تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے۔

(جامع المسانید والسنن لابن کثیر ۷/۱۴۰ ح ۴۹۰۴)

اس روایت کے بارے میں حافظ ہیثمی لکھتے ہیں:''رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح غير ابن لهيعة وهو حسن الحديث'' اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے ابن لہیعہ کے اور حسن الحدیث ہیں۔

(مجمع الزوائد ۱۰/۱۵۹)

میری تحقیق میں یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: ابن لہیعہ مدلس ہیں۔ (دیکھئے طبقات المدلسین ۵/۱۴۰، الفتح المبین ص ۷۷)

اور یہ روایت عن سے ہے۔ یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

دوم: ابن لہیعہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ وہ صرف اس وقت حسن الحدیث

ہیں جب سماع کی تصریح کریں اور ان کی بیان کردہ روایت اُن کے اختلاط سے پہلے کی ہو۔
درج ذیل راویوں نے ان کے اختلاط سے پہلے سُنا تھا: (۱) عبداللہ بن المبارک
(۲) عبداللہ بن وہب (۳) عبداللہ بن یزید المقری [تہذیب التہذیب ۵/۳۳۰]
(۴) عبداللہ بن مسلمہ القعنبی [میزان الاعتدال ۲/۴۸۲] (۵) یحییٰ بن اسحاق السیلحینی
[تہذیب التہذیب ۲/۴۲۰] (۶) ولید بن مَزْیَدْ [المعجم الصغیر للطبرانی ۱/۲۳۱] (۷)
عبدالرحمٰن بن مہدی [لسان المیزان ۱/۱۰، ۱۱] (۸) اسحاق بن عیسیٰ [میزان الاعتدال
۲/۴۷۷] (۹) سفیان ثوری (۱۰) شعبہ (۱۱) اوزاعی (۱۲) عمرو بن الحارث المصری [ذیل
الکواکب النیرات ص ۴۸۳] (۱۳) لیث بن سعد [فتح الباری ۴/۳۴۵ تحت ح ۲۱۲۷]
(۱۴) بشر بن بکر [الضعفاء للعقیلی ۲/۲۹۴]

ہمارے علم کے مطابق ان چودہ راویوں کے علاوہ کسی اور راوی کا ابن لہیعہ سے قبل از اختلاط سماع ثابت نہیں ہے جن میں سعید بن کثیر بن عفیر بھی ہیں لہٰذا یہ روایت ابن لہیعہ کے اختلاط کی وجہ سے بھی ضعیف ہے۔

سوم: علی بن رَباح اور سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس حدیث میں ایک راوی ''رجل'' [مرد] ہے۔ دیکھئے مسند الامام احمد (۵/۳۱۷ ح ۲۲۷۰۶) طبقات ابن سعد (۱/۳۸۷) اور جامع المسانید لابن کثیر (۷/۱۴۰)

یہ ''رجل'' مجہول ہے۔

نیز دیکھئے مجمع الزوائد (۸/۴۰ قال: رواہ احمد وفیہ راولم یسم وابن لہیعۃ)

خلاصۃ التحقیق: یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اللہ ہی سے مدد مانگنی چاہئے جیسا کہ قرآن مجید (الانفال: ۹، ۱۰) سے ثابت ہے لیکن ((إِنَّهُ لَا يُسْتَغَاثُ بِي)) إلخ والی روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ تیسیر العزیز الحمید کی تخریج ''النہج السدید'' میں جاسم الدوسری نے بھی اس روایت کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے (ص ۸۸ ح ۱۶۱) وما علینا إلا البلاغ

(۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۷]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دریائے نیل

سوال کیا یہ واقعہ صحیح ہے کہ دریائے نیل نے جب بہنا بند کر دیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف خط لکھا تھا۔ جب دریائے نیل میں آپ کا خط ڈالا گیا تو دریا کا پانی دوبارہ جاری ہو گیا۔ (ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی، کراچی)

الجواب یہ واقعہ ''ابن لهيعة عن قيس بن حجاج عمن حدثه'' کی سند کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں مذکور ہے: فتوح مصر لابن عبدالحکم (ص ۱۵۰، ۱۵۱) کتاب العظمۃ لأبي الشيخ (۱۴۲۴/۴، ۱۴۲۵ ح ۹۳۷) شرح اعتقاد اهل السنة والجماعة لللالكائی (۱۰۴/۲ ح ۲۷ کرامات) وکرامات أولياء الله (۶۶) [وتفسیر ابن کثیر (۴۶۴/۳، السجدة: ۲۷) ومسند الفاروق (۲۲۳/۱، ۲۲۴) البدایہ والنہایہ (۲۳/۱)]

اس سند میں عبداللہ بن لہیعہ مدلس راوی ہے۔ (طبقات المدلسین ۵/۱۴۰)

اور روایت معنعن ہے۔ قیس بن الحجاج تبع تابعی ہے۔ اس کے استاد کا نام معلوم نہیں ہے لہٰذا یہ سند ظلمات (میں سے) ہے۔

خلاصۃ القصہ: اس قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو لوگوں نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ ہمارا (دریائے) نیل اس سال صرف اسی وقت پانی سے چلے گا جب اس مہینے کی گیارہویں رات کو ایک لڑکی اس میں پھینکی جائے گی۔ تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو امیر المومنین نے جواب میں ایک رقعہ بھیجا جس پر لکھا ہوا تھا: ''اللہ کے بندے عمر کی طرف سے دریائے نیل کی طرف! اگر تو خود بخود بہتا تھا تو نہ بہہ اور اگر تجھے بہانے والا اللہ ہے تو میں اللہ واحد قہار سے دعا کرتا ہوں کہ تجھے چلا دے۔'' جب رقعہ دریا میں ڈالا گیا تو وہ دس ہاتھ بلند ہو کر بہنے لگا۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت ضعیف و مردود ہے لہٰذا یہ سارا قصہ بے بنیاد و باطل ہے۔

(۱۸/ رجب ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۸]

جناتی بندر اور زنا

سوال محمد رفیع مفتی ''ریسرچ فیلو ادارہ اشراق لاہور'' فرماتے ہیں کہ

''بخاری میں بھی غلط احادیث موجود ہیں مثلاً بخاری کی یہ حدیث کہ عمرو بن میمون کہتے ہیں: ''میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک بندریا کو دیکھا، اس نے زنا کیا تھا اور اس کے پاس بہت سے بندر جمع تھے (میرے سامنے) ان بندروں نے اسے سنگسار کیا (یہ دیکھ کر) میں نے بھی ان کے ساتھ اسے سنگسار کیا'' [بخاری، رقم: ۳۸۴۹] اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور جانور دونوں ہی یکساں طور پر انسانی شریعت کے مکلّف ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے۔'' (ماہنامہ سوئے حرم لاہور۔ جولائی ۲۰۰۷ء)

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ محمد رفیع صاحب کی اس بات میں کتنی حقیقت ہے؟

(عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑا)

الجواب محمد رفیع صاحب کی اس بات میں ذرا برابر حقیقت نہیں ہے کیونکہ روایتِ مذکورہ بلحاظ سند حسن لذاتہ و بلحاظِ متن بالکل صحیح ہے۔

اس کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۴ ص ۲۰

روایتِ مذکورہ نہ حدیثِ رسول ہے اور نہ اثرِ صحابی بلکہ ایک تابعی کا قول ہے اور اس میں بندروں سے مراد جن ہیں۔

دیکھئے فتح الباری (ج ۷ ص ۱۶۰) اور الحدیث حضرو: ۲۴ ص ۲۰

یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ جن مُکلّف مخلوق ہے اور جنوں کا مختلف اَشکال اختیار کرنا بھی ثابت ہے لہٰذا تابعی کے اس قول پر اعتراض عجیب و غریب ہے۔!

[الحدیث: ۴۲]

”كلامي لا ينسخ كلام الله“ والی روایت موضوع ہے

سوال ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”كلامي لا ينسخ كلامَ الله، و كلامُ الله ينسخ كلامي، و كلامُ الله ينسخ بعضه بعضًا“ ”میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا، اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور اللہ کے کلام کا بعض اپنے بعض کو منسوخ کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۵)

کیا یہ روایت صحیح ہے؟ تحقیق کر کے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ایک سائل)

الجواب مشکوٰۃ میں یہ روایت بحوالہ سنن دارقطنی (۴/ ۱۴۵ ح ۴۲۳۳) مذکور ہے۔ اسے دارقطنی، ابن عدی (الکامل ۲/ ۶۰۲ دوسرا نسخہ ۲/ ۴۴۳) اور ابن الجوزی (العلل المتناہیہ ۱/ ۱۲۵ ح ۱۹۰) نے ”جبرون بن واقد: حدثنا سفيان بن عيينة عن أبي الزبير عن جابر“ کی سند سے روایت کیا ہے۔ ابن عدی نے کہا: ”منكر“ یہ حدیث منکر ہے۔ (نیز دیکھئے ذخیرۃ الحفاظ: ۴۴۰۶)

حافظ ذہبی نے اس حدیث کے بارے میں کہا: ”موضوع“ (میزان الاعتدال ۱/ ۳۸۸)

حافظ ابن حجر نے اس فیصلے کو لسان المیزان میں برقرار رکھا ہے۔ (دیکھئے اللسان ۲/ ۹۴)

جبرون بن واقد کے بارے میں ذہبی نے کہا: ”ليس بثقة“ وہ ثقہ نہیں ہے۔

(دیوان الضعفاء والمتروکین: ۷۲۲، المغنی فی الضعفاء: ۱۰۸۹)

اور کہا: ”متهم فإنه روى بقلة حياء....“ یہ (وضعِ حدیث کے ساتھ) متہم ہے کیونکہ اس نے (یہ روایت) بے حیائی سے بیان کی.... (میزان الاعتدال ۱/ ۳۸۷، ۳۸۸)

مُتہم سے مراد ”متهم بالوضع“ ہے۔ (الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث ص ۱۲۲)

کسی ایک محدث نے بھی اس راوی کی توثیق نہیں کی ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت جبرون بن واقد کی وجہ سے موضوع ہے۔

(۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۶]

امام معمر اور ان کے بھتیجے کا قصہ

سوال بعض علماء نے لکھا ہے کہ "حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ امام معمر رحمہ اللہ کا بھتیجا رافضی تھا، امام معمر رحمہ اللہ اسے اپنی کتابیں پکڑا دیتے، اس نے ایک حدیث امام معمر کی کتاب میں داخل کر دی (التہذیب ص ۱۲ ج ۱) وہ روایت امام معمر نے امام عبدالرزاق سے بیان کی جسے انھوں نے بیان کیا۔ اس کی تفصیل التہذیب وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔" عرض ہے کہ کیا یہ قصہ بلحاظِ سند صحیح و ثابت ہے؟
تحقیق کر کے جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً (ابو ثاقب محمد صفدر حضروی)

الجواب یہ قصہ حافظ ابن حجر العسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) نے بغیر کسی سند اور حوالے کے ابو حامد بن الشرقی سے نقل کیا ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۱/۱۲ ترجمۃ احمد بن الازہر)

یہی قصہ نورالدین الہیثمی (مجمع الزوائد ۹/۱۳۳) اور سیوطی (تدریب الراوی ۱/۲۸۶) نے بغیر کسی حوالے کے، ابو الحجاج المزی (تہذیب الکمال ۱/۱۰۶) اور ذہبی (سیر اعلام النبلاء ۹/۵۷۵، ۵۷۶، ۱۲/۳۶۷) نے بغیر سند متصل مکمل کے ابو حامد بن الشرقی سے نقل کیا ہے۔

یہی قصہ خطیب بغدادی نے محمد بن احمد بن یعقوب سے، اس نے محمد بن نعیم الضبی (الحاکم صاحب المستدرک و تاریخ نیسابور) سے، انھوں نے ابو احمد الحافظ سے، انھوں نے ابو حامد (بن) الشرقی سے روایت کیا ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۲ ت ۱۶۴۷)

عین ممکن ہے کہ یہ قصہ تاریخ نیسابور للحاکم میں لکھا ہوا ہو۔ (واللہ اعلم)

مجھے محمد بن احمد بن یعقوب کی توثیق نہیں ملی ہے۔ واللہ اعلم

نچلی سند سے قطعِ نظر محدث ابو حامد بن الشرقی رحمہ اللہ ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۵ھ میں فوت ہوئے۔ دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (۲۴/۱۶۶، ۱۶۵) امام معمر بن راشد رحمہ اللہ ۱۵۴ھ میں فوت ہوئے تھے۔

سوال یہ ہے کہ امام معمر کی وفات کے چھیاسی (۸۶) سال بعد پیدا ہونے والے ابو حامد بن الشرقی کو یہ قصہ کس نے سُنایا تھا؟

معلوم ہوا کہ یہ قصہ منقطع ہونے کی وجہ سے باطل اور مردود ہے۔

اس قصے پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

" **قلت: هذه حكاية منقطعة وما كان معمر شيخًا مغفلاً يروج هذا عليه، كان حافظًا بصيرًا بحديث الزهري** " میں کہتا ہوں: یہ منقطع (کٹی ہوئی) حکایت ہے۔ معمر غافل شیخ نہیں تھے کہ ان پر اس بات کی حقیقت خفیہ رہ جاتی۔ وہ تو حدیثِ زہری کے حافظ اور صاحبِ بصیرت تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ۹/۵۷۶)

حافظ ذہبی کے اس ناقدانہ بیان سے اس قصے کا باطل اور مردود ہونا مزید واضح ہو گیا ہے۔ والحمدللہ (۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۷]

حدیث کو قرآن پر پیش کرنے والی حدیث موضوع ہے

سوال قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (متوفی ۱۸۲ھ) کی طرف منسوب کتاب "الرد علی سیر الأوزاعي" میں لکھا ہوا ہے:

" **حدثنا ابن أبي كريمة عن أبي جعفر عن رسول الله ﷺ أنه دعا اليهود فسألهم فحدثوه حتى كذبوا على عيسىٰ عليه الصلوة و السلام، فصعد النبي صلى الله عليه وسلم المنبر فخطب الناس فقال: إن الحديث سيفشو عني فما أتاكم عني يوافق القرآن فهو عني، وما أتاكم عني يخالف القرآن فليس عني** " ہمیں (خالد) ابن ابی کریمہ نے ابو جعفر (عبداللہ بن مسور) سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو بُلا کر پوچھا، تو انھوں نے حدیثیں بیان کیں حتی کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹ بولا۔ پھر نبی ﷺ نے منبر پر چڑھ کر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا: میرے بارے میں حدیثیں پھیل جائیں گی پس تمھارے پاس میری کوئی حدیث

قرآن کے مطابق پہنچے تو وہ میری حدیث ہے۔اور تم تک میری طرف سے جو روایت قرآن کے مخالف پہنچے تو وہ میری حدیث نہیں ہے۔ (ص۲۴، ۲۵)

کیا یہ روایت صحیح و قابلِ اعتماد ہے؟ تحقیق کر کے جواب دیں۔شکریہ (ایک سائل)

الجواب یہ روایت موضوع ہے۔

دلیل اول: اس روایت میں ابو جعفر سے مراد عبداللہ بن مسور (الہاشمی) ہے۔

دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری (۱۶۸/۳) الثقات لا بن حبان (۲۶۲/۶) تاریخ بغداد (۲۹۲/۸) واخبار اصبہان (۳۰۵/۱)

حافظ ابو نعیم الاصبہانی لکھتے ہیں: ''أبو جعفر هو عبدالله بن مسور''

(اخبار اصبہان ۳۰۵/۱)

اس عبداللہ بن مسور کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا: ''کان یضع الحدیث ویکذب'' وہ حدیثیں گھڑتا اور جھوٹ بولتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶۹/۵ و سندہ صحیح)

ابن حبان نے کہا: وہ ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا اور تھوڑی روایتیں بیان کرنے کے باوجود بے اصل مُرسل روایتیں بیان کرتا تھا۔اگر وہ ثقہ راویوں کی موافقت بھی کرے تو اس کی روایت سے استدلال جائز نہیں ہے۔ (کتاب المجروحین ۲۴/۲)

ذہبی نے کہا: ''یکذب'' وہ جھوٹ بولتا تھا۔ (دیوان الضعفاء والمتروکین: ۲۳۱۳)

یہ شخص بالاجماع کذاب و مجروح ہے۔

تنبیہ: تہذیب الکمال اور تہذیب التہذیب میں غلطی سے خالد بن ابی کریمہ کے استادوں میں ابو جعفر الباقر کا نام لکھ دیا گیا ہے جس کا کوئی ثبوت سلف صالحین سے نہیں ہے۔

دلیل دوم: ابو جعفر عبداللہ بن مسور کی مرسل روایات بے اصل ہوتی ہیں۔

دلیل سوم: قاضی ابو یوسف بذاتِ خود جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف اور مردود الروایۃ ہے۔دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۹ ص ۴۵ تا ۵۵

دلیل چہارم: کتاب الرد علی سیر الاوزاعی باسند صحیح قاضی ابو یوسف سے ثابت نہیں

ہے۔ دیکھئے الحدیث: ۱۹ص ۵۳، ۵۴

دلیلِ پنجم: یہ موضوع روایت قرآن مجید کی آیت: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ﴾ اور تمھیں رسول جو (حکم) دے اُسے لے لو۔ (الحشر: ۷) کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے بھی مردود ہے۔

ابو الوفاء الافغانی (متروک الحدیث) نے اس روایت کے کچھ موضوع اور باطل شواہد پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیکھئے حاشیہ الرد علی سیر الاوزاعی (ص ۲۵ تا ۲۸)

یہ تمام شواہد موضوع، باطل اور مردود ہیں۔ و ما علینا إلا البلاغ

(۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۸]

کیا ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ دوزخی تھے؟

سوال ایک روایت میں آیا ہے کہ "قاتل عمار و سالبه فی النار" عمار (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے والا اور ان کا سامان چھیننے والا آگ میں ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ (۱۸/۵۔۲۰ ح ۲۰۰۸)

یہ بھی ثابت ہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو جنگِ صفین میں ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے شہید کیا تھا۔ دیکھئے مسند احمد (۷۶/۴ ح ۱۶۶۹۸ و سندہ حسن)

کیا یہ صحیح ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ دوزخی ہیں؟ (حافظ طارق مجاہد یزمانی)

الجواب الحمدلله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسوله الأمین، أما بعد: جس روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا اور ان کا سامان چھیننے والا آگ میں ہے، اُس کی تخریج و تحقیق درج ذیل ہے:

① لیث بن أبي سلیم عن مجاهد عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ... إلخ

(ثلاثۃ مجالس من الامالی لابی محمد المخلدی ۷۵/۱۔۲، السلسلۃ الصحیحۃ ۱۸/۵، الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم ۱۰۲/۲ ح ۸۰۳)

یہ سند ضعیف ہے۔ لیث بن ابی سلیم جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے، بوصیری نے کہا:
"ضعفه الجمهور" جمہور نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (زوائد ابن ماجہ: ۲۳۰،۲۰۸)
ابن الملقن نے کہا: "وهو ضعيف عند الجمهور" وہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔
(خلاصۃ البدر المنیر :۸۷، البدر المنیر ۲/ ۱۰۳)
امام نسائی نے فرمایا: "ضعيف كوفي" (کتاب الضعفاء: ۵۱۱)

④ المعتمر بن سليمان التيمي عن أبيه عن مجاهد عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ... إلخ
(المستدرک للحاکم ۳/ ۳۸۷ ح ۵۶۶۱ وقال الذہبی فی التلخیص: علی شرط البخاری ومسلم)
یہ سند سلیمان بن طرخان التیمی کے "عن" کی وجہ سے ضعیف ہے۔ سلیمان التیمی مدلس تھے، دیکھئے جامع التحصیل (ص ۱۰۶) کتاب المدلسین لابی زرعۃ ابن العراقی (۲۴) اسماء من عرف بالتدلیس للسیوطی (۲۰) التبیین لأسماء المدلسین للحلبی (ص ۲۹) قصیدۃ المقدسی وطبقات المدلسین للعسقلانی (۵۲/ ۲) امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "كان سليمان التيمي يدلّس" سلیمان التیمی تدلیس کرتے تھے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۶۰۰)
امام ابن معین کی اس تصریح کے بعد سلیمان التیمی کو طبقۂ ثانیہ یا اولیٰ میں ذکر کرنا غلط ہے بلکہ حق یہ ہے کہ وہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں لہٰذا اس روایت کو "صحیح علی شرط الشیخین" نہیں کہا جا سکتا۔

③ "أبو حفص و كلثوم عن أبي غادية قال ... فقيل قتلت عمار بن ياسر وأخبر عمرو بن العاص فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن قاتله وسالبه في النار" إلخ (طبقات ابن سعد ۳/ ۲۶۰ ـ ۲۶۱ واللفظ لہ، مسند احمد ۴/ ۱۹۸، الصحیحۃ ۵/ ۱۹)
اس روایت کے بارے میں شیخ البانی نے کہا: "وهٰذا إسناد صحيح، رجاله ثقات رجال مسلم..."
عرض ہے کہ ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ تک اس سند کے صحیح ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ "قاتله وسالبه في النار" والی روایت بھی صحیح ہے۔

ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "فقيل ..." إلخ پس کہا گیا کہ تو نے عمار بن یاسر کو قتل کیا ہے اور عمرو بن العاص کو یہ خبر پہنچی ہے تو انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بے شک اس (عمار) کا قاتل اور سامان لوٹنے والا آگ میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس روایت کا راوی "فقيل" کا فاعل ہے جو نامعلوم (مجہول) ہے۔ راوی اگر مجہول ہو تو روایت ضعیف ہوتی ہے لہٰذا یہ "في النار" والی روایت بلحاظِ سند ضعیف ہے۔ "إسناده صحيح" نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دو راوی بیان کر رہے ہیں: ① ابوحفص: مجہول ② کلثوم بن جبر: ثقہ

امام حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کی انھوں نے کس راوی کے الفاظ بیان کیے ہیں؟ ابوحفص (مجہول) کے یا کلثوم بن جبر (ثقہ) کے اور اس بات کی بھی کوئی صراحت نہیں ہے کہ کیا دونوں راویوں کے الفاظ من وعن ایک ہیں یا ان میں اختلاف ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت اپنی تینوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے لہٰذا اسے صحیح کہنا غلط ہے۔

تنبیہ: ابوالغادیہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جنگِ صفین میں شہید کرنا ان کی اجتہادی خطا ہے جس کی طرف حافظ ابن حجر العسقلانی نے اشارہ کیا ہے۔

دیکھئے الاصابۃ (۴/۱۵۱ ت ۸۸۱، ابوالغادیۃ الجہنی)

وما علينا إلا البلاغ (۵/رمضان ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۳۱]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی کا قصہ

سوال بعض خطیبوں سے سنا گیا ہے کہ جب جنگِ یرموک ہوئی تو سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی مبارک گم ہوگئی تو وہ گھبرا گئے۔ سب ساتھیوں سے کہنے لگے کہ میری ٹوپی تلاش کرو۔ کافی دیر کے بعد ٹوپی مل گئی۔ ساتھیوں نے جب ٹوپی دیکھی تو پرانی سی نظر

آئی۔ انھوں نے خالد بن الولید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اس پرانی سی ٹوپی کے گم ہونے پر آپ کیوں گھبرا گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا:

"اعتمر رسول اللہ ﷺ فحلق رأسه فابتدر الناس جوانب شعره فسبقتهم إلی ناصیته، فجعلتها في هذه القلنسوة، فلم أشهد قتالاً فهي معي إلا رزقت النصرة" رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے سر کے بال منڈوائے تو لوگوں نے آپ کے بال بطورِ برکت حاصل کرنے کے لئے جلدی کی اور میں نے بھی آپ کی پیشانی مبارک کے بال لے لئے۔ پھر یہ بال میں نے اس ٹوپی میں (سلا کر) رکھ دئے۔ اب ہر میدانِ جنگ میں اس ٹوپی کو پہن لیتا ہوں اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر میدانِ جنگ میں فتح نصیب فرماتا ہے۔ کیا یہ واقعہ باسندِ صحیح ثابت ہے؟ (طارق مجاہد یزمانی)

الجواب یہ قصہ "عبدالحمید بن جعفر بن عبداللہ بن الحکم بن رافع عن أبیه" کی سند سے درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

(المعجم الکبیر للطبرانی (۴/۱۰۴، ۱۰۵ ح ۳۸۰۴) مسند ابی یعلیٰ الموصلی (۱۳/۱۳۹ ح ۷۱۸۳) المستدرک للحاکم (۳/۲۹۹ ح ۵۲۹۹ وقال الذہبی: "منقطع") دلائل النبوۃ (۶/۲۴۹) اُسد الغابۃ لابن الاثیر (۲/۹۵ من طریق ابی یعلیٰ) سیر اعلام النبلاء (۱/۳۷۴، ۳۷۵) المطالب العالیہ (المسندۃ ۸/۴۲۱ ح ۴۰۱۱، غیر المسندۃ ۴/۹۰ ح ۴۰۴۴ عن ابی یعلیٰ) اتحاف المہرۃ (۴/۴۰۶، ۴۰۷ ح ۴۴۵۱) اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری (۷/۶۷ ح ۸۶۶۹، ۷/۳۱۲ ح ۹۱۴۱ وقال البوصیری: "بسند صحیح"!) المقصد العلی (۳/۲۳۳ ح ۱۴۳۲)

مجمع الزوائد (۹/۳۴۹ وقال: "رواه الطبراني و ابو یعلیٰ بنحوه ورجالهما رجال الصحیح و جعفر سمع من جماعة من الصحابة فلاأدری سمع من خالد أم لا")

الاصابہ (۱/۴۱۴ ت ۲۲۰۱)

اس قصے کے بنیادی راوی جعفر بن عبداللہ بن الحکم ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۹۴۴)

لیکن سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ (متوفی ۲۲ھ) سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔

حافظ ذہبی نے اس سند کو منقطع قرار دیا ہے لہٰذا بوصیری کا اسے "بسند صحیح" کہنا غلط ہے۔ ہیثمی نے بھی یہ کہہ کر سند کے منقطع ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ "مجھے معلوم نہیں کہ اس نے خالد سے سنا ہے یا نہیں" عرض ہے کہ سننا تو درکنار سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جعفر بن عبداللہ بن الحکم کا پیدا ہونا بھی ثابت نہیں ہے۔ رافع بن سنان رضی اللہ عنہ تو صحابی ہیں لیکن الحکم بن رافع والی روایت کی سند ضعیف ہے۔ دیکھئے الاصابہ (طبعہ جدیدہ ص ۲۸۸ ت ۲۰۰۲)

خلاصۃ التحقیق: یہ قصہ صحیح متصل سند سے ثابت نہیں ہے۔

جعفر بن عبداللہ بن الحکم کا ایک دو متاخر الوفاۃ صحابہ سے (مثلاً سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ) ایک دو حدیثیں سن لینا اس کی دلیل نہیں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فوت ہونے والے صحابی سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ضرور بالضرور ان کی ملاقات ثابت ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۵/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۵]

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا

سوال بعض علماء نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو انصار کی معصوم بچیاں درج ذیل اشعار گا رہی تھیں:

أشرق البدر علينا	من ثنيات الوداع
وجب الشكر علينا	ما دعا لله داع
أيها المبعوث فينا	جئت بالأمر المطاع
ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب	چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا
کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے	شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا
ہے اطاعت فرض تیرے حکم کی	بھیجنے والا ہے تیرا کبریا

دیکھئے رحمت للعالمین (۱/۹۳) اور الرحیق المختوم اردو (ص ۲۴۰، ۲۴۱)

کیا یہ اشعار پڑھنے والا واقعہ صحیح سند سے ثابت ہے؟ (حبیب محمد)

الجواب یہ واقعہ ان اشعار کے ساتھ "رحمت للعالمین" میں بغیر کسی حوالے کے مذکور ہے۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے اس واقعے کے صحیح ہونے پر کوئی ایک بھی نا قابلِ تردید دلیل ذکر نہیں کی۔ صاحب الرحیق المختوم نے یہ واقعہ "رحمت للعالمین" سے نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ بغیر سند کے التمہید لابن عبدالبر (۱۴/۸۲) کتاب الثقات لابن حبان (۱/۱۳۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (۱۸/۳۷۷) اور الضعیفہ للالبانی (۵۹۸) وغیرہ میں مذکور ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: " **وقد روينا بسند منقطع في الحلبيات قول النسوة لما قدم النبي ﷺ: طلع البدر علينا من ثنيات الوداع، فقيل: كان ذلك عندقدومه في الهجرة وقيل عند قدومه من غزوة تبوك**" اور (السبکی الکبیر کی) الحلبیات (کتاب) میں منقطع سند سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عورتوں نے " **طلع البدر علينا من ثنيات الوداع** " پڑھا، کہا جاتا ہے کہ یہ ہجرت کے وقت آپ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کا واقعہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ غزوہ تبوک سے آپ کی واپسی کے وقت کا واقعہ ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۹ تحت ح ۴۴۲۶)

جس منقطع روایت کی طرف حافظ ابن حجر نے اشارہ کیا ہے وہ حافظ بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ (۲/۵۰۶، ۵۰۷) میں صحیح سند کے ساتھ ابن عائشہ (راوی) سے مروی ہے۔

تنبیہ: الخصائص الکبریٰ للسیوطی (۱/۱۹۰) میں یہ حوالہ "**عن عائشة**" چھپ گیا ہے جو کہ طباعت یا ناسخ کی غلطی ہے۔

بیہقی والی روایت میں ابن عائشہ سے مراد عبیداللہ بن محمد بن عائشہ ہیں جو ۲۲۸ھ میں فوت ہوئے۔ (تاریخ بغداد ۱۰/۳۱۸ ت ۵۴۶۲ وتقریب التہذیب: ۴۳۳۴)

غالباً یہی روایت ہے جس کی طرف حافظ ابن حجر نے " **بسند منقطع** " کہہ کر اشارہ کیا ہے اور یہی روایت الریاض النضرہ (۱/۴۸۰ ح ۳۹۳) میں عن ابن عائشہ "**وأراه عن أبيه**" کے ساتھ مروی ہے۔ اور آخر میں لکھا ہوا ہے کہ "**خرّجه الحلواني على شرط**

الشيخين'' اسے الحلوانی نے بخاری ومسلم کی شرط پر روایت کیا ہے۔

تنبیہ: صاحب الریاض النضرہ کا مطلب یہ ہے کہ اسے حلوانی نے بخاری ومسلم کی شرط پر ابن عائشہ سے روایت کیا ہے۔

ابن عائشہ کے والد محمد بن حفص بن عمر بن موسیٰ مجہول الحال ہیں، ان کی توثیق سوائے ابن حبان کے کسی نے نہیں کی۔ دیکھئے تعجیل المنفعہ (ص ۳۶۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بہت عرصہ بعد ابن عائشہ کے والد اور پھر خود ابن عائشہ پیدا ہوئے لہٰذا یہ سند سخت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

حافظ ابن القیم لکھتے ہیں: '' وهو وهم ظاهر لأن ثنيات الوداع وإنما هي من ناحية الشام، لا يراها والقادم من مكة إلى المدينة، ولا يمر بها إلا إذا توجه إلى الشام '' اور یہ (روایت) ظاہر طور پر وہم ہے کیونکہ ثنیات الوداع (مدینے سے) شام کی طرف ہیں۔ مکہ سے مدینہ آنے والا انھیں نہیں دیکھتا۔ ان کے پاس سے صرف وہی گزرتا ہے جو شام جاتا ہے۔ (زاد المعاد ۳/۵۵۱)

خلاصۃ التحقیق: یہ قصہ ثابت نہیں ہے لہٰذا مردود ہے۔

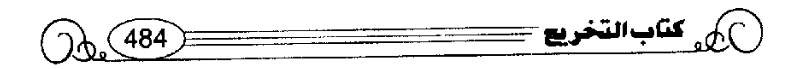
تنبیہ: موارد الظمآن (ح ۲۰۱۵) کے ایک نسخے میں کسی مجہول کاتب نے ایک حسن روایت کے آخر میں

'' وقالت: أشرق البدر علينا من ثنيات الوداع

وجب الشكر علينا ما دعا لله داع ''

کا اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن یہ اضافہ اصل صحیح ابن حبان (مثلاً دیکھئے الاحسان: ۷/۴۳۴ دوسرا نسخہ: ۶۳۸۶) میں موجود نہیں ہے اور مجہول کاتب کی وجہ سے مردود وموضوع ہے۔

وما علينا إلا البلاغ (۲۵/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ) [الحدیث: ۲۵]



امام بخاری کی طرف منسوب ایک بے اصل واقعہ

سوال انوار خورشید دیوبندی نے حافظ ابن حجر (ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۳) کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تراویح کے بعد تہجد پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہلحدیث ص ۶۸۳) کیا یہ بات صحیح ہے؟

(تنویر حسین شاہ ہزاروی، ۲۱ شعبان ۱۴۲۶ھ)

الجواب حافظ ابن حجر کی بیان کردہ روایت کی سند کا ایک راوی مقسم یا مسبح یا نسج بن سعید یا سعد ہے۔ دیکھئے ہدی الساری (ص ۴۸۱) وتاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۲) وتاریخ دمشق (ج ۵۵ ص ۵۸) بعض مخطوط میں فسیح یا مسیح لکھا ہوا ہے۔ ان ناموں کا کوئی راوی اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں ملا لہٰذا یہ مجہول ہے۔

خلاصہ: یہ واقعہ باطل و بے اصل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۱/ شعبان ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۹]

جہادِ قسطنطنیہ کی بشارت اور یزید کی شمولیت؟

سوال قسطنطنیہ کے جہاد کے بارے میں کہ جو لوگ اس میں شامل ہوں گے اللہ کے نبی ﷺ نے انھیں جنت کی بشارت دی تھی۔ وہ حملہ کب کیا گیا؟ یزید بن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس میں شامل تھے؟

(عابد الرحمٰن)

الجواب صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۱۰ ح ۲۹۲۴ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم)) میری امت میں سے (جو) پہلا لشکر، قیصر کے شہر (یعنی قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا، انھیں بخش دیا گیا ہے۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ پر کئی حملے ہوں گے اور پہلا حملہ آور لشکر اس پیش گوئی کا مصداق ہے۔ ہماری تحقیق میں قسطنطنیہ پر عہد صحابہ میں درج ذیل بڑے حملے

ہوئے ہیں:

① سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ کا حملہ۔ (الاصابہ ج ۲ ص ۵۶) یہ حملہ ۴۸ھ کے لگ بھگ ہوا۔

(محاضرات الامم الاسلامیہ ج ۲ ص ۱۱۴)

② ۳۲ھ میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا قسطنطنیہ پر حملہ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۶)

③ عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کا حملہ (سنن ابی داود: ۲۵۱۲ وسندہ صحیح)

عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات ۴۶ھ میں ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۲)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں قسطنطنیہ پر صیفی (گرمیوں والے) اور شتائی (سردیوں والے) حملے شعبان ۴۸ھ تا ربیع الثانی ۵۲ھ تک تقریباً سولہ حملے ہوئے تھے۔ آخری حملے میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تھے۔ اس غزوے میں یزید بن معاویہ بن ابی سفیان موجود تھا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یزید کا اول جیش میں موجود ہونا ثابت نہیں ہے لہٰذا وہ اس حدیث کے عموم میں شامل نہیں ہے۔

مزید دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۳۰۵) [شہادت، اپریل ۲۰۰۱ء]

ولید بن مغیرہ اور جاوید احمد غامدی

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ مشرکینِ مکہ میں سے ولید بن مغیرہ المخزومی نے جب قرآن سنا تو بے اختیار کہہ اٹھا: ”بخدا، تم میں سے کوئی شخص مجھ سے بڑھ کر نہ شعر سے واقف ہے نہ رجز اور قصیدہ سے اور نہ جنوں کے الہام سے۔ خدا کی قسم، یہ کلام جو اس شخص کی زبان پر جاری ہے، اِن میں سے کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے۔ بخدا، اس کلام میں بڑی حلاوت اور اس پر بڑی رونق ہے۔ اس کی شاخیں ثمر بار ہیں، اس کی جڑیں شاداب ہیں، یہ لازماً غالب ہوگا، اِس پر کوئی چیز غلبہ نہ پا سکے گی اور یہ اپنے نیچے ہر چیز کو توڑ ڈالے گا۔“

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر ۱/۴۹۹ بحوالہ میزان تصنیف: جاوید احمد غامدی ص ۱۷)

اُصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی روشنی میں اس واقعے کی تحقیق کیا ہے؟ (ایک سائل)

الجواب یہ مذکورہ واقعہ اپنی تفصیل کے ساتھ حافظ ابن کثیر کی کتاب: السیرۃ النبویہ اور البدایہ والنہایہ (نسخہ محققہ ج ۳ ص ۲۷۴) میں بحوالہ بیہقی نقل کیا گیا ہے۔

امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ (ج ۲ ص ۱۹۸) میں یہ واقعہ درج ذیل سند سے موجود ہے:

"**حدثنا محمد بن عبدالله الحافظ قال: أخبرنا أبو عبدالله محمد بن علي الصنعاني بمكة قال: حدثنا إسحاق بن إبراهيم قال: أخبرنا عبدالرزاق عن معمر عن أيوب السختياني عن عكرمة عن ابن عباس ...**"

امام بیہقی کے استاد محمد بن عبداللہ الحافظ (حاکم نیشاپوری) کی کتاب المستدرک (ج ۲ ص ۵۰۷ ح ۳۸۷۲) میں یہ روایت اسی سند اور متن سے موجود ہے۔ حاکم اور ذہبی دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔(!)

محمد بن علی بن عبدالحمید الصنعانی کی حدیث کی تصحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدوق تھے۔ اُن کی وفات ۳۸۱ھ تا ۴۰۰ھ کے درمیان ہوئی ہے۔

دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (ج ۲۷ ص ۴۰۸)

اس روایت میں اسحاق بن ابراہیم سے مراد الدبری ہے، جس کی پانچ دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: مستدرک الحاکم میں حاکم نے محمد بن علی بن عبدالحمید عن اسحاق بن ابراہیم بن عباد کی سند سے روایتیں لکھی ہیں۔ مثلاً دیکھئے ج ۱ ص ۴۳ ح ۱۳۰

بلکہ بعض مقامات پر اسی راوی سے "**ثنا إسحاق بن إبراهيم الدبري**" کی صراحت موجود ہے۔ دیکھئے المستدرک ج ۴ ص ۴۲۲ ح ۸۳۰۲

۲: مشہور محدث واحدی نے ابو القاسم الخذامی (عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد بن عبدان العطار، وثقہ عبدالغافر فی المنتخب من السیاق ص ۴۸۱ ت ۱۰۲۰) عن محمد بن عبداللہ بن نعیم (الحاکم) سے روایت کیا ہے اور اسحاق بن ابراہیم الدبری کی صراحت کی ہے۔

دیکھئے اسباب النزول للواحدی (ص ۳۷۵۔۳۷۶، سورۃ المدثر)

تنبیہ: اسباب النزول میں کتابت یا کمپوزنگ کی غلطی سے ''اسحٰق بن ابراہیم اللز بری'' چھپ گیا ہے۔!

۳: محمد بن علی بن عبدالحمید کی وفات اگر ۳۸۱ھ تسلیم کر لی جائے تو امام اسحاق بن راہویہ ان سے ۱۴۳ سال پہلے ۲۳۸ھ میں فوت ہوئے تھے۔

فرض کریں جس سال امام اسحاق بن راہویہ فوت ہوئے تھے، اُسی سال محمد بن علی پیدا ہوئے تو اس لحاظ سے اُن کی عمر ۱۴۳ سال بنتی ہے جو بہت زیادہ اور غیر معمولی ہے لہٰذا کتبِ حدیث میں اس کا تذکرہ نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ محمد بن علی بن عبدالحمید نے امام اسحاق بن راہویہ کو نہیں پایا تھا اور نہ وہ اُن کے زمانے میں موجود تھے۔

۴: حافظ ذہبی نے محمد بن علی کے ذکر کے بعد فرمایا: ''سمع من إسحاق الدبري جملة صالحة و حدّث بمكة ''انھوں نے اسحاق الدبری سے اچھی روایتیں سنی تھیں اور مکے میں حدیث بیان کی۔ (تاریخ الاسلام ۲۷/ ۴۰۸)

۵: امام اسحاق بن راہویہ کی سند سے یہ روایت حدیث کی کسی باسند کتاب میں نہیں ملی۔

معلوم ہوا کہ حافظ ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ کا اور اُن کی اتباع میں متعدد علماء مثلاً شیخ البانی رحمہ اللہ (صحیح السیرۃ النبویہ ص ۱۵۸) کا اس روایت کو امام اسحاق بن راہویہ (اسحاق بن ابراہیم بن مخلد) کی طرف منسوب کرنا غلط ہے، اور صحیح یہ ہے کہ اسے اسحاق بن ابراہیم بن عباد الدبری نے بیان کیا تھا۔

حافظ ابن کثیر کی غلطی کی وجہ یہ ہے کہ اسحاق بن ابراہیم الدبری اور اسحاق بن ابراہیم بن مخلد عرف ابن راہویہ میں ولدیت کا نام مشترک ہے لہٰذا اُنھیں تحقیق کا موقع نہ مل سکا۔ واللہ اعلم

مصنف عبدالرزاق کی عام روایتوں کے علاوہ اسحاق بن ابراہیم الدبری کی عبدالرزاق بن ہمام سے روایتیں دو وجہ سے ضعیف ہیں:

۱: عبدالرزاق آخری عمر میں نابینا ہونے کے بعد اختلاط (حافظے کی کمزوری) کا شکار ہو گئے تھے۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ہم عبدالرزاق کے پاس ۲۰۰ (ہجری) سے پہلے آئے تھے اور اُن کی نظر صحیح تھی، جس نے اُن کی نظر چلی جانے کے بعد اُن سے سنا ہے تو اُس کا سماع ضعیف ہے۔ (تاریخ دمشق لابی زرعۃ الدمشقی: ۱۱۶۰، وسندہ صحیح)

امام نسائی نے فرمایا: ''فيه نظر لمن كتب عنه بآخرة''

جس نے ان کے آخر میں اُن سے لکھا ہے، اُس میں نظر ہے۔ (کتاب الضعفاء: ۳۷۹)

اسحاق بن ابراہیم الدبری نے عبدالرزاق سے اُن کے بہت زیادہ آخری دور میں سنا تھا۔ دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح (ص ۴۶۰، دوسرا نسخہ ص ۴۹۸)

دبری نے (عبدالرزاق کی وفات ۲۱۱ھ سے پہلے) ۲۱۰ھ میں اُن سے سنا تھا۔ دیکھئے الکواکب النیرات مع تحقیق عبدالقیوم بن عبدرب النبی (ص ۲۷۵)

۲: اسحاق الدبری نے جب عبدالرزاق سے سنا تو اس کی عمر سات سال کے قریب تھی۔ دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۱۸۱، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۳۲)

اس کی توثیق کے باوجود حافظ ذہبی نے کہا: ''لكن روى عن عبدالرزاق أحاديث منكرة .. '' لیکن اُس نے عبدالرزاق سے منکر حدیثیں بیان کیں۔ (میزان الاعتدال ۱/ ۱۸۱)

دبری کی بیان کردہ روایتِ مذکورہ کے خلاف ثقہ راوی سلمہ بن شبیب کی بیان کردہ اسی روایت کی سند درج ذیل ہے: ''عبدالرزاق عن معمر عن رجل عن عكرمة :أن الوليد بن المغيرة جاء .. '' (تفسیر عبدالرزاق ج ۲ ص ۲۶۳ ح ۳۳۸۴)

عبدالرزاق کے علاوہ یہی روایت محمد بن ثور الصنعانی نے ''معمر عن عباد بن منصور عن عكرمة'' کی سند کے ساتھ مرسلاً بیان کی ہے۔

(تفسیر ابن جریر الطبری ج ۲۹ ص ۹۸ وسندہ صحیح الی عبدالرزاق)

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اسحاق بن ابراہیم الدبری کی بیان کردہ روایت شاذ یا منکر ہے اور اگر یہ عبدالرزاق تک صحیح بھی ہوتی تو دو وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

۱: عبدالرزاق مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

۲: تفسیر عبدالرزاق اور محمد بن ثور (ثقہ) کی روایتوں کی روشنی میں محفوظ روایت مرسل ہے اور مرسل کی سند میں بھی رجل (عباد بن منصور/ضعیف مدلس) ہے لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

جاوید احمد غامدی نے اپنی کتاب میزان کی ابتدا میں یہ ضعیف روایت پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ غامدی میزان کا تحقیق اور علم حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ محمد بن عمران المرزبانی (معتزلی مجروح عندالجمہور) نے بغیر سند کے نقل کیا کہ فرزدق نے لبید بن ربیعہ کا ایک شعر سنا تو خچر سے اُتر کر سجدہ کیا۔ (الاصابہ ۳/۳۲۷)

حافظ ابن عبدالبر نے بغیر سند کے نقل کیا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لبید سے شعر سنانے کی فرمائش کی تو انھوں نے کہا: بقرہ اور آل عمران کے بعد اب شعر کہاں؟

(الاستیعاب ج ۳ ص ۳۲۷، میزان الغامدی ص ۱۷)

یہ دونوں بے سند حوالے جاوید احمد غامدی نے بطورِ جزم نقل کئے ہیں۔

ہر شخص پر ضروری ہے کہ جو حوالہ بھی پیش کرے، اس کی خود تحقیق کرے اور تحقیق کے بعد ہی اُسے پیش کرے۔ اگر وہ خود تحقیق نہیں کر سکتا تو حوالے پیش نہ کرے بلکہ علماء کی طرف رجوع کر کے تحقیق کرانے کے بعد ہی استدلال کرے، ورنہ وہ اس حدیث کا مصداق بن جائے گا جس میں آیا ہے: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کرتا پھرے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۵، ترقیم دارالسلام: ۷، ۸)

ان دو بے سند حوالوں اور ایک ضعیف روایت سے استدلال نے یہ ثابت کر دیا کہ روایات کی تحقیق اور دینی مسائل میں جاوید احمد غامدی پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۳۰/نومبر ۲۰۰۹ء)



متفرق مسائل

دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنا

سوال ایک روایت میں آیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: تم میں سے جب کوئی شخص سایہ میں بیٹھا ہو پھر وہ سایہ جاتا رہے (یعنی اس پر دھوپ آجائے) اور اس کے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (وہاں سے) اٹھ کھڑا ہو (اور بالکل سایہ میں جا بیٹھے یا بالکل دھوپ میں) [ابو داود] اور شرح السنہ میں یہ الفاظ ہیں کہ تم میں سے جو شخص سایہ میں بیٹھا ہو پھر وہ سایہ جاتا رہا تو وہاں سے اٹھ کھڑا ہو اس لئے کہ کچھ سایہ میں اور کچھ دھوپ میں بیٹھنا شیطان کا کام ہے۔

(مشکوۃ المصابیح جلد دوم ص ۴۵۷ ح ۴۷۲۵، ۴۷۲۶)

محترم! دھوپ اور سایہ میں نماز کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں اس کے متعلق مفصل وضاحت کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

(کلیم عبدالرحمٰن ندیم، احمد دواخانہ محلہ رسول پورہ سمندری فیصل آباد)

الجواب مشکوۃ والی روایت سنن ابی داود (کتاب الادب، باب ۱۵ ح ۴۸۲۱) مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۱۱۴۵) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/ ۲۳۶، ۲۳۷) میں محمد بن المنکدر رحمہ اللہ قال: حدثني من سمع أبا هريرة" کی سند سے موجود ہے۔ اس میں حدثنی کا فاعل "من سمع" مجہول ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

منذری نے کہا: "وتابعيه مجهول" اور اس کا (راوی) تابعی مجہول ہے۔

(الترغیب والترہیب ۴/ ۵۹)

تنبیہ: اس مجہول تابعی کا ذکر مسند احمد (۲/ ۳۸۳ ح ۸۹۷۶) وغیرہ سے گر گیا ہے۔

شرح السنہ للبغوی (۱۲/ ۳۰۱ ح ۳۳۳۵) والی روایت موقوف اور منقطع ہے اور اس میں محمد بن المنکدر رحمہ اللہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس حدیث میں مجہول واسطہ گر گیا ہے۔

شرح السنہ والی روایت مصنف عبدالرزاق میں بھی موجود ہے۔(ج ۱۱ص ۲۳،۲۴ح ۱۹۷۹۹)
صاحبِ مصنف: عبدالرزاق الصنعانی رحمہ اللہ مدلس تھے لہٰذا جب تک ان کی بیان کردہ سند میں ان کے سماع کی تصریح نہ ہو اس سے استدلال جائز نہیں ہے۔ امام عبدالرزاق کی تدلیس کے لئے دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی (ج ۳ص ۱۱۰، ۱۱۱ وسندہ صحیح)
عبدالرزاق نے ضعیف سند کے ساتھ محمد بن المنکدر سے نقل کیا ہے کہ وہ دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنا جائز سمجھتے تھے۔ (ح ۱۹۸۰۱ عن اسماعیل بن ابراہیم بن ابان؟)
امام عبدالرزاق نے "عن معمر عن قتادة" کی سند سے نقل کیا ہے کہ قتادہ (تابعی) دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنا مکروہ سمجھتے تھے۔(ح ۱۹۸۰۰)
اس کی سند تدلیسِ عبدالرزاق کی وجہ سے ضعیف ہے۔
مجہول تابعی والی مرفوع روایت کے دو شاہدوں کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱: قتادة عن كثير (بن أبي كثير البصري) عن أبي عياض (عمرو بن الأسود العنسي) عن رجل من أصحاب النبي ﷺ وسلم... إلخ

(مسند احمد ۳/ ۴۱۳، ۴۱۴ح ۱۵۴۲۱)

اس میں قتادہ راوی مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابوبکر الشافعی کی "حدیثہ" (قلمی ۴/ ۲) سے نقل کیا ہے کہ اسے شعبہ نے قتادہ سے بیان کیا ہے۔

(السلسلۃ الصحیحہ: ۸۳۸)

شیخ صاحب نے شعبہ تک سند بیان نہیں کی لہٰذا یہ حوالہ بھی مردود ہے۔ اس کے برعکس مسدد بن مسرہد نے یحییٰ (بن سعید القطان) عن شعبہ کی سند سے اس روایت کو مرسلاً بیان کیا ہے۔ دیکھئے اتحاف المہرۃ (۲/ ۱۶ اص ۳۶۳ ح ۲۱۲۱۵)
معلوم ہوا کہ متصل سند میں تدلیس کی وجہ سے گڑبڑ ہے۔ تدلیس والی یہی روایت مستدرک الحاکم (۴/ ۲۷۱ ح ۷۷۱۰) میں " عن أبي هريرة " کی سند سے موجود ہے۔
اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے لیکن اس کی سند قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف

ہے۔ (قتادہ کی ایک مرسل روایت کے لئے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۴۹۱ ح ۲۵۹۴۹)

۲: ''أبو المنيب عن ابن بريدة عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يقعد بين الظل والشمس'' بریدہ (بن الحصیب رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(ابن ماجہ: ۳۷۲۲، ابن ابی شیبہ فی المصنف ۸/۴۹۱ ح ۲۵۹۵۴، المستدرک ۴/۲۷۲ ح ۷۷۱۴)

اس کی سند حسن ہے۔ (تسہیل الحاجۃ، قلمی ص ۲۶۱)

اسے بوصیری نے حسن قرار دیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''مجلس الشيطان'' یا ''مقعد الشيطان'' کے الفاظ کے بغیر یہ روایت حسن ہے لہٰذا سنن ابی داود والی روایت بھی اس سے حسن بن جاتی ہے۔

عکرمہ تابعی فرماتے ہیں کہ جو شخص دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھتا ہے تو ایسا بیٹھنا شیطان کا بیٹھنا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۸/۴۹۱-۴۸۹ ح ۲۵۹۵۳ وسندہ صحیح)

عبید بن عمیر (تابعی) نے فرمایا: دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنا شیطان کا بیٹھنا ہے۔

(ابن ابی شیبہ: ۲۵۹۵۲ وسندہ صحیح)

لہٰذا ایسے بیٹھنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ وما علينا إلا البلاغ (۱۹ صفر ۱۴۲۷ھ)

[الحدیث: ۲۴]

اگر ڈاکو آجائے تو گھر والے کیا کریں؟

سوال اگر کسی شخص کے گھر میں کوئی ڈاکو آجائے اور گھر والے کا مال لوٹنا چاہے اور یہ بھی ڈر ہو کہ اگر گھر والا اسے مطلوبہ مال نہیں دیتا تو وہ اُسے قتل کر دے گا۔

ایسی حالت میں گھر والا کیا کرے؟ کیا وہ اپنا مال بچاتے ہوئے اس ڈاکو سے جنگ کر سکتا ہے اور کیا وہ اسے قتل کر سکتا ہے؟ (ایک سائل)

الجواب اس مسئلے کا حل صحیح حدیث میں موجود ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے، اگر ایک آدمی آکر میرا مال چھیننا چاہے تو (میں کیا کروں)؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تُو اسے اپنا مال نہ دے۔ اُس نے کہا: اگر وہ (ڈاکو) میرے ساتھ جنگ کرے تو؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تُو اُس کے ساتھ جنگ کر۔ اُس نے کہا: اگر اُس نے مجھے قتل کر دیا تو؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تو پھر تُو شہید ہے۔ اُس نے کہا: اگر میں اُسے قتل کر دوں تو؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اگر تو اُسے قتل کر دے تو وہ، آگ (جہنم) میں ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰، ترقیم دارالسلام: ۳۶۰، مترجم ۱/۲۳۴، صحیح ابی عوانہ ۱/۴۴، دوسرا نسخہ ۱/۳۹ ح ۹۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۲۶۶۔۲۶۷، ۸/۳۳۵۔۳۳۶)

امام بغوی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (شرح السنہ ۱۰/۲۴۸ تحت ح ۲۵۶۳)

اور عام اہلِ علم سے نقل کیا ہے کہ ایسی حالت میں ڈاکو کا خون ضائع ہے اور گھر والے پر کوئی سزا نہیں ہے۔ (دیکھئے شرح السنۃ ۱۰/۲۴۹ تحت ح ۲۵۶۴)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گھر والے کو چاہئے (اور افضل بھی یہی ہے) کہ ڈاکو کو اپنا مال نہ دے بلکہ اُس سے جنگ کرے اور اگر ایسی حالت میں گھر والا مارا گیا تو وہ شہید ہے اور ڈاکو اگر مارا گیا تو مُردار اور جہنمی ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۷/ نومبر ۲۰۰۹ء)

تعلیم وتدریس پر اجرت کا جواز

سوال کیا دینی تعلیم وتدریس پر اجرت لینا جائز ہے؟ دلائل سے واضح کریں۔

(وقاص زبیر، راولپنڈی)

الجواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن أحق ما أخذتم عليه أجرًا كتاب الله)) تم جس پر اُجرت لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۷۳۷)

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ کتاب الاجارہ، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب

بفاتحۃ الکتاب، قبل ح ۵۷۳۶ میں بھی لائے ہیں۔اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''واستدل به للجمهور في جواز أخذ الأجرة على تعليم القرآن'' اور اس سے جمہور کے لئے دلیل لی گئی ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۴ ص ۴۵۳)

اب چند آثار پیشِ خدمت ہیں:

۱: حکم بن عتیبہ (تابعی صغیر) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ماسمعت فقيهًا يكرهه'' میں نے کسی فقیہ کو بھی اسے (اجرتِ معلم کو) مکروہ قرار دیتے ہوئے نہیں سنا۔

(مسند علی بن الجعد: ۱۱۰۵ وسندہ صحیح)

۲: معاویہ بن قرہ (تابعی) رحمہ اللہ نے فرمایا: ''إني لأرجو أن يكون له في ذلك خير'' مجھے یہ امید ہے کہ اس کے لئے اس میں اجر ہوگا۔ (مسند علی بن الجعد: ۱۱۰۴ وسندہ صحیح)

۳: ابو قلابہ (تابعی) رحمہ اللہ تعلیم دینے والے معلم کی اجرت (تنخواہ) میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۲۲۰ ح ۲۰۸۲۴ وسندہ صحیح)

۴: طاؤس (تابعی) رحمہ اللہ بھی اسے جائز سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ایضاً، ح: ۲۰۸۲۵ وسندہ صحیح)

۵: محمد بن سیرین (تابعی) رحمہ اللہ کے قول سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۶/ ۲۲۳ ح ۲۰۸۳۵ وسندہ صحیح)

۶: ابراہیم نخعی (تابعی صغیر) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''كانوا يكرهون أجر المعلم'' وہ (اگلے لوگ، سلف صالحین) معلم کی اجرت کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(مسند علی بن الجعد: ۱۱۰۶ وسندہ قوی)

اس پر استدراک کرتے ہوئے امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ، امام ابو الشعثاء جابر بن زید (تابعی) رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: بہتر و افضل یہی ہے کہ تعلیم و تدریس کی اجرت نہ لی جائے تاہم اگر کوئی شخص اجرت لے لیتا ہے تو جائز ہے۔

تنبیہ (۱): تمام آثار کو مدنظر رکھتے ہوئے، ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول ''يكرهون'' میں

کراہت سے کراہتِ تنزیہی مراد ہے اور حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ کے قول "یکرھہ" میں کراہتِ تحریمی مراد ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ (۲): بعض آثار صحیح بخاری (قبل ح ۲۲۷۶) میں بعض اختلاف کے ساتھ مذکور ہیں۔ اجرت تعلیم القرآن کا انکار کرنے والے بعض الناس جن آیات و روایات سے استدلال کرتے ہیں ان کا تعلق دو امور سے ہے:

۱: اجرتِ تبلیغ (یعنی جو تبلیغ فرض ہے اس پر اجرت لینا)

﴿ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ اور ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ وغیرہ آیات کا یہی مفہوم ہے۔ نیز دیکھئے "دینی امور پر اجرت کا جواز" ص ۷۶

۲: قراءت قرآن پر اجرت (یعنی نماز تراویح میں قرآن سنا کر اس کی اجرت لینا)

حدیث: ((اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به)) وغیرہ کا یہی مطلب ومفہوم ہے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۴۰۰ باب فی الرجل یقوم بالناس فی رمضان فیعطی، ح ۷۷۴۲)

وما علينا إلا البلاغ [الحدیث: ۱۸]

اللہ کی نعمت کے آثار بندے پر

سوال کیا یہ حدیث صحیح ہے: "بلا شبہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کے آثار اپنے بندے پر دیکھے" (عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑا)

الجواب سیدنا مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میری (ظاہری) حالت خراب تھی تو آپ نے فرمایا: کیا تمھارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کس قسم کا مال ہے؟ میں نے کہا: ہر قسم کا مال ہے، اونٹ، غلام، گھوڑے اور بھیڑ بکریاں سب کچھ ہے تو آپ نے فرمایا: ((إِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مالاً فَلْيُرَ عليك .)) جب اللہ نے تجھے مال دیا ہے تو اس کا اثر تجھ پر نظر آنا چاہئے۔

(مسند احمد ۳/۴۷۳ ح ۱۵۸۸۸، وسندہ صحیح وصححہ ابن حبان ۵۳۹۲/۵۴۱۶ والحاکم ۴/۱۸۱ ح ۷۳۶۴ ووافقہ الذہبی)

یہ روایت بلحاظِ سند و متن بالکل صحیح ہے۔ اسے ابو داود (ح ۴۰۶۳) اور نسائی (۸/ ۱۸۱ ح ۵۲۲۵، ۵۲۲۶) نے بھی "أبو إسحاق السبیعي عن أبي الأحوص بن مالك بن نضلة عن أبیه" کی سند سے بیان کیا ہے۔ ابو اسحاق کی یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے اور انھوں نے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ والحمد للہ

سنن ابی داود کے الفاظ درج ذیل ہیں:

((فإذا آتاك اللہ مالاً فلیر أثر نعمة اللہ علیك و كرامته .)) پس جب اللہ نے تجھے مال دیا ہے تو اللہ کی نعمت اور سخاوت کا اثر تجھ پر نظر آنا چاہئے۔ (طبع دار السلام ح ۴۰۶۳)

سنن نسائی میں اسی مفہوم کی روایت ہے، امام ترمذی نے یہ روایت مختصراً بیان کرنے کے بعد فرمایا: "ھذا حدیث حسن صحیح" (البر والصلۃ باب ماجاء فی الاحسان والعفو ح ۲۰۰۶)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَن أنعم اللہ علیه نعمةً فإن اللہ یحبّ أن یُری أثر نعمته علی خلقه .))

جسے اللہ اپنی نعمت عطا فرمائے تو اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی مخلوق پر اُس کی نعمت کا اثر نظر آئے۔ (مسند احمد ۴/ ۴۳۸ ح ۱۹۹۳۴، وسندہ صحیح)

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ [الحدیث: ۴۱]

اصحابِ کہف کا کتا

سوال محترم ایک مسئلے کی تحقیق مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ بعض مولوی حضرات بڑے زور وشور اور جوشِ خطابت کے نشے میں سرشار ہو کر یہ فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف کا کتا بھی اپنی وفاداری کے سبب جنت میں جائے گا، جب کہ کتا نجس العین ہے اور جنت پاکیزہ مقام ہے جو اللہ کے مقربین کے لئے مخصوص ہے اس میں حرام اور نجس جانور کے دخول کا کیا تک بنتا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔ (علی حسین شاہ)

الجواب بعض الناس کا یہ قول کہ ''اصحابِ کہف کا کتا جنت میں داخل ہوگا'' اس کی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں ہے۔ جو شخص اس پر بضد ہے کہ یہ کتا ضرور جنت میں جائے گا اس سے دلیل طلب کریں اور مجھے لکھ کر بھیج دیں۔

محمد بن موسیٰ الدمیری (۷۴۲ھ تا ۸۰۸ھ) نے بغیر کسی سند کے خالد بن معدان سے نقل کیا ہے کہ جنت میں تین جانوروں کے علاوہ اور کوئی جانور نہیں جائے گا، اصحابِ کہف کا کتا، عزیر علیہ السلام کا گدھا اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی۔ (حیوۃ الحیوان ج ۲ ص ۲۶۲)

یہ بے سند و بے حوالہ قول ہے۔

امداد اللہ انور دیوبندی نے ابن نجیم حنفی (متوفی ۹۷۱ھ) اور المستطرف (غیر مستند اور ناقابلِ اعتماد کتاب) کے حوالے سے لکھا ہے کہ جنت میں پانچ جانور جائیں گے۔ اصحابِ کہف کا کتا، اسماعیل علیہ السلام کا دنبہ، صالح علیہ السلام کی اونٹنی، عزیر علیہ السلام کا گدھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی براق۔ (جنت کے حسین مناظر ص ۵۳۱)

امداد اللہ دیوبندی نے حموی شرح الاشباہ والنظائر وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قتادہ (تابعی) کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی، موسیٰ علیہ السلام کی گائے، یونس علیہ السلام کی مچھلی، سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی اور بلقیس کا ہدہد۔ (جنت کے حسین مناظر ص ۵۳۱، ۵۳۲)

اسی متروک دیوبندی نے سیوطی سے نقل کیا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کا بھیڑیا بھی جنت میں جائے گا۔ (ایضاً ص ۵۳۲)

یہ سب بے سند اور بے اصل حوالے ہیں جن کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

خلاصۃ التحقیق: اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ اصحابِ کہف کا کتا جنت میں جائے گا۔

وما علینا إلا البلاغ (۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ) [الحدیث:۱۶]

زلزلہ اور لوگوں کے گناہ

سوال محترم حافظ صاحب زلزلے کے سلسلے میں چند روایات ہیں جنھیں حافظ حسن مدنی صاحب نے اپنے ماہنامہ میں نقل کیا ہے، ان کی تحقیق درکار ہے جو درج ذیل ہیں: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے زلزلہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:'' **فإذا استحلوا الزنا وشربوا الخمور بعد هذا وضربوا المعازف غار الله في سمائه فقال للأرض: تزلزلي بهم فإن تابوا ونزعوا وإلا هدمها عليهم فقال أنس: عقوبة لهم؟ قالت: رحمة وبركة وموعظة للمؤمنين ونكالاً وسخطةً وعذاباً للكافرين .**

(مستدرک حاکم: ۸۵۷۵ صحیح علی شرط مسلم)

لوگ جب زنا کاری کو مباح سمجھنے لگتے ہیں، شراب پینا دن رات کا مشغلہ بنا لیتے ہیں اور ناچ گانے میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور وہ زمین سے فرماتا ہے: ان پر زلزلہ لا (یعنی ان کو جھنجھوڑ دے۔) اگر اس سے عبرت حاصل کی اور باز آگئے تو خیر ورنہ اللہ تعالیٰ ان پر زمین کو (عذاب کی صورت میں) مسلط فرما دیتا ہے۔ حضرت انس نے پوچھا: یا ام المؤمنین! یہ زلزلہ سزا ہے؟ فرمایا: مؤمنوں کے لئے تو باعثِ رحمت اور نصیحت ہے، البتہ نافرمانوں کے لئے سزا، عذاب اور غضب ہے''

☆ دورِ نبوی میں زلزلہ آیا تو نبی کریم ﷺ نے زمین کو ٹھہر جانے کا حکم دیا اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ رب العالمین اس کے ذریعے برائیوں کے ترک کا مطالبہ کرتا ہے، اس کی طرف رجوع کرو۔

☆ عہد فاروقی میں زلزلہ آیا تو حضرت عمر نے فرمایا: یہ محض ان نئی چیزوں (بدعات و خرافات) کی وجہ سے ہے جن کو تم نے دین میں شامل کر دیا ہے۔ اگر ایسی باتیں ہوتی رہیں تو سکون ناممکن ہے۔

☆ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ زمین اس وقت ہلتی ہے جب معصیت کی کثرت ہو جاتی ہے، گناہوں کا بوجھ بڑھ جاتا ہے اور یہ زلزلہ رب العزت کا خوف ہے جس سے زمین کانپ اٹھتی ہے۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام اطراف کو لکھا کہ زلزلہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ بندوں کو عتاب فرماتا ہے، اور انہیں پابند کیا کہ سب لوگ شہر سے باہر نکل کر اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ اور جس کو اللہ نے مال عطا فرمایا ہے، وہ اپنے مال سے صدقہ خیرات کرے۔

مذکورہ بالا تمام واقعات کو علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اپنی کتاب الداء والدواء کے صفحہ ۶۳، ۶۴ پر درج کیا ہے۔" (ماہنامہ محدث لاہور، جلد ۳۷ شمارہ: ۱۱ص ۸، نومبر ۲۰۰۵ء)

الجواب پہلی روایت امام نعیم بن حماد الصدوق رحمہ اللہ کی (طرف منسوب) کتاب الفتن (ص ۴۲۰ تحت ح ۱۳۵۴، دوسرا نسخہ ۲/۶۱۹ ح ۱۷۲۹) میں بقیہ بن الولید عن زید (یزید) بن عبداللہ الجھنی عن ابی العالیہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے۔ نعیم الصدوق کی سند سے اسے حاکم نیشاپوری نے روایت کر کے "صحیح علی شرط مسلم" قرار دیا ہے۔ (المستدرک ۴/۵۱۶ ح ۸۵۷۵)

اس پر تعاقب کرتے ہوئے حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "بل أحسبه موضوعًا علی أنس ونعیم منکر الحدیث إلی الغایة مع أن البخاري روی عنه"

بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ روایت انس (رضی اللہ عنہ) پر موضوع ہے اور نعیم (بن حماد) حد درجے کا منکر الحدیث راوی ہے۔ باوجودیکہ بخاری نے اس سے (صحیح بخاری میں) روایت کی ہے۔ (تلخیص المستدرک ۴/۵۱۶)

یہ روایت اگرچہ مردود ہے مگر نعیم مظلوم پر حافظ ذہبی کی جرح جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں مردود و باطل ہے۔ نعیم بن حماد کے دوست اور واقف کار امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ: "ثقة ...... کان نعیم بن حماد رفیقي في البصرة " نعیم بن حماد ثقہ ہیں.... وہ بصرہ میں میرے ساتھی تھے۔ (سوالات ابن الجنید: ۵۲۸، ۵۲۹ وسندہ صحیح کالشمس)

تفصیل کے لئے میرا مضمون ''ارشاد العباد إلی توثیق نعیم بن حماد'' دیکھیں۔

والحمد للّٰہ

اس روایت کے ضعیف و مردود ہونے کی اصل وجہ دو ہیں:

① بقیہ بن الولید (صدوق) مدلس راوی ہیں۔ (طبقات المدلسین ۱۱۷/۴)

اور یہ روایت معنعن ہے۔

② ابن عبداللہ الجہنی مجہول الحال راوی ہے اسے حاکم کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ قرار نہیں دیا۔

حافظ ذہبی بذات خود اس کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''لا یصح خبرہ''
اس کی خبر صحیح نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ۴۳۱/۴)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔

ان میں سے دوسری روایت مرسل (یعنی ضعیف) ہے۔ دیکھئے الداء والدواء (ص ٦٦)

تیسری روایت بحوالہ مناقب عمر لابن ابی الدنیا ہے لیکن بے سند ہے۔ بے سند روایت اس وقت تک ضعیف و مردود ہوتی ہے جب تک اس کی صحیح یا حسن سند دستیاب نہ ہو جائے۔

چوتھی روایت بحوالہ احمد عن صفیۃ مذکور ہے۔ یہ روایت نہ تو مسند احمد میں ملی اور نہ کتاب الزہد میں لہٰذا یہ روایت بھی بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

پانچویں روایت جو کعب (الاحبار) کا قول ہے سرے سے بے حوالہ بے سند ہے۔

چھٹی روایت: قول از عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی بے حوالہ و بے سند ہے۔

(دیکھئے الداء والدواء ص ٦٧

یہ تمام روایات ہمارے نسخہ میں صفحہ ٦٦، ٦٧ پر مذکور ہیں۔

(الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی، عرف: الداء والدواء، تحقیق احمد بن محمد آل نبعۃ)

معلوم ہوا کہ یہ تمام روایتیں ضعیف و مردود ہیں۔ اہلِ علم کو چاہئے کہ وہ اپنی تحریروں میں صحیح و ثابت روایات ہی بطورِ استدلال بیان کیا کریں۔ وما علینا إلا البلاغ

ازار ٹخنوں سے اونچا ہونا چاہیے

سوال شلوار اونچی رکھنی نبی ﷺ کی سنت ہے۔ اگر جراب پہن لی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (عبدالقادر، دیپالپور)

الجواب شلوار اور ازار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا مسنون وضروری ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت میں ٹخنوں کا ننگا کرنا مشروع ہے بلکہ مقصود ومطلوب ازار کا اونچا رکھنا ہے۔ لہٰذا اگر جرابیں ہوں یا موزے، تو اس صورت میں بھی ازار وشلوار کو ٹخنوں سے اوپر ہی رکھنا چاہیے۔ جراب وموزوں کا جواز متواتر وصحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس جواز پر اجماع ہے۔ [شہادت، مئی ۲۰۰۰ء]

این جی اوز کے ساتھ تعاون

سوال میں ایک سکول ٹیچر ہوں اور ہر ماہ این جی اوز والے ہمارے ساتھ میٹنگ کرتے ہیں اور اس میں وہ ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ آپ نے اس طریقے سے بچوں کو پڑھانا ہے اور اس میٹنگ کے اختتام پر وہ ہمیں نقد رقم اور چائے یا مٹھائی وغیرہ دیتے ہیں۔ کیا شرعی لحاظ سے ہم ان کی نقد رقم اور کھانے والی چیزیں استعمال کرسکتے ہیں؟ واضح رہے کہ ۱۳۔ نومبر کے اخبار روزنامہ جنگ میں ایک خبر لگی تھی کہ این جی اوز کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنے والا شرعی مجرم ہے جبکہ ہم محکمہ تعلیم کے افسران کی ہدایات پر ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ ایک میٹنگ کے دوران میں وہ اپنے ساتھ عورتوں کو لے کر آئے تھے لیکن ہم نے عورتوں کو میٹنگ میں شامل ہونے سے روک دیا تھا۔ براہِ مہربانی پہلی فرصت میں میرے اس سوال کا جواب ماہنامہ شہادت میں شائع کردیں، ہم تقریباً پانچ یا چھ ٹیچر سلفی العقیدہ ہیں اور اس معاملے میں کافی پریشان ہیں۔ (حبیب اللہ چوہدری، سیالکوٹ)

الجواب اگر ''این جی اوز'' آپ لوگوں کی مجبوری ہیں کیونکہ سرکاری حکم کی تعمیل جبراً

کرائی جاتی ہے تو آپ معذور ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تاہم آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ نصابِ تعلیم اور دیگر ہدایات کو قرآن وحدیث پر پیش کریں۔ جو چیز قرآن وحدیث کے خلاف ہو اس کی تردید کریں اور جو موافق ہو اُس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ این جی اوز وغیرہ کے تحائف، نقد رقم، مٹھائی، چائے وغیرہ سے کلی اجتناب کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمائے۔

[شہادت، مارچ ۲۰۰۱ء]

عورتوں کے لئے سونے کے زیورات

سوال کیا سونا مردوں کے علاوہ عورتوں کے لئے پہننا بھی حرام ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب عورتوں کے لئے سونا پہننا حلال ہے بشرطیکہ وہ زکوٰۃ ادا کریں۔

سنن الترمذی (اللباس باب ا ح ۱۷۲۰) اور النسائی (۱۶۱/۸ ح ۵۱۵۱) کی صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أحل الذهب والحرير لإناث أمتي وحرم على ذكورها))

سونا اور ریشم، میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہے اور مردوں کے لئے حرام ہے۔

ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ ایک عورت کی بیٹی کے ہاتھوں میں سونے کے دو کڑے تھے، آپ ﷺ نے پوچھا: ((أتعطين زكاة هذا؟)) کیا تو اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہے؟ کہنے لگی: نہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ان کے بدلے میں قیامت کے دن آگ کے کڑے پہنا دے؟ تو اس عورت نے انھیں پھینک دیا۔

(سنن ابی داود، کتاب الزکاۃ باب الکنز ما ھو؟ وزکوٰۃ الحلی ح ۱۵۶۳)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے اور اسے ابن القطان الفاسی نے بھی صحیح کہا ہے۔

(نصب الرایہ ج ۲ ص ۳۷۰)

اس حدیث سے کئی مسئلے معلوم ہوئے:

۱: عورتوں کے لئے سونا جائز ہے چاہے وہ کڑوں کی صورت میں ہو یا ٹکڑوں کی صورت میں۔

۲: زیورات پر زکوٰۃ فرض ہے (بشرطیکہ نصاب یعنی سات تولے) تک پہنچ جائیں۔

۳: رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر صحابہ کرام ہر وقت جان نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

۴: رسول اللہ ﷺ غیب نہیں جانتے تھے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ صحیح احادیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔ان کی پیش کردہ دلیل کا تعلق عدمِ زکوٰۃ سے ہے یا کراہیت تنزیہی ہے۔ متعدد علماء نے شیخ صاحب رحمہ اللہ کا رد لکھا ہے۔ [شہادت، جنوری ۲۰۰۱ء]

ٹی وی پر میچ (کھیل) دیکھنا

سوال ٹی وی پر کوئی میچ یا کھیل وغیرہ دیکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(تطہیر افضال، لاہور)

الجواب ٹی وی پر میچ یا کھیل وغیرہ دیکھنا درج ذیل وجوہ کی رو سے ناجائز ہے:

① اس میں فحاشی اور بے حیائی ہوتی ہے، مرد اور عورتیں ایک دوسرے کو بغیر شرعی دلیل یا عذر کے دیکھتے رہتے ہیں بلکہ بسا اوقات عریانی بھی ہوتی ہے۔

② اس میں گانا بجانا (معازف) اور اس قسم کے مذموم وممنوع افعال ہوتے ہیں۔

③ وقت کا ضیاع ہوتا ہے، لوگ اتنے منہمک رہتے ہیں کہ نہ نماز کی خبر ہے اور نہ دین و اخلاق کی پروا۔

④ ان کھیلوں میں جوا بھی ہوتا ہے۔

⑤ اس کا شمار لہو ولعب میں ہوتا ہے جو شریعتِ اسلامیہ میں جائز نہیں ہے۔

⑥ بعض لوگ فتح یا شکست کو اپنی زندگی یا موت سمجھتے ہیں۔ بعض اوقات اپنی پسندیدہ ٹیم کی شکست پر خودکشی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ ان اور دیگر وجوہ کی رو سے یہ میچ یا کھیل دیکھنے جائز نہیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وكل ما يلهو به المرء المسلم باطل، إلا رميه بقوسه وتأديبه فرسه وملاعبته امرأته فإنهن من الحق .))

اور ہر کھیل جو مسلمان کو (اللہ کی اطاعت سے) غافل کر دیتے ہیں، باطل ہیں سوائے تیر اندازی، (جہاد وغیرہ کے لئے) گھوڑے پالنا اور (خاوند، دولہا کا) اپنی بیوی سے پیار و محبت کرنا (اور کتاب وسنت سے ثابت دوسری چیزیں) بے شک یہ صحیح ہیں۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۸۱۱، سنن الترمذی: ۱۶۳۷، وقال: حسن صحیح)

یہ روایت حسن لذاتہ ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے مسند احمد (ج۴ص ۱۴۴) میں سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ الازرق (راوی) کو حافظ ابن حبان، حاکم (۹۵/۲) ذہبی اور ہیثمی (مجمع الزوائد ۳۲۹/۴) وغیرہم نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے نیل المقصود (۲۵۱۳) اس حدیث کے شواہد بھی ہیں۔ والحمد للہ

[شہادت، نومبر ۲۰۰۰ء]

سوال ریڈیو پر کسی میچ یا کھیل وغیرہ کی کمنٹری سننا شرعی طور پر کیسا ہے؟

(تطہیر افضال، لاہور)

الجواب درج بالا دلائل کی رو سے ریڈیو پر بھی یہ کمنٹریاں سننا جائز نہیں ہے۔

[شہادت، نومبر ۲۰۰۰ء]

سوال کسی جگہ پر حقیقی طور پر کوئی کھیل تماشا دیکھنا شرعی طور پر کیا حیثیت رکھتا ہے؟

(تطہیر افضال، لاہور)

الجواب جہادی یا جائز کھیلوں میں اگر درج بالا قباحتیں نہ ہوں تو ان میں شریک ہونا اور دیکھنا جائز ہے جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حبشیوں کا کھیل دیکھا تھا۔

[شہادت، نومبر ۲۰۰۰ء]

سوال کیا کوئی کھیل خود کھیلنا یا دیکھنا یا ریڈیو پر سننا یا ٹی وی پر دیکھنا (قطعی) حرام ہے، (یا کسی حد تک) جائز ہے؟ (تطہیر افضال، لاہور)

الجواب حرام اور حلال کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہی ہے، ہمارا کام یہ ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات دوسروں تک پہنچائیں، جس مسئلہ میں نص صریح ہمیں معلوم نہیں ہے وہاں نصوص کے عموم سے استدلال کر کے قضیہ معینہ میں وقتی و عارضی فیصلہ کر دیتے ہیں۔ والعلم عند اللہ عزوجل

سابقہ جواب کی رو سے فضول اور مضر کھیل دیکھنا ناجائز اور ممنوع ہیں۔

[شہادت، نومبر ۲۰۰۰ء]

سر کو ٹوپی وغیرہ سے ڈھانپنا

سوال شرح السنہ وغیرہ میں روایت ہے کہ نبی ﷺ کے سر پر ہر وقت ٹوپی یا کپڑا پڑا رہتا تھا، اسے غالباً شیخ البانی اور حافظ ابن حجر نے صحیح کہا ہے۔

(حبیب اللہ، پشاور)

الجواب فتح الباری (ج ۱۰ ص ۲۷۴ ح ۵۸۰۷) کے تحت ایک حدیث "کان ﷺ یکثر القناع" مذکور ہے لیکن حافظ ابن حجر نے اسے صحیح نہیں کہا، اسے مسعود احمد بی ایس سی تکفیری خارجی نے "منہاج المسلمین" (طبع ۱۴۱۶ھ) ص ۴۷۹ حاشیہ نمبر ۱ پر بحوالہ شرح السنہ للبغوی نقل کر کے یہ مسئلہ گھڑا ہے کہ "مرد کو بھی اکثر اپنا سر ڈھکا رکھنا چاہیے، خاص طور پر جب کہیں آئے جائے" (حوالہ مذکورہ)

روایت مذکورہ شرح السنہ للبغوی (ج ۱۲ ص ۸۲ ح ۳۱۶۴) پر بسند امام ترمذی موجود ہے، یہی روایت امام ترمذی کی کتاب الشمائل (ح ۳۳، ۱۲۵ بتحقیقی) میں اسی سند کے ساتھ موجود ہے، اس کا ایک راوی یزید بن ابان الرقاشی ضعیف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الضعفاء میں فرمایا:

''کان شعبة یتکلم فیه'' شعبہ اس پر جرح کرتے تھے۔ (ص۱۰۲ ت۴۱۳ بتحقیقی)

امام نسائی نے فرمایا: ''متروك بصري'' یعنی بصری متروک ہے۔ (کتاب الضعفاء: ۶۴۲)

تفصیلی جرح کے لئے تہذیب التہذیب وغیرہ دیکھیں۔ حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب (ص ۳۸۱) میں لکھا ہے: ''زاهد ضعیف'' [وہ زاہد ضعیف ہے۔] لہٰذا یہ سند ضعیف ہے، بیہقی نے شعب الایمان (۲۲۶/۵ ح ۶۴۶۵، دوسرا نسخہ ۴۲۹/۸ ح ۶۰۴۶) میں اس کا ایک شاہد روایت کیا ہے۔ (الضعیفہ للالبانی: ۲۳۵۶)

جس کی سند بشر بن مبشر (شعب الایمان میں مبشر بن مکسر لکھا ہوا ہے۔!؟) اور محمد بن ہارون بن عیسیٰ الازدی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ضعیف روایات کو بطورِ حجت پیش کرنا، ''رجسٹرڈ جماعت المسلمین'' کے ''امیر'' کا ایسا کام ہے جس پر ان کے مقلدین سرپٹ دوڑے جارہے ہیں۔ یاد رہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے درج بالا دونوں روایتوں کو بلحاظِ سند ضعیف قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الضعیفہ ج۵ ص۳۸۰) [شہادت جنوری ۲۰۰۳ء]

سالی غیر محرم ہے

سوال سالی سے پردہ ضروری ہے یا کہ نہیں؟ (ظفر اقبال، کامرہ)

الجواب نصوصِ عامہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سالی غیر محرم ہے لہٰذا اس سے بھی پردہ کرنا چاہیے۔ [شہادت، دسمبر ۲۰۰۳ء]

محرم الحرام اور کالا لباس

سوال ایک سلفی العقیدہ محرم الحرام اور غیر محرم میں کالا لباس پہن سکتا ہے یا نہیں؟

(محمد منور بن زکی، ریاض سعودی عرب)

الجواب محرم میں کالا لباس نہ پہنیں کیونکہ اس سے روافض کی مشابہت ہوتی ہے۔
دیکھئے حدیث: ((**من تشبه بقوم فهو منهم**)) جس نے کسی قوم کے ساتھ مشابہت رکھی تو وہ انھیں میں سے ہے۔ (سنن ابی داود: ۴۰۳۱ وھو حدیث حسن)
تاہم یاد رہے کہ مطلقاً کالا لباس پہننا جائز ہے لہٰذا محرم کے علاوہ ایسا لباس پہن سکتے ہیں۔
عامۃ الناس میں یہ جو مشہور ہے کہ کالا لباس جہنمیوں کا ہے، یہ ایک بے دلیل بات ہے جس کا کوئی ثبوت صحیح احادیث میں نہیں ملتا۔ [شہادت، اگست ۲۰۰۱ء]

التحقیق القوی فی عدم سماع الحسن البصری من علی رضی اللہ عنہ

سوال کیا امام حسن بصری رحمہ اللہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے؟
طاہر القادری (بریلوی) نے ''القول القوی فی سماع الحسن عن علی'' نامی رسالہ لکھا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حسن بصری کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔ اس مسئلے میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟ (اعظم المبارکی)

الجواب امام ابو سعید الحسن بن ابی الحسن: یسار البصری رحمہ اللہ ۲۱ یا ۲۲ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی، آپ کے ثقہ فقیہ فاضل ہونے پر اتفاق ہے۔
حسان بن ابی سنان البصری رحمہ اللہ (صدوق عابد/تقریب التہذیب: ۱۲۰۰) سے روایت ہے کہ میں نے حسن (بصری) کو فرماتے ہوئے سنا: '' **أدركت سبعين بدريًا و صليت خلفهم و أخذت بحجزهم** '' میں نے ستر (۷۰) بدریوں کو پایا، اُن کے پیچھے نمازیں پڑھیں اور اُن کا دامن تھاما۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۹۶، وسندہ حسن)
اس روایت کے راوی ریاح بن عمرو القیسی پر امام ابو داود کی جرح امام ابو داود سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ اس جرح کا راوی ابو عبید الآجری مجہول الحال ہے۔
امام حسن بصری کے درج بالا قول سے معلوم ہوا کہ انھوں نے بچپن میں ستر بدری صحابہ کو دیکھا تھا، لیکن کیا اُن سے احادیث بھی سنی تھیں؟ اس کا کوئی ذکر اس روایت میں

نہیں ہے۔ ستر بدری صحابہ سے مراد دو گروہ ہی ہو سکتے ہیں:

اول: وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھوں نے غزوۂ بدر میں شمولیت اختیار کی تھی۔

دوم: بدر نامی علاقے کے رہنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اگر اول الذکر مراد ہو تو سوال یہ ہے کہ کیا ان جلیل القدر صحابہ کرام میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن سے حسن بصری کو رُویت (دیکھنے) کا شرف حاصل ہوا؟

حافظ ابوالحجاج المزی وغیرہ علماء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا۔

دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲ ص ۱۱۴، طبعہ مصغرہ: موسسۃ الرسالہ)

یونس بن عبید سے روایت ہے کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا: اے ابوسعید! آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حالانکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا؟ انھوں نے جواب دیا: اے بھتیجے! تم نے مجھ سے ایسی چیز کے بارے میں پوچھا ہے جس کے بارے میں پہلے کسی نے نہیں پوچھا، اور اگر میرے نزدیک تمھارا (بڑا) مقام نہ ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ بتاتا، میں جس زمانے میں ہوں تم دیکھ رہے ہو (وہ حجاج بن یوسف کا زمانہ تھا) تم نے مجھے جب بھی قال رسول اللہ ﷺ کہتے ہوئے سنا ہے تو وہ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے ہے، وجہ یہ ہے کہ میں اس زمانے میں علی (رضی اللہ عنہ) کا نام نہیں لے سکتا۔ (تہذیب الکمال ۲/۱۲۱، الحاوی للفتاوی ۲/۱۰۲، محمد طاہر القادری بریلوی کا رسالہ: القول القوی فی سماع الحسن عن علی رضی اللہ عنہ ص ۴۴)

یہ درج بالا ساری روایت کئی وجہ سے بلحاظِ سند ثابت نہیں ہے:

اول: اس کا راوی عطیہ بن محارب نامعلوم (مجہول) ہے۔

دوم: ثمامہ بن عبیدہ ضعیف ہے۔ ابو حاتم الرازی نے فرمایا: "منکر الحدیث" نیز علی بن المدینی نے اُسے سخت ضعیف اور جھوٹ بولنے والا قرار دیا۔ (الجرح والتعدیل ۲/۴۶۷)

سوم: محمد بن موسیٰ بن نفیع الحرشی بھی مجروح ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا:

"لیّن" یعنی ضعیف (تقریب التہذیب: ۶۳۳۸)

چہارم: محمد بن حنیفہ الواسطی کے بارے میں امام دارقطنی نے کہا: "**ليس بالقوي**"

(سوالات الحاکم للدارقطنی: ۲۱۹، اور لسان المیزان ۵/۱۵۰)

اس ضعیف و مردود سند سے طاہر القادری نے استدلال کر کے اپنی "ڈاکٹریٹ" کا صحیح تعارف کرا دیا ہے۔!

سیوطی وغیرہ نے چند روایات ایسی پیش کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سنا تھا، ان روایات میں سے ایک روایت بھی صحیح و ثابت نہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: سیوطی نے مسند ابی یعلیٰ (؟) سے امام ابو یعلیٰ کی سند کے ساتھ عقبہ بن ابی الصہباء الباہلی سے نقل کیا: "**سمعت الحسن يقول: سمعت علياً يقول قال رسول الله ﷺ: مثل أمتي مثل المطر ..**" (الحاوی للفتاوی ۲/۱۰۴، اتحاف الفرقۃ برفو الخرقۃ)

کسی محمد بن الحسن بن الصیرفی نے اس روایت کو حسن کے علی رضی اللہ عنہ سے سماع میں نصِ صریح قرار دیا ہے لیکن عرض ہے کہ اس "نصِ صریح" سے استدلال کئی وجہ سے غلط و مردود ہے:

اول: یہ روایت مسند ابی یعلیٰ میں نہیں ملی لہٰذا سوال یہ ہے کہ کس نے اُسے امام ابو یعلیٰ سے روایت کیا ہے؟

سیوطی نے کہا: "**قال الحافظ ابن حجر: ووقع في مسند أبي يعلى قال ...**" إلخ

حافظ ابن حجر نے کہا: اور مسند ابی یعلیٰ میں ہے کہ انھوں نے فرمایا... (الحاوی للفتاوی ۲/۱۰۴)

حافظ ابن حجر کی کسی کتاب میں سیوطی کا منسوب کردہ یہ قول نہیں ملا اور حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ میں وفات پا گئے تھے اور سیوطی ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے لہٰذا حافظ ابن حجر سے سیوطی کا سماع ثابت نہیں ہے، یعنی سیوطی کی یہ نقل منقطع اور بے سند ہے۔

دوم: خود حسن بصری نے فرمایا کہ انھوں نے بالمشافہ حدیث (سننے) کے ساتھ بدریوں میں سے کسی سے بھی ملاقات نہیں کی... الخ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ج ۲ ص ۳۵ وسندہ صحیح)

قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں حسن (بصری) نے کسی بدری صحابی سے ملاقات کا نہیں بتایا۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ص ۱۵۹، وسندہ صحیح)

یہ ظاہر ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بدری صحابی تھے اور امام حسن بصری نے اپنے بارے میں بالکل سچ فرمایا ہے لہٰذا سیوطی کی بے حوالہ نقل (؟) مردود ہے۔

یاد رہے کہ ابن الصیر فی سے بھی سیوطی کی نقل محلِ نظر ہے۔

۲: حدیث المصافحہ... "عيسى القصار (؟) قال : صافحت الحسن البصري قال : صافحت علي بن أبي طالب ... " إلخ (الحاوی للفتاوی ج ۲ص ۱۰۴)

یہ ساری روایت مجہول راویوں کی وجہ سے مردود ہے۔

عیسیٰ القصار، علی بن الرزینی اور احمد بن محمد النغر وی وغیرہم کون تھے؟ اللہ ہی جانتا ہے۔

جو شخص صوفیوں کی اس سند کو صحیح سمجھتا ہے، اُس پر یہ لازم ہے کہ ابن مسدی سے لے کر حسن بصری تک ہر راوی کا ثقہ یا صدوق ہونا باحوالہ ثابت کردے۔

۳: سعید بن ابی عروبہ عن عامر الاحول عن الحسن کی سند سے مروی ہے کہ قال: " شهدت علياً رضي الله عنه بالمدينة ... "میں نے مدینے میں علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔

(شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ للالکائی ؟، الحاوی للفتاوی ۲/ ۱۰۴)

یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: سعید بن ابی عروبہ مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔

دوم: تمیم بن محمد کی توثیق مطلوب ہے۔

سوم: محمد بن احمد بن حمدان نامعلوم ہے۔

چہارم: احمد بن محمد الفقیہ کا تعین مطلوب ہے۔

پنجم: السنہ للالکائی میں یہ روایت نہیں ملی۔

۴: سلیمان بن سالم القرشی نے علی بن زید (بن جدعان) سے روایت کیا، اُس نے حسن بصری سے روایت کیا کہ انھوں نے علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کو باہم معانقہ کرتے ہوئے دیکھا...الخ

(التاریخ الصغیر للبخاری ۲/ ۱۹۹ رقم ۲۲۹۵، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۸۲، التاریخ الاوسط للبخاری وھو المشھور بالتاریخ الصغیر

۶۹۰/۴ ح ۱۰۶۸، الکامل لابن عدی ۲۰۷۰/۳ رقم ۴۲ ۷، دوسرا نسخہ ۱۱۱۹/۳، تیسرا نسخہ ۲۶۲/۴)

اس روایت کا راوی علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۴۷۳۴)

جمہور نے اُسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے زوائد سنن ابن ماجہ للبوصیری (۲۲۸) اور مجمع الزوائد (۲۰۶/۸، ۲۰۹)

تنبیہ: حاکم نیشاپوری نے حسن کی علی رضی اللہ عنہ سے روایت کو صحیح کہا ہے۔ (المستدرک ۳۸۹/۴ ح ۷۶۹۱) لیکن ذہبی نے "فیه ارسال" کہہ کر اس روایت کے منقطع ہونے کی صراحت کردی ہے۔ دیکھئے تلخیص المستدرک (۳۸۹/۴)

امام بخاری نے حسن عن علی کی ایک روایت کو "حسن" کہا اور فرمایا: حسن نے علی کو پایا ہے۔ (العلل الکبیر للترمذی ۵۹۳/۲، ابواب الحدود)

شمس الدین ابن الجزری (متوفی ۸۳۳ھ) نے حسن عن علی والی ایک روایت کو "وهذا حديث صحيح الإسناد" کہا۔ (مناقب الاسد الغالب ج ۱ ص ۴۷، از مکتبہ شاملہ)

یہ اقوال جمہور علماء کی تحقیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہیں۔

طاہر القادری نے ضعیف روایات لکھ کر دعویٰ کیا ہے کہ "یہ تمام روایات صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے احادیث کا سماع کیا اور ان سے بکثرت طریقت و معرفت کا فیضان حاصل کیا تھا۔" (القول القوی ص ۸۵)

عرض ہے کہ طاہر القادری کی مذکورہ روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں لہٰذا بکثرت طریقت و معرفت کے فیضان حاصل کرنے کا دعویٰ باطل ہے۔

ان غیر ثابت روایات کے بعد وہ دلائل پیشِ خدمت ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا تھا:

۱) حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "أنه [ما] لقي أحدًا من البدريين شافهه بالحديث ..." انھوں (یعنی حسن بصری) نے کسی ایک بدری صحابی سے حدیث سننے والی

ملاقات نہیں کی۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی ج ۲ ص ۳۵ وسندہ صحیح)

۲) حسن بصری کے شاگرد قتادہ نے کہا: ہمیں حسن (بصری) نے نہیں بتایا کہ کسی بدری صحابی سے اُن کی ملاقات ہوئی ہو۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۵۹، وسندہ صحیح، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۶۷)

۳) اسماء الرجال کے مشہور امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۴ھ) نے فرمایا:
حسن نے علی (رضی اللہ عنہ) کو نہیں دیکھا اِلا یہ کہ انھوں نے بچپن میں اُنھیں دیکھا ہو۔

(المراسیل لابن ابی حاتم ص ۳۲ وسندہ صحیح)

٤) امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ (متوفی ۲٦۴ھ) نے فرمایا: حسن (بصری) نے (سیدنا) عثمان اور علی (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا اور اُن سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

(المراسیل لابن ابی حاتم ص ۳۱ ملخصاً وسندہ صحیح)

۵) امام ابوعیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: اور ہمیں حسن (بصری) کا علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے سماع معلوم نہیں ہے۔ (جامع الترمذی: ۱۴۲۳)

٦) حافظ ابوالحجاج المزی رحمہ اللہ نے فرمایا:
حسن (بصری) نے علی بن ابی طالب، طلحہ بن عبید اللہ اور عائشہ کو دیکھا اور اُن میں سے کسی ایک سے بھی اُن کا سماع صحیح ثابت نہیں ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۱۱۴ نسخہ مؤسسۃ الرسالہ)

۷) حافظ ذہبی نے کہا: حسن بصری نے علی اور ام سلمہ (رضی اللہ عنہما) دونوں سے نہیں سنا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵٦٦)

۸) حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: حسن بصری نے علی (رضی اللہ عنہ) سے نہیں سنا۔

(اتحاف المہرہ ج ۱۱ ص ۳۴۱ قبل ح ۱۴۱۵۵)

۹) امام ابوحاتم الرازی نے قتادہ عن "الحسن عن علي عن النبي ﷺ" والی روایت کے بارے میں فرمایا: "وھو مرسل" اور وہ مرسل (منقطع) ہے۔

(علل الحدیث لابن ابی حاتم طبعہ محققہ ج ۱ ص ۵۲۰ ح ٦۵۷)

۱۰) بیہقی نے حسن عن علی والی روایت کو" منقطع "کہا۔

(معرفۃ السنن والآثار ۶/۲۶۶ ح ۴۹۸۰، الدیات باب قتل الرجل بالمرأۃ)

اورکہا: "وقالوا : رواية الحسن عن علي لم تثبت . و أهل العلم بالحديث يرونها مرسلة." اور انھوں (محدثین) نے کہا: حسن کی علی سے روایت ثابت نہیں ہے۔ حدیث کے علماء اسے مرسل (منقطع) سمجھتے ہیں۔

(معرفۃ السنن والآثار ۳/۷، ۸، صلوٰۃ الخوف)

نیز دیکھئے الجوہر النقی (۳/۳۴۰)

۱۱) ابن الترکمانی حنفی نے کہا:

" الحسن أيضًا لم يسمع عليًا ." اور حسن نے علی (رضی اللہ عنہ) سے سنا بھی نہیں۔

(الجوہر النقی ج ۴ ص ۲۸۶)

۱۲) ابن عراق الکنانی (متوفی ۹۶۳ھ) نے کہا:

" وهو من حديث الحسن عن علي ولم يلقه ... " اور وہ حسن کی علی (رضی اللہ عنہ) سے حدیث میں سے ہے اور انھوں نے علی سے ملاقات نہیں کی۔

(تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الموضوعۃ ۲/۲۶۷ ح ۱۳۳، کتاب الاطعمہ)

۱۳) ابن عبدالہادی نے کہا:" الحسن لم يسمع من علي "حسن نے علی (رضی اللہ عنہ) سے نہیں سنا۔ (تنقیح تحقیق احادیث التعلیق ۳/۲۱۲ ح ۱۸۷۱، از مکتبہ شاملہ)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمہور محدثین وعلماء کے نزدیک حسن بصری رحمہ اللہ کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت عدمِ سماع کی وجہ سے منقطع (یعنی ضعیف) ہے۔

تنبیہ: سیوطی نے اتحاف الفرقۃ برفو الخرقۃ (فرقے کا تحفہ، خرقے یعنی پرانے پھٹے ہوئے کپڑے کے ٹکڑے [چیتھڑے] کی مرمت) کے عنوان سے جس صوفیانہ خرقے کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کے بارے میں اہلِ تصوف کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ خرقہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حسن بصری رحمہ اللہ کو پہنایا تھا اور حسن بصری نے اپنے شاگرد کو پہنایا پھر اسی طرح

آگے صوفیاء میں یہ (چوغہ پہننے کی) رسم چلی۔

عرض ہے کہ اس صوفیانہ خرقے اور چوغے کا کوئی ثبوت کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے بلکہ کسی ضعیف حدیث میں بھی نہیں ہے۔

سخاوی (صوفی) نے لکھا ہے: ''قال ابن دحية و ابن الصلاح : إنه باطل و كذا قال شيخنا ... ''ابن دحیہ اور ابن الصلاح نے کہا: یہ باطل ہے اور اسی طرح ہمارے استاذ (حافظ ابن حجر) نے فرمایا... (المقاصد الحسنہ ص۳۳۱ ح۸۵۲ حرف اللام)

پھر سخاوی نے حافظ ابن حجر سے نقل کیا کہ یہ جھوٹ اور افتراء ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے حسن بصری کو خرقہ پہنایا تھا کیونکہ حدیث کے اماموں نے حسن کا علی سے سماع ہی ثابت قرار نہیں دیا، کجا یہ کہ وہ اُن سے خرقہ پہنیں؟

پھر سخاوی نے کہا: ہمارے استاذ (ابن حجر) اس بیان میں اکیلے نہیں بلکہ دمیاطی، ذہبی، ہکاری، ابو حیان، علائی، مغلطائی، عراقی، ابن الملقن، ابناسی، برہان الحلبی اور ابن ناصر الدین نے بھی یہی بات کہی ہے۔ (المقاصد الحسنہ ص۳۳۱)

نیز دیکھئے الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ لملا علی قاری (ص۲۷۰۔۲۷۱ ح۳۵۶)

خرقے والے قصے کے بارے میں حافظ ذہبی نے کلام کر کے اس کا منقطع ہونا ثابت کیا ہے۔ دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (۱۸۴/۱۰، وفیات ۱۶۱۔۱۷۰ھ)

سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تک بعض صوفیاء کے سلسلوں کی متصل صحیح سند بھی کہیں موجود نہیں ہے اور اس سلسلے میں تمام صوفیانہ دعاوی کذب وافتراء سے لبریز ہیں مثلاً حسین احمد مدنی (دیوبندی) کے ''سلاسلِ طیبہ'' (ص۸) میں وسیلے والا سلسلہ بلحاظِ سند ثابت نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

صوفیا اور بعض علماء کا خرقہ پہننا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امام حسن بصری کو یہ خرقہ (صوفیانہ چوغہ) پہنایا تھا لہٰذا اتحاف الفرقہ سے خرقہ رفو نہیں ہوا بلکہ اور زیادہ پھٹ گیا۔ یہ اس وقت رفو ہوگا جب اس کی صحیح متصل سند پیش کی جائے گی۔

اس ساری بحث سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا تھا۔

(۱۲/نومبر ۲۰۰۹ء)



احمد ممتاز دیوبندی کے اعتراضات کا جواب

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين، أما بعد:

راقم الحروف نے ''تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے (طبع اول جنوری ۱۹۹۷ء) جس کا دوسرا ایڈیشن مع زیادات مکتبہ اسلامیہ لاہور، فیصل آباد سے ستمبر ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا ہے۔ والحمد للہ

اس تحقیقی کتاب کے مکمل جواب سے تمام آلِ تقلید عموماً اور تمام آلِ دیوبند خصوصاً عاجز ہیں۔ کسی احمد ممتاز دیوبندی نے اس کتاب کے صفحہ ۶۸ (طبع ۲۰۰۶ء) کی چار باتوں پر تبصرہ لکھا ہے جس کا جواب (اصل عبارت پر نمبر لگا کر) پیشِ خدمت ہے:

نمبر:۱) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

'' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صرف صفحہ نمبر ۶۸ کی چار باتوں پر تبصرہ

① جناب محترم علی زئی صاحب رقمطراز ہیں: ال تقلید کا دعویٰ ہے کہ مسنون تراویح بیس رکعات ہیں لیکن ایک بھی صحیح حدیث بطورِ دلیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

تبصرہ: محترم کی خدمت میں درجہ ذیل امور کی وضاحت کی درخواست ہے تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے۔

نمبرا: جناب نے احناف کو'' ال تقلید'' کہا ہے بار بار۔ اس کا کیا مطلب ہے؟[۱] اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ احناف اجتہادی مسائل میں مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں[۲] تو اس مطلب کے اعتبار سے تو یہ اچھا معنی ہے کیونکہ خود محترم نے ''الحدیث حضرو شمارہ نمبرا'' میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اجماع اور اجتہاد و قیاس شرعی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں لہٰذا مجتہد کے اجتہاد اور قیاس شرعی کو ماننا قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کو ماننا ہوا اور یہ اچھی بات ہے، اس کو طعن وتشنیع کے انداز میں پیش کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق اور ان کی بے حرمتی اور گستاخی ہے یا نہیں؟

محترم اس کا جواب دیں۔(۳)"

الجواب ۱) میں نے احناف کو نہیں بلکہ تقلیدیوں، دیو بندیوں اور بریلویوں کو آلِ تقلید کہا ہے اور حقیقت میں بھی یہ لوگ آلِ تقلید ہیں۔

۲) دیو بندی و بریلوی حضرات مجتہد کے اجتہاد پر نہیں بلکہ اپنے اپنے اکابر علماء کے اجتہادات پر عمل کرتے ہیں اور یاد رہے کہ یہ لوگ حنفی نہیں بلکہ صرف تقلیدی ہیں۔

۳) غیر مجتہد کے اجتہادات اور کتاب وسنت کی مخالفت کرنے والے تقلیدی حضرات پر تنقید کرنا بے حرمتی اور گستاخی نہیں ہے بلکہ یہ تنقید عین حق اور صواب ہے اور اہلِ سنت کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اہلِ بدعت پر رد کرتے ہیں۔

نمبر: ۲) احمد ممتاز دیو بندی نے لکھا ہے:

" اگر مطلب یہ ہے کہ احناف اجتہادی مسائل میں غیر مجتہد کے اجتہاد اور قیاس پر چلتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ یہ احناف پر الزام اور تہمت ہے(۱) اور سورج کو انگلی سے چھپانے کے مترادف ہے البتہ اس مطلب کے اعتبار سے غیر مقلدین کو ال تقلید کہا جا سکتا ہے۔(۲) کیونکہ جناب نے اپنے رسالے میں اجتہاد کو اسلیئے تسلیم کیا ہے کہ بعض مسائل شرعیہ ایسے ہیں جو نہ تو صراحتاً کتاب اللہ سے ثابت ہیں اور نہ سنت واجماع سے بلکہ اجتھاد اور قیاس شرعی سے ثابت ہیں۔ اب ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپکی پارٹی کا ان مسائل شرعیہ اجتہادیہ میں کوئی مجتہد ہے یا نہیں؟(۳) میری ناقص تحقیق تو یہ ہے کہ نہیں، بلکہ یہ غیر مجتھد کی تقلید میں اِن مسائل پر چلتے ہیں۔(۴) اگر محترم علی زئی صاحب کے خیال میں ہماری یہ تحقیق غلط ہے تو براہ کرم اس مجتھد کا نام باحوالہ بتا دیا جائے جسکی تقلید میں آپ کی پارٹی متفقہ طور پر مسائل شرعیہ اجتھادیہ پر عمل کرتے ہیں(۵) نیز اگر محترم کا دعویٰ اس کے سوا یہ ہو کہ ہمارے فرقہ غیر مقلدین کا تو ہر فرد خود مجتھد ہوتا ہے ہر ایک کو اجتہاد اور قیاس کا حق حاصل ہے کسی دوسرے مجتھد کی ضرورت ہی نہیں تو جناب سے درخواست یہ ہے کہ آپ اس عموم اجتھاد کے دعویٰ پر کوئی شرعی دلیل پیش فرمائیں۔(۶) بہر حال ال تقلید کے دونوں مطالب میں سے جو آپ کی مراد ہے اس پر جو اشکال ہے اس کا جواب دیجیئے گا اگر کوئی تیسرا مطلب ہے تو جناب اس کو باحوالہ مدلل بیان فرمائیں۔(۷)"

الجواب ۱) دیو بندی حضرات اجتہادی مسائل ومسائل منصوصہ میں غیر مجتہد

کے اجتہاد اور قیاس پر چلتے ہیں لہٰذا وہ اپنے دعویٰ تقلید ابی حنیفہ میں جھوٹے ہیں مثلاً:

مثال اول: امام ابوحنیفہ مجلّدین ومنعلین کے علاوہ دیگر جرابوں پر مسح کے قائل نہیں تھے مگر بعد میں انھوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ ملا مرغینانی لکھتے ہیں:

"و عنه أنه رجع إلى قولهما و عليه الفتوىٰ" "اور امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ انھوں نے قاضی ابو یوسف و محمد بن الحسن الشیبانی کے قول (جوازِ مسح علی الجوربین) کی طرف رجوع کر لیا اور (حنفیوں کا) اس پر فتویٰ ہے۔ (الہدایہ اولین ص ۶۱ باب المسح علی الخفین)

امام ابوحنیفہ کے اس رجوع کے بعد دیوبندی حضرات اپنے اکابر کی وجہ سے جرابوں پر مسح کے قائل نہیں ہیں۔

مثال دوم: امام شافعی رحمہ اللہ اپنے آخری قول میں فرماتے ہیں کہ "کسی آدمی کی نماز جائز نہیں ہے جب تک وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ لے۔ چاہے وہ امام ہو یا مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر یہ لازم ہے کہ سری اور جہری (دونوں نمازوں) میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔" (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۲/ ۵۸ ح ۹۲۸ وسندہ صحیح، نصر الباری ص ۲۴۸)

مجتہد کا یہ قول دیوبندی حضرات بالکل نہیں مانتے۔

مثال سوم: امام مالک رحمہ اللہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیروں کے قائل ہیں۔ دیکھئے موطأ امام مالک (ج ۱ ص ۱۸۰ ح ۴۳۵ وقال: "وهو الأمر عندنا") سنن الترمذی (۵۳۶)

جبکہ دیوبندی حضرات بارہ تکبیروں پر عمل نہیں کرتے بلکہ مخالف ہیں۔

مثال چہارم: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آمین بالجہر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام اور اس کے مقتدی آمین بالجہر کہیں۔ دیکھئے مسائل احمد روایۃ عبداللہ بن احمد (ج ۱ ص ۲۵۶ مسئلہ: ۳۵۸) اور سنن الترمذی (ح ۲۴۸)

حالانکہ اس مسئلے سے دیوبندی حضرات کو بہت چڑ ہے۔ معلوم ہوا کہ دیوبندی لوگ مجتہدین (اور کتاب وسنت واجماع) کے خلاف اپنے غیر مجتہد اکابر کے اجتہاد وقیاس پر چلتے ہیں۔

۲) تقلید نہ کرنے والے کو غیر مقلد کہا جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ غیر مقلد تھے۔

دیکھئے مجالس حکیم الامت (ص ۳۴۵) حقیقۃ حقیقۃ الالحاد (ص ۷۰)

لہٰذا ثابت ہوا کہ غیر مقلدین کو آلِ تقلید کہنا غلط ہے۔

۳) مسائل اجتہادیہ میں ہر شخص اجتہاد کرے گا اور یہ اجتہاد عارضی و وقتی ہوگا، اسے دائمی قانون کی حیثیت نہیں دی جائے گی۔ دیوبندی حضرات بھی مسائل اجتہادیہ میں اجتہاد کرتے ہیں مثلاً روزے کی حالت میں ٹیکا لگانا، زخمی و مریض کو عندالضرورت اپنا بعض خون دینا، روزے کی حالت میں اِنہیلر کا مسئلہ اور جہاز میں نماز وغیرہ۔

٤) یہ کہنا کہ اہلِ حدیث (علماء و عوام) ان مسائل میں غیر مجتہد کی تقلید کرتے ہیں، ناقص و فاسد و باطل "تحقیق" ہے۔

۵) اہلِ حدیث کے دو گروہ ہیں: (۱) علماء (۲) عوام

علماء کتاب و سنت علیٰ فہم السلف الصالحین، اجماع اور اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور عوام ان علماء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ رجوع نوع من الاجتہاد ہے تقلید نہیں ہے۔

اہلِ حدیث کے نزدیک آلِ تقلید کی طرح صرف ایک اُمتی مجتہد کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ ہر شخص اپنی حسبِ استطاعت اجتہاد کرتا ہے۔

٦) اجتہاد میں تجزی ہوتی ہے اور عالم ہو یا عامی ہر شخص حسب استطاعت اجتہاد کرتا ہے۔

عامی کا اجتہاد یہ ہے کہ عالم سے جا کر مسئلہ پوچھے اور کہے کہ مجھے قرآن و حدیث سے جواب دیں۔ عالم حسبِ استطاعت ادلۂ اربعہ سے جواب دیتا ہے۔

جس دلیل سے آپ لوگ خصوصِ اجتہاد کا ثبوت لاتے ہیں اُسی سے عمومِ اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز دیکھئے ایقاظ ہمم اولی الابصار (ص ۳۹ سطر ۸)

فرض کریں کہ ایک عامی ان پڑھ جنگل میں ہے اور سمتِ قبلہ بھول گیا ہے تو کیا یہ قبلہ معلوم کرنے کے لئے اجتہاد نہیں کرے گا؟ جن لوگوں نے عصر کی نماز (بنو قریظہ والے دن) شام سے پہلے راستے میں ہی پڑھ لی تھی، کیا انھوں نے اجتہاد نہیں کیا تھا؟

۷) ہم نے اپنا مفہوم و مطلب تو بیان کر دیا ہے مگر یاد رکھیں کہ تقلیدی حضرات یہ کہتے

پھرتے ہیں کہ حق اور انصاف یہ ہے کہ فلاں امام کو ترجیح حاصل ہے مگر ہم تو فلاں (دوسرے) کے مقلد ہیں اور ہم پر اس کی تقلید واجب ہے۔ سبحان اللہ!

نمبر: ۳) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

"جناب نے فرمایا ہے کہ احناف گویا بیس رکعات تراویح کو مسنون کہتے ہیں پر بطور دلیل ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ (۱)

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ کسی عمل کے مسنون ہونے کو ثابت کرنے کیلئے حدیث صحیح کا پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (۲) بدوں حدیث صحیح کے سنت ثابت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (۳) فرض، واجب سنت اور مستحب کے اصطلاحی نام آپ کے ہاں بھی مستعمل ہیں (۴) جناب واضح الفاظ میں بتائیں کہ فرض کے ثبوت کیلئے کس قسم کی آیت اور حدیث کی ضرورت ہے، واجب کیلئے کس قسم آیت اور حدیث کی ضرورت ہے اور سنت، مستحب اور نفل کیلئے کس قسم کی آیت و حدیث کی ضرورت ہے۔ جناب با حوالہ معیار بتایئے اِن شاء اللہ اسی کے مطابق آپ کو دلیل دی جائے گی ضرور معیار بتایئے گا ورنہ آپ کی شکست تصور کی جائے گی۔ (۵)

نمبر ۳: جواب سے قبل یہ بات بھی سامنے رکھیئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ایک خلیفہ راشد کے اس عمل کو بھی سنت فرماتے ہیں جو بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جلّد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنۃ. (مسلم ص ۷۲ ج ۲، ابن ماجہ ص ۱۸۵ ابوداؤد ص ۲۶۰ ج ۲)۔ (۶) "

الجواب ۱) دیوبندیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف بیس رکعات تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اور اس سے کم یا زیادہ جائز نہیں ہے۔ اس دعویٰ پر وہ ایک بھی صحیح حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ والحمدللہ

۲) ہر مسئلے کے لئے صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے چاہے حدیث مرفوع ہو یا موقوف یا کسی کا اثر۔

۳) سنت کے لئے بھی صحیح حدیث ضروری ہے چاہے رسول اللہ ﷺ سے پیش کریں یا خلفائے راشدین سے۔ ضعیف ومردود روایات کا وجود اور عدم وجود ایک برابر ہے۔

دیکھئے کتاب المجروحین لابن حبان (ج ا ص ۳۲۸ ترجمۃ سعید بن زیاد)

٤) اصطلاحات دو طرح کی ہیں: (۱) اجماعی (۲) اختلافی،
اختلاف میں راجح کو ترجیح دینا ضروری ہے۔

٥) ہر حوالے کے لئے چاہے حدیث مرفوع ہو یا کسی امام کا قول حدیثِ صحیح ضروری ہے اور اسی میں آلِ تقلید کی عبرت ناک شکست ہے۔

٦) یہ روایت ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس سے آلِ تقلید کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

نمبر: ٤) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرۃ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شرابی کو چالیس کوڑے سزا دی اور حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے سزا دی اور دونوں باتیں سنّت ہیں۔ دیکھئے یہ روایت صحیح مسلم کی ہے اور ارشاد حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جو خلیفہ راشد بھی ہیں اور سنت، بدعت وغیرہما کے مفہوم کو بخوبی جانتے بھی ہیں۔ محدّث امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ھذا دلیل ان علیًا کان معظما لآثار عمر و ان حکمه و قوله سنة و امره حق کذلك ابو بکر خلاف ما یکذبه الشیعة علیه (شرح مسلم ص ۷۲ ج ۲)۔

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرۃ علی رضی اللہ عنہ، حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کے آثار کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور ان کے حکم اور قول کو سنت اور ان کے امر کو حق کہتے تھے اسی طرح حضرۃ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی وہ یہی رائی رکھتے تھے نہ کہ شیعہ شنیعہ، جب کہ ان کو جھٹلاتے ہیں۔ (۱)

تنبیہ: مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف امت اور صراط مستقیم کے ص ۳۶ ج ۱ میں تحریر فرمایا ہے ''اور اس اجماعی مسئلہ (تراویح) میں، میں نے بعض حضرات (غیر مقلدین) کو اپنے کانوں سے حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناروا الفاظ کہتے سنا ہے (۲)

نمبر ۴: محترم ایک بات یہ بھی بتلایئے گا کہ ''خیر القرون'' جن کی خیریت بخاری ص ۳۶۲ ج ۱، مسلم ص ۳۰۹ ج ۲ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ان کے عمل کو سنت کہا جائے گا یا نہیں؟ (۳) اور خیر القرون میں کسی ایک مسجد میں بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنے کا معمول کوئی بتا سکتا ہے؟ (۴) اگر جواب ہاں میں ہے تو باحوالہ حضرۃ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کہ ''میں نے مکہ والوں کو تسلسل کے ساتھ بیس رکعات پڑھتے

ہوئے دیکھا ہے'' کی طرح بتائے۔ (۵)

نمبر ۵: محترم سے حدیث صحیح کے متعلق یہ پوچھنا ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے اس حدیث کو صحیح کہا جائے گا یا نہیں؟ نیز تلقی بالقبول کا مطلب کیا ہے۔ واضح اور صاف الفاظ میں بتایئے گا۔ (۶)''

الجواب ۱) اہلِ حدیث تو بحمد اللہ خلفائے راشدین کی سنت کو مانتے ہیں لیکن آلِ تقلید کئی مقامات پر اس سنت کو رد کر دیتے ہیں مثلاً:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔

(الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۲ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے۔!

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز کی طرح وتر حتمی (واجب وفرض) نہیں ہے لیکن وہ سنت ہے پس اسے نہ چھوڑو۔ (مسند احمد ۱/۱۰۷ ح ۸۴۲ وسندہ حسن)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔!

۲) یوسف لدھیانوی دیوبندی کی یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت وناموس کے لئے ہماری جانیں قربان ہیں۔ اے اللہ! ہمیں صحابۂ کرام اور ثقہ تابعین کے ساتھ اُٹھانا!

۳) خیر القرون کا ہر عمل سنت نہیں کہلاتا اور نہ تقلیدی حضرات اسے سنت سمجھتے ہیں مثلاً:

عکرمہ (تابعی) پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸ ح ۱۷۸، وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب غسلِ جنابت کرتے تو اپنی دونوں آنکھوں میں پانی ڈالتے تھے۔

(موطأ امام مالک ج ۱ ص ۴۵ ح ۹۸ ملخصاً وسندہ صحیح)

حالانکہ دیوبندی حضرات انھیں سنت نہیں مانتے۔

۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعات تراویح باجماعت ثابت ہیں۔

دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۲/۱۳۸ ح ۱۰۷۰، وسندہ حسن لذاتہ، صحیح ابن حبان ۴/۶۲ ح ۲۴۰۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعات کا حکم ثابت ہے۔

دیکھئے موطا امام مالک (۱/۱۱۴ ح ۲۴۹ و آثار السنن: ۷۷۵ وقال: "و إسناده صحیح ")

معلوم ہوا کہ مسجد نبوی میں آٹھ رکعات تراویح ہوتی تھیں۔

۵) اہلِ مدینہ اکتالیس (۴۱) کے قائل تھے اور مدینہ میں اس پر عمل تھا۔

دیکھئے سنن الترمذی (ح ۸۰۶) کیا یہ بھی سنت ہے؟

امام محمد بن نصر المروزی اپنے استاذ (حسن بن محمد) الزعفرانی سے وہ امام شافعی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں لوگوں کو انتالیس (۳۹) رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (مختصر قیام اللیل ص ۲۰۲)

اس طویل قول میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ " فإن أطالوا القیام وأقلوا السجود فحسن وھو أحب إلي "پس اگر وہ لمبا قیام کریں اور تھوڑی رکعتیں پڑھیں تو اچھا ہے اور یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ (ایضاً ص ۲۰۲، ۲۰۳)

اس قول کے بارے میں کیا خیال ہے؟

داود بن قیس نے کہا: میں نے عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ) اور ابان بن عثمان (بن عفان) کے دور میں مدینہ میں لوگوں کو چھتیس (۳۶) رکعتیں اور تین وتر پڑھتے ہوئے پایا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۹۳ ح ۷۶۸۸ وسندہ صحیح)

کیا خیال ہے؟

۶) تلقی بالقبول سے مراد تمام اُمت کا قبول کرنا ہے یا بعض کا؟ اول الذکر تو اجماع ہے اور ثانی الذکر حجت نہیں ہے۔

ہماری تحقیق میں تلقی بالقبول سے مراد تمام اُمت کا بالاتفاق و بالاجماع قبول کرنا ہے جو کہ شرعی حجت ہے۔ یاد رہے کہ بیس رکعات والی روایت کو تلقی بالقبول حاصل نہیں ہے۔

نمبر:۵) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

" ۲ محترم علی زئی صاحب فرماتے ہیں اہل تقلید کا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے بیس رکعات

تراویح پڑھنا ثابت ہے لیکن کسی ایک بھی صحابی کا باسند صحیح اثر بطور دلیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔

تبصرہ: درجہ ذیل امور ملاحظہ ہوں۔

نمبر۱: آپ کی پارٹی اور فرقہ کے عظیم مترجم اور امام علامہ وحید الزمان نے لکھا ہے: '' البتہ حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح بیس رکعتیں منقول ہے''. (تیسر الباری ص ۱۴۷ ج ۱۳)[۱]

نمبر۲: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں تقریباً ہر حدیث کے تحت حضرات صحابہ کرام، تابعین تبع تابعین وغیر ائمہ کرام رضی اللہ عنھم کے مذہب، عمل اور اقوال نقل فرماتے ہیں۔ تراویح کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں۔ و اکثر اھل العلم علیٰ ماروی عن علی و عمرو غیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعة الخ

اور اکثر اہل علم کا عمل حضرۃ علی اور حضرۃ عمر اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنھم سے مروی بیس رکعات کے مطابق ہے[۲] اور یہی قول سفیان ثوری، ابن مبارک اور شافعی کا ہے اور اسی پر عمل پایا جاتا ہے ہمارے شہر مکہ مکرمہ میں کہ لوگ بیس رکعت ہی پڑھتے آئے ہیں۔ (جامع ترمذی ص ۱۶۶ ج ۱)[۳]

نمبر۳: ان کی اس نقل پر اعتماد کرتے ہوئے صحیح سمجھنا جائز ہے یا نہیں؟ نہیں تو کس اصول و دلیل سے؟ اور انہوں نے بدوں فائدہ اتنے اوراق کیونکہ سیاہ کیئے؟[۴]

نمبر۴: محترم صاحب! اگر کوئی رافضی قرآن کریم کی کسی آیت سے متعلق آپ سے سات قراءۃ کا سوال کرے کہ جب تک آپ اس کو اور اس کی ہر قراءۃ کو سندِ صحیح کیساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہ کریں۔ ہم نہیں مانتے تو جناب کا جواب کیا ہوگا؟[۵] ''

الجواب ۱) وحید الزمان حیدر آبادی کا حوالہ فضول ہے۔

میرے استاذ مولانا بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' نواب وحید الزمان اھل حدیث نہ ھو '' (مروجہ فقہ جی حقیقت/سندھی ص ۹۲)

جب وحید الزمان اہلِ حدیث نہیں تھا تو آپ اہلِ حدیث کے خلاف اس کا حوالہ کیوں پیش کرتے ہیں؟ امین اوکاڑوی دیوبندی نے وحید الزمان وغیرہ کی کتابوں کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''لیکن غیر مقلدین کے تمام فرقوں کے علماء اور عوام بالاتفاق ان کتابوں کو غلط قرار دے کر مسترد کر چکے ہیں...'' (تحقیق مسئلہ تقلید ص ۶، مجموعہ رسائل ج ۲ ص ۲۲)

براہِ مہربانی اہلِ حدیث کے خلاف غیر مفتیٰ بہا اقوال اور بالاتفاق غلط حوالے پیش نہ کریں۔

۲) امام اسحاق بن راہو یہ فرماتے ہیں کہ ''بل نختار احدی واربعین رکعة علٰی ماروی عن ابی بن کعب'' بلکہ ہم ۴۱ رکعتوں کو اختیار کرتے ہیں جو کہ ابی بن کعب سے مروی ہیں۔ (سنن الترمذی:۸۰۶)

آپ لوگ اکتالیس (۴۱) رکعتیں کیوں نہیں پڑھتے ؟ اور کیا بغیر سند کے رُوی کے ساتھ روایت صحیح ہوتی ہے۔؟ کچھ تو انصاف کریں!

اگر رُوِیَ وغیرہ کے بے سند اقوال حجت ہیں تو سنیں:

عبدالحق اشبیلی نے ابن مغیث سے نقل کیا ہے کہ امام مالک نے فرمایا:

''میں اپنے لئے قیامِ رمضان گیارہ رکعتیں اختیار کرتا ہوں، اسی پر عمر بن الخطاب نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے، مجھے پتا نہیں کہ لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال لی ہیں؟ (کتاب التہجد ص۱۷۶ فقرہ:۸۹۰)

کیا خیال ہے؟

اگر یہ قول ثابت نہیں ہے تو ترمذی والا بے سند قول بھی ثابت نہیں ہے۔

۳) امام اسحاق بن راہو یہ اور امام داود بن قیس وغیرہما کے اقوال کے بارے میں کیا خیال ہے؟ [دیکھئے عبارت نمبر۴ جواب نمبر۵، عبارت نمبر۵ جواب نمبر۲]

٤) روایت اگر کوئی تابعی پیش کرے یا امام بخاری، امام ترمذی اور امام مسلم وغیرہم، اگر اس کی سند صحیح متصل نہیں ہے تو حجت نہیں ہے۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ بے سند بات مردود ہوتی ہے۔

محدثینِ کرام نے ضعیف، مردود اور موضوع روایات بھی لکھی ہیں۔ کیا انھیں حجت بنانا ضروری یا جائز ہے؟ اگر نہیں تو پھر بے سند اقوال کی کیا حیثیت ہے؟

٥) یہ ساتوں قراء تیں بابِ روایت میں سے ہیں بابِ رائے میں سے نہیں اور ان کے جواز پر اہلِ حق کا اجماع ہے۔ اس اجماع کے خلاف روافض کا کوئی اعتبار نہیں۔ قرآن مجید

سندِ متواتر کے ساتھ ثابت ہے لہٰذا خبرِ واحد صحیح کا یہاں کوئی گزر نہیں۔ والحمد للہ

نمبر:٦) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

"جو جواب دیا جائیگا وہ تراویح کے باب میں کیوں نہیں دیا جاسکتا؟[۱]

نمبر۵: اسمائے رجال اور جرح وتعدیل کی کتب میں بلاسند جرح وتعدیل معتبر ہے یا نہیں؟[۲] اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی وغیرھما رحمھم اللہ تعالیٰ جن ائمہ حضرات سے جرح وتعدیل بدوں سند نقل کرتے ہیں۔[۳] اُن سے اِن کی سماع نہ ثابت نہ ممکن، اور یہ ائمہ حضرات جن رواۃ پر جرح کرتے ہیں یا ان کی توثیق کرتے ہیں وہ بلا سند اور سماع نہ ثابت نہ ممکن، لہٰذا جب تک بسندِ صحیح جرح وتعدیل نہ بتایا جائے قبول نہیں تو محترم کیا جواب دیں گے؟ وہ بھی بتایا جائے اور اس جواب کا تراویح کے باب میں درست نہ ہونا بھی واضح کردیا جائے۔[۴]

نمبر۶: جناب زبیر علی زئی صاحب صفحہ نمبر ۸۰۔۷۹ پر لکھتے ہیں "اسد بن عمرو بذات خود مجروح ہے جمہور محدثین نے اس پر جرح کی ہے اور حماد بن شعیب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ" جمہور محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔" محترم آپ دونوں کی جرح کو سندِ صحیح سے ثابت کریں[۵] نیز جس نے جرح کی ہے اس کی ان سے ملاقات بھی ثابت کریں۔[۶]

نمبر۷: امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جہاں سند ذکر کی ہے وہاں صحت وضعف کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالی، اور جہاں بدوں سند خود فرماتے ہیں کہ فلاں کا مذہب یہ ہے قول، عمل یہ ہے تو صحت کی ذمہ داری خود اپنے سر پر لے لی دیکھو معاشرہ میں آج بھی یہ بات عام ہے کہ جس بات کا کہنے والے کو یقین نہیں ہوتا تو نقل اور بیان کے وقت کہتا ہے کہ فلاں نے یہ بات کہی یا لکھی ہے لہٰذا صحت وقوت کا ذمہ دار وہ ہے اور جس بات کا یقین ہوتا ہے اس کو بدوں حوالہ بھی بیان کردیتے ہیں کہ یہ بات ایسی ہے اور صحت وقوت کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لیتے ہیں۔[۷]"

الجواب ۱) قراءت سبعہ کی سند صحیح متواتر ہے جبکہ تراویح کے بارے میں زبردست اختلاف ہے۔ اختلاف کے لئے دیکھئے عینی حنفی کی کتاب عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۶، ۱۲۷ باب فضل من قام رمضان۔

لہٰذا یہ قیاسی سوال مع الفارق ہے۔

۲) بلاسند جرح وتعدیل معتبر نہیں ہے۔

۳) حافظ ذہبی ہوں یا حافظ ابن حجر یا کوئی اور، بے سند جرح وتعدیل معتبر نہیں ہے۔

یاد رہے کہ حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہما کا اپنا جرح وتعدیل والا قول معتبر وقابلِ مسموع ہے بشرطیکہ جمہور محدثین کے خلاف نہ ہو۔

جرح وتعدیل کے لئے معاصر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

٤) تراویح کا مسئلہ ہو یا کوئی دوسرا مسئلہ ہو، ہر مسئلے میں جرح وتعدیل کا باسند صحیح ومقبول ہونا ضروری ہے۔

٥) اسد بن عمرو کے بارے میں باسند صحیح جرح درج ذیل ہے:

۱: امام بخاری نے فرمایا: **ضعيف إلخ** (کتاب الضعفاء الصغیر: ۲۴ تحقیقی)

۲: امام نسائی نے فرمایا: **ليس بالقوي** (کتب الضعفاء والمتروکین: ۵۳)

۳: امام یزید بن ہارون نے فرمایا: **لا يحل الأخذ عنه** (الجرح والتعدیل ۲/ ۳۳۷ وسندہ صحیح)

۴: امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: **ضعيف إلخ** (الجرح والتعدیل ۲/ ۳۳۷)

۵: ابن حبان نے اسے کتاب المجروحین (۱/ ۱۸۰) میں ذکر کیا اور جرح کی۔

٦: امام عمرو بن علی الفلاس نے کہا: **ضعيف الحديث** (تاریخ بغداد ۷/ ۱۸، وسندہ صحیح)

۷: جوزجانی نے اسد بن عمرو وغیرہ کے بارے میں کہا: **قد فرغ الله منهم**

(احوال الرجال: ۹۲ تا ۹۹)

۸: ابو نعیم الاصبہانی نے کہا: **لا يكتب حديثه** (کتاب الضعفاء للاصبہانی: ۲۴)

۹: عقیلی نے اسے کتاب الضعفاء (۱/ ۲۳) میں ذکر کیا۔

۱۰: ابن شاہین نے اسے کتاب تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین (۲) میں ذکر کیا۔

مزید تحقیق کے لئے میدان وسیع ہے۔ ☆

....

☆ حماد بن شعیب کے بارے میں دیکھیں ص ۳۵۷

۶) جواب نمبر ۳ میں عرض کر دیا گیا ہے کہ جرح وتعدیل میں معاصر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

۷) اگر کسی محدث کے ثقہ ہونے کی وجہ سے اس کی بے سند روایات حجت ہیں تو پھر یہ تسلیم کریں کہ امام مالک گیارہ رکعات تراویح کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ "مجھے پتا نہیں کہ لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال لی ہیں؟" دیکھئے عبارت نمبر ۵ کا جواب نمبر ۲

عینی حنفی نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ گیارہ رکعتیں اور اسے امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور ابوبکر العربی (قاضی) نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۷)

سرفراز خان صفدر دیوبندی تقلیدی لکھتے ہیں: "اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہوسکتی۔"

(احسن الکلام ج ۱ ص ۳۲۷ طبع دوم)

جب امام بخاری کی بے سند بات حجت نہیں ہے تو امام ترمذی کی بے سند بات کس شمار وقطار میں ہے؟!

نمبر: ۷) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

" الحاصل جب امام ترمذی رحمہ اللہ نے بدوں سند وحوالہ کسی کا مذہب، عمل اور قول نقل کیا ہے تو گویا صحت وقوت کی ذمہ داری انہوں نے خود اپنے سر لے لی ہے۔ اب جب یہ بات مسلم ہے کہ امام ترمذی خود ثقہ اور با اعتماد ہیں تو ان کی نقل پر اعتماد کرنا چاہیئے ہاں یہ ضرور ہے کہ امتی ہیں اور غیر معصوم ہیں۔ نسیان وخطا کا احتمال موجود ہے اگر کوئی ان کی نقل کے خلاف کو کسی مضبوط دلیل سے ثابت کر دے تو ہم اس وقت ان کی نقل کو نسیان اور خطا پر محمول کر کے ان کو معذور وماجور کہیں گے اور مدلل بات کو قبول کر کے عمل کریں گے لیکن بدوں دلیل قوی کے صرف اتنی بات کہنے سے کہ بلا سند ہے ہرگز ہرگز ان کی نقل سے صرف نظر کسی کسی کے ہاں بھی درست نہیں۔[1]

جناب زبیر علی زئی صاحب: اگر ہمت ہو تو صحاح ستہ میں سے کسی ایک کتاب کے حوالے سے کسی ایک صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا مجتہد سے ایک دن اس کے (یعنی بیس رکعت کے) خلاف آٹھ رکعت تراویح پڑھنا ثابت کیجیے۔[2] دیدہ باید، اپنی طرف سے منگھڑت قیود وشروط لگا کر ان حضرات کی محنتوں کو

اور نقول کو بے حیثیت و بے قیمت بتلا کر رد کرنا کوئی عالمانہ اور دیانتدارانہ کارنامہ نہیں۔ (۳)

نمبر ۸: کراچی گلستان جوہر کا باشندہ ''شاہ محمد'' اپنے رسالے ''قرآن عظیم سے اختلافات کیوں؟ میں لکھتا ہے'' ہر نماز حالت امن میں دو رکعت ہے اور خوف میں ایک رکعت'' (۴)

جناب زبیر علی زئی صاحب: اگر یہ آپ سے پوچھے کہ آپ ظہر کے چار فرض مانتے ہو اور چار سے کم پڑھنے والے کو بے نمازی کہتے ہو لہذا جس طرح ظہر کی نماز کی فرضیت ثابت ہے اسی طرح چار رکعت کی فرضیت یا تو قرآن سے ثابت کرو یا پھر اتنی حدیثوں سے ثابت کرو جن سے فرضیت ثابت ہوتی ہے (۵) جب سنت کے ثبوت کیلئے کئی حدیثوں کی ضرورت ہے تو فرضیت کے ثبوت کیلئے تو بیشمار حدیثوں کی ضرورت ہو گی لہذا جناب صرف ایسی دس حدیثیں سند صحیح سے بتائیں جن میں ظہر کے چار رکعت فرض کا بیان ہو۔ (۶) تو آپ کیا جواب دیں گے؟ تعامل اور تواتر توارث سے جواب دیں گے یا نہیں؟ اگر دیں گے تو تراویح کا جواب تعامل و توارث سے قبول کیوں نہیں؟ (۷) ''

الجواب ۱) بے سند بات حجت نہیں ہوتی۔

عبارت نمبر ۶ کا جواب نمبر ۷ دوبارہ پڑھ لیں۔

۲) صرف صحاح ستہ کی شرط باطل ہے۔ صحیح حدیث جہاں بھی ہو حجت ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اُبی بن کعب اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ دیکھئے امام نسائی کی کتاب السنن الکبریٰ (ج ۳ ص ۱۱۳ ح ۴۶۸۷ وسندہ صحیح)

طحاوی حنفی نے اس اثر سے استدلال کیا ہے۔ صرف یہی ایک دلیل آپ لوگوں کے تمام اعتراضات کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔ والحمد للہ

۳) ہماری شروط من گھڑت نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ سند صحیح کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین سے بیس رکعات کا ثبوت پیش کریں یا پھر تابعین سے ثابت کریں کہ وہ بیس یا اکتالیس رکعتیں سنت مؤکدہ (نہ کم نہ زیادہ) سمجھ کر پڑھتے تھے۔ اذ لیس فلیس

٤) گلستان جوہر کے مجہول بے دین اور ملحد کی بات پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

۵) ظہر کے چار فرضوں کی فرضیت کا ثبوت صحیح احادیث سے بھی ہے اور اجماع سے بھی۔ فرضیت کے ثبوت کے لئے صرف ایک صحیح حدیث بھی کافی ہے۔ والحمد للہ

۶) دس حدیثوں کا مطالبہ فضول ہے کیونکہ خبر واحد صحیح بھی حجت ہے اور اس پر ایمان و عمل واجب و فرض ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" فرض الله الصلوة على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم في الحضر أربعًا " إلخ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حضر میں چار رکعتیں فرض کی ہیں۔ (صحیح مسلم: ۶۸۷ وترقیم دارالسلام: ۱۵۷۵)

۷) جس طرح ظہر کے چار فرضوں پر اجماع ہے کیا بیس تراویح کے سنتِ مؤکدہ (نہ کم نہ زیادہ) ہونے پر اجماع ہے؟ هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين!

عینی حنفی کے اس قول" و قد اختلف العلماء في العدد المستحب في قيام رمضان على أقوال كثيرة ... "☆ (عمدۃ القاری ج۱۱ ص۱۲۶) کا کیا مطلب ہے؟

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں:" اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو باتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے..." (براہینِ قاطعہ ص ۱۹۵)

سہارنپوری صاحب نے مزید لکھا ہے کہ" البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں" (براہینِ قاطعہ ص ۸)

"تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ" دوبارہ پڑھ لیں۔

نمبر:۸) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

" نمبر۹: حدیث مرسل جس کے حجت ہونے پر خیرالقرون میں اتفاق رہا ہے[۱] چنانچہ

(۱) امام سیوطی، علامہ قاسم بن قطلوبغا، محدث الجزائری اور مولانا عثمانی رحمھم اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں:

وقال ابن جرير اجمع التابعون باسرهم على قبول المرسل ولم يأت عنهم انكاره ولا عن احد من الائمة بعدهم الى راس المأتين قال ابن عبدالبر كانه يعني الشافعي اول من رده ....

(تدریب الراوی ۱۲۰، منیۃ الالمعی ۲۷، توجیہ النظر ۲۴۵ مقدمہ فتح الملہم ۳۴، بحوالہ احسن الکلام ۱/۱۴۶)

"امام ابن جریر نے فرمایا کہ تابعین سب کے سب اس امر پر متفق تھے کہ مرسل قابل احتجاج ہے، تابعین سے لیکر دوسری صدی کے آخر تک آئمہ میں سے کسی نے مرسل کے قبول کرنے کا انکار نہیں کیا۔ ابن عبدالبر

☆ ترجمہ: قیام رمضان (تراویح) کی مستحب تعداد کے بارے میں علماء کا کئی اقوال پر اختلاف ہے...

فرماتے ہیں کہ گویا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے مرسل کے ساتھ احتجاج کا انکار کیا ہے۔،،(۲)

(۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ومذهب مالك و ابي حنيفة و احمد و اكثر الفقهاء انه يحتج به و مذهب الشافعي انه إذا انضم إلى المرسل ما يعضده احتج به و ذلك بأن يروى سندًا أو مرسلاً من جهة اخرىٰ أو يعمل به بعض الصحابة أو اكثر العلماء۔ (مقدمہ نووی بشرح مسلم ۱۷)

''امام مالک، امام ابوحنیفہ امام احمد اور اکثر فقہاء کا مذھب یہ ہے کہ مرسل قابل احتجاج ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذھب یہ ہے کہ اگر مرسل کے ساتھ کوئی تقویت کی چیز مل جائے تو وہ حجت ہوگا مثلاً یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دوسرے طریق سے وہ مرسل روایت کیا گیا ہو یا بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنھم یا اکثر علماء نے اس پر عمل کیا ہو''(۳) اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مرسل معتضد کے حجت ہونے کے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی قائل ہیں۔

(۳) نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں: و اما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى مثل سفيان الثورى و مالك و الاوزاعى حتى جاء الشافعي فكلم فيه (الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ۱۰۶، بحوالہ احسن الکلام ۱/۱۴۷)

''مراسیل کے ساتھ گزشتہ زمانے میں علماء احتجاج کیا کرتے تھے مثلاً سفیان ثوری امام مالک امام اوزاعی رحمھم اللہ تعالیٰ، پھر جب امام شافعی آئے تو انھوں نے مرسل کی حجیت میں کلام کیا۔''(۴)

ان حوالہ جات سے واضح ہوگیا کہ دوسری صدی کے آخر تک مرسل کے حجت ہونے پر اتفاق تھا تابعین سے لیکر دوسری صدی کے آخر تک آئمہ میں سے کوئی بھی مرسل حدیث سے احتجاج کا منکر نہ تھا۔(۵)

تعجب ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک یہ اجماع تو حجت نہیں لیکن دوسری صدی کے بعد کا نظریہ قابل قبول ہے۔ چونکہ ہم خیر القرون کے نظریے کو صحیح اور قابل تقلید سمجھتے ہیں اسلئے حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں(۶) جو لوگ سلف کی پیروی کی بات کرتے ہوئے اپنے کو سلفی کہتے ہیں ان کو ان خیر القرون کے اسلاف کی پیروی کرنا چاہیئے۔

اور تراویح کے باب میں ایک نہیں کئی صحیح مرسل احادیث ثابت ہیں۔

(۱) حدیث سائب بن یزید رضی اللہ عنہ: کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ امام نووی، علامہ سبکی اور ملا علی قاری رحمھم اللہ تعالیٰ اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (التعلیق

الحسن ص ۵۴ ج ۲ بحوالہ لمعات المصابیح)[7]

(۲) حدیث یحیی بن سعید الانصاری: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے یہ روایت بھی سنداً اقوی ہے۔ (آثار السنن ص ۵۵ ج ۲)[8]

(۳) شتیر بن شکل جو اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں سے ہیں کہ وہ ان کو امامت کراتے تھے رمضان میں بیس رکعت اور تین وتر کا اور اس میں قوۃ ہے:۔ (بیہقی ص ۴۹۶ ج ۲)[9] ''

الجواب ۱) حدیثِ مرسل کے حجت ہونے پر خیر القرون میں کبھی اتفاق نہیں رہا ہے۔

۱: امام یحییٰ بن سعید القطان (پیدائش ۱۲۰ھ وفات ۱۹۸ھ) زہری اور قتادہ کی مرسل روایات کو کچھ چیز بھی نہیں سمجھتے تھے۔ (کتاب المراسیل لابن ابی حاتم ص ۳ فقرہ: ۱، وسندہ صحیح)

یحییٰ بن سعید سے سعید بن المسیب عن ابی بکر (والی مرسل روایت) کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اسے ہوا کی طرح (کمزور و بے حقیقت) قرار دیا۔ (المراسیل: ۳ وسندہ صحیح)

۲: امام شعبہ بن الحجاج البصری (پیدائش ۸۲ھ وفات ۱۶۰ھ) ابراہیم نخعی کی علی رضی اللہ عنہ سے (مرسل) روایت کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ (المراسیل: ۱۲، وسندہ صحیح)

۳: بشیر بن کعب (ایک تابعی) نے جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم '' کہہ کر روایات (مرسل روایتیں) بیان کیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دارالسلام: ۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون میں وفات پانے والے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ مرسل روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ نیز دیکھئے النکت علی ابن الصلاح للحافظ ابن حجر (۲/۵۵۳)

۴: ایک دفعہ عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ایک منقطع (مرسل) حدیث بیان کی تو عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: اے عروہ! کیا کہہ رہے ہو؟!
عروہ نے فرمایا: اسے بشیر بن ابی مسعود اپنے والد (ابو مسعود رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے تھے۔
یعنی سند متصل بیان کردی۔

دیکھئے الموطأ للامام مالک (۱/۳۰، ۳ ح ۱) صحیح البخاری (۵۲۱) اور صحیح مسلم (۶۱۰/۱۶۷)

پھر عمر بن عبدالعزیز کا کوئی اعتراض مروی نہیں ہے یعنی وہ چپ ہو گئے۔

معلوم ہوا کہ ۱۰۱ھ میں فوت ہونے والے عمر بن عبدالعزیز مرسل احادیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ اب دو اقوال بطورِ الزام پیشِ خدمت ہیں:

۱: طحاوی حنفی کے ایک کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ منقطع (مرسل) روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے شرح معانی الآثار (ج ۲ ص ۱۶۴، باب الرجل يسلم في دار الحرب و عنده اكثر من اربع نسوة)

۲: حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حاکم نے سعید بن المسیب (متوفی بعد ۹۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ "إن المرسل ليس بحجة" بے شک مرسل حجت نہیں ہے۔

(النکت علی ابن الصلاح ۲/ ۵۶۸)

اتنی زبردست مخالفت واختلاف کے باوجود یہ پروپیگنڈا کرنا کہ "مرسل بالاتفاق حجت ہے" کیا معنی رکھتا ہے۔؟!

۲) ابن جریر کی طرف منسوب قول کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: جوابِ سابق میں ذکر کردہ ناقابلِ تردید چاروں حوالوں کے خلاف ہے۔

۲: اس قول کی ابن جریر تک صحیح متصل سند نا معلوم ہے۔ سیوطی، ابن عبدالبر، قاسم بن قطلوبغا اور الجزائری وغیرہم کے بے سند و بے ثبوت حوالے مردود ہیں۔

۳: ایسے دعویٔ اتفاق کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: "لكنه مردود على مدعيه" لیکن یہ اس کے مدعی پر مردود ہے۔ (النکت علی ابن الصلاح ۲/ ۵۶۸)

۴: خود دیوبندی حضرات بہت سی مرسل روایتیں نہیں مانتے مثلاً طاوس تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔

(دیکھئے المراسیل لابی داود: ۳۳ وسندہ حسن)

تنبیہ: اس کے راوی سلیمان بن موسیٰ کے بارے میں سرفراز خان صفدر (دیوبندی) نے

کہا: ''وو ثقه الجمهور'' (خزائن السنن ۲/ ۸۹)
یعنی جمہور نے اس کی توثیق کی ہے۔

۳) یہ سارے بے سند اقوال ہیں جو نووی صاحب نے لکھے ہیں۔ جواب نمبر ا کے صحیح حوالوں کے مقابلے میں یہ مردود ہیں۔

٤) نواب صدیق حسن خان کا قول بھی کئی وجہ سے مردود ہے:

ا: یہ صحیح وثابت حوالوں کے خلاف ہے۔

۲: نواب صدیق حسن خان صاحب ''غیر مقلد'' ہونے کے ساتھ ''حنفی'' بھی تھے۔ نواب کا اپنا بیٹا سید محمد علی حسن خان لکھتا ہے: ''سُنی خالص محمدی قح موحّد بحت متبع کتاب وسنت **حنفی مذھب نقشبندی مشرب** تھے اور ہمیشہ طریقۂ اسلاف پر مذہب حنفی کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے مگر عملاً واعتقاداً اتباع سنت کو مقدّم رکھتے تھے'' (مآثر صدیقی حصہ چہارم ص ۱)
نیز دیکھئے ''حدیث اور اہلحدیث'' (ص ۸۴)

۵) یہ سارے بے سند حوالہ جات صحیح حوالوں کے مقابلے میں مردود ہیں۔ جھوٹے اجماع کا دعویٰ کرنا اہلِ علم کو زیب نہیں دیتا۔

٦) تقلیدی لوگ مرسل کو وہاں حجت سمجھتے ہیں جہاں وہ اُن کی اندھی تقلید کے مطابق ہو اور اگر مرسل ان کی تقلید کے مخالف ہو تو اللہ کی مخلوقات میں سب سے پہلے یہی لوگ مرسل کو ترک کر دیتے ہیں جس کی ایک مثال اوپر گزر چکی ہے۔ (دیکھئے یہی صفحہ [سابقہ صفحہ] جواب نمبر ۲)
سلفی بھائی بحمد اللہ قرآن وحدیث علیٰ فہم السلف الصالحین، اجماع اور اجتہاد پر مسلسل عمل کر رہے ہیں۔

۷) یہ روایت سنن سعید بن منصور (بحوالہ الحاوی للفتاوی ۱/ ۳۴۹ وحاشیہ آثار السنن ص ۲۵۰) کی صحیح حدیث کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے شاذ ہے۔ نیز دیکھئے ''تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ'' (ص ۲۵)

شاذ روایت مردود ہوتی ہے لہٰذا نووی اور سبکی وغیرہما کا اسے صحیح کہنا غلط ہے اور سبکی کا

باعث ہے۔

۸) یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے مردود ہے کیونکہ یحییٰ بن سعید الانصاری کی ولادت سے پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔

۹) شتیر بن شکل کی طرف منسوب روایت السنن الکبریٰ للبیہقی (۴۹۶/۲) میں بلا سند ہے لہٰذا اس میں قوت کہاں سے آ گئی؟

دوسرے یہ کہ کیا شتیر بن شکل رحمہ اللہ بیس رکعتیں سنتِ مؤکدہ (نہ کم نہ زیادہ) سمجھ کر پڑھتے تھے؟ صحیح سند سے ثبوت پیش کریں!

نمبر: ۹) احمد ممتاز دیو بندی نے لکھا ہے:

"④ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان میں مدینہ میں لوگوں کے ساتھ بیس رکعتیں تین وتر پڑھتے تھے اس کی سند قوی ہے۔ (اثار السنن ص ۵۵ ج ۲)[1]

⑤ نافع بن عمر فرماتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ واسنادہ حسن) بحوالہ لمعات المصابیح[2]

نمبر ۱۰: کئی حضرات نے بیس رکعات پر اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے۔[3]

(۱) حافظ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ "مغنی" میں فرماتے ہیں اور مختار ابو عبداللہ کے نزدیک اسمیں بیس رکعات ہیں اور ایسے ہی امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ۳۶ رکعات بتاتے ہیں (الی قولہ) اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ یزید بن رومان سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان المبارک میں تیئس (۲۳) رکعات کے ساتھ قیام کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو رمضان میں بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا اور یہ اجماع کی طرح ہے۔[4] ... اور جس پر صحابہ کا اجماع ہے وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے (اور وہ بیس رکعات تراویح ہے) (المغنی ص ۸۰۳ ج ۱ بحوالہ لمعات المصابیح)

② ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنھم کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات ہیں (مرقاۃ)[5]

③ رمضان میں بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہیں اور اصل میں اس کی سنت ہونے پر اجماع ہے نیل

المآرب فی الفقہ الحنبلی)[٦]

④ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں اور تحقیق شمار کیا ہے انھوں نے ان چیزوں کو جو عمر رضی اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں واقع ہوئی ہیں اجماع کی طرح ہیں۔[٧]''

الجواب ۱) تقلیدی کتاب آثار السنن میں اس روایت کے حاشیے پر لکھا ہوا ہے کہ''عبدالعزیز بن رفیع لم یدرك أبي بن كعب ''عبدالعزیز بن رفیع نے اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہ) کو نہیں پایا۔ (ص۲۵۳ ح۷۸۱ کا حاشیہ:۲۸۶)

معلوم ہوا کہ یہ روایت قوی نہیں بلکہ منقطع ہے۔

دوسرے یہ کہ اس روایت کی سند میں حسن کون ہے؟

۲) ابن ابی ملیکہ تابعی کا عمل سنتِ مؤکدہ (نہ کم اور نہ زیادہ) نہیں کہلاتا۔

کیا ابن ابی ملیکہ یہ رکعتیں سنتِ مؤکدہ سمجھ کر پڑھتے تھے؟ دلیل پیش کریں۔

کیا تابعین کے تمام اعمال واقوال آپ لوگوں کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہیں؟

اکتالیس رکعتیں پڑھنے والوں کا عمل کیا سنتِ مؤکدہ ہے؟

۳) زبردست اختلاف کے مقابلے میں اجماع کا دعویٰ باطل ومردود ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے''تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ'' (ص۸۴۔۸۷)

اختلاف کے بارے میں عینی کا قول گزر چکا ہے۔سیوطی نے کہا:'' أن العلماء اختلفوا في عددها ''بے شک علماء کا تراویح کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔

(الحاوی للفتاوی ۱/۳۴۸)

قرطبی نے کہا: اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ گیارہ پڑھنی چاہئیں۔ (المفہم ۲/۳۹۰)

قاضی ابوبکر بن العربیؒ نے کہا: اور صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھی جائیں...الخ

(عارضۃ الاحوذی ۴/۱۹ تحت ح ۸۰۶، تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان الخ ص ۸۴)

٤) اجماع کے یہ دعوے تو زبردست اختلاف کے مقابلے میں مردود ہیں۔

شدید اختلاف کے بعد ابن قدامہ کا دعویٰ کہ اجماع کی طرح ہے، غلط ہے۔

ابن قدامہ جرابوں پر مسح کے بارے میں لکھتے ہیں: " فکان اجماعًا "پس یہ اجماع ہے۔

(مغنی ابن قدامہ ج ۱ص ۱۸۱ مسئلہ:۴۲۶)

دیوبندی حضرات ابن قدامہ کے اس اجماع کو نہیں مانتے اور ہم سے غلط دعویٰ اجماع منواتے ہیں۔ سبحان اللہ!

۵) ابن حجر مکی ایک بدعتی شخص تھا جس کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں ہے۔

اس کے دعویٰ اجماع کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

٦) نیل المآرب کس مولوی صاحب کی کتاب ہے؟ ذرا واضح تو کریں۔

یاد رہے کہ اختلاف کے زبردست حوالوں کے مقابلے میں نیل المآرب وغیرہ کے حوالے مردود ہیں۔

۷) قسطلانی کا قول کئی وجہ سے مردود ہے:

۱: بے حوالہ ہے۔

۲: اس میں بیس رکعات کی صراحت نہیں ہے۔

۳: شدید اختلاف کے بعد اجماع کا دعویٰ بالکل مردود ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " و اختلف أهل العلم في قيام رمضان "

اور اہلِ علم کا قیامِ رمضان کے بارے میں اختلاف ہے۔ (سنن ترمذی:۸۰٦)

امام ترمذی رحمہ اللہ تو تراویح کے بارے میں علماء کا اختلاف بیان کر رہے ہیں اور تقلیدی حضرات اس پر اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں۔!!

نمبر:۱۰) احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے:

" از

حضرت مولانا[۱] مفتی[۲] احمد ممتاز صاحب دامت برکاتہم رئیس جامعہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم مدنی کالونی، گریکس ماریپور، کراچی فون: 0333-2226051 "

الجواب ۱) احمد ممتاز دیوبندی تقلیدی کے اعتراضات وشبہات کا جواب مکمل

ہوا۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ انھوں نے اپنے نام کے ساتھ ''حضرت مولانا....دامت برکاتہم'' لکھ رکھا ہے۔ اگر یہ کسی اور کی تحریر ہے تو تحریر لکھنے والے کا نام کیوں غائب ہے؟

۲) تقلیدیوں کی کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' میں لکھا ہوا ہے کہ

''رجوع العامی الی المفتی ای الی المجتہد'' (۱۱۷۸/۲)

معلوم ہوا کہ مفتی مجتہد کو کہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ احمد ممتاز دیوبندی مجتہد ہونے کے دعویدار نہیں ہیں لہٰذا ان کا اپنے آپ کو مفتی کہنا غلط ہے۔ وما علینا إلا البلاغ .

والحمد للّٰہ رب العالمین — کتبہ بخط یدہ — حافظ زبیر علی زئی

مدرسہ اہل الحدیث حضرو ضلع اٹک (۱/ جولائی ۲۰۰۷ء)

تنبیہ: اس جواب کا ابھی تک جواب الجواب نہیں آیا۔ (۱۱/نومبر ۲۰۰۹ء)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ماں اور انبیاء کے وسیلے سے دعا

سوال کیا یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد (رضی اللہ عنہا) کی وفات پر "بحق نبيك و الأنبياء الذين من قبلي" یعنی انبیاء کے وسیلے سے دعا مانگی تھی؟ (ایک سائل)

الجواب روح بن صلاح کی بیان کردہ ایک روایت میں آیا ہے:

"حدثنا سفيان الثوري عن عاصم الأحول عن أنس بن مالك قال: لمّا ماتت فاطمة بنت أسد بن هاشم أمّ علي، دخل عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم فجلس عند رأسها فقال: رحمك الله يا أمي، كنتِ أمي بعد أمي، تجوعين وتشبعيني و تعرين و تكسونني و تمنعين نفسك طيّب الطعام و تطعميني، تريدين بذلك وجه الله والدار الآخرة، ثم أمر أن تغسل ثلاثًا و ثلاثًا، فلما بلغ الماء الذي فيه الكافور سكبه عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده، ثم خلع رسول الله صلى الله عليه وسلم قميصه فألبسه اِيّاه و كفّنت فوقه، ثم دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم أسامة بن زيد و أبا أيوب الأنصاري و عمر بن الخطاب وغلامًا أسود ليحفروا فحفروا قبرها فلما بلغوا اللحد حفره رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده و أخرج ترابه بيده، فلما فرغ دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فاضجع فيه وقال: الله الذي يحيي و يميت و هوحي لا يموت، اغفر لأمي فاطمة بنت أسد و لقنها حجتها و وسّع عليها مدخلها بحق نبيك والأنبياء الذين من قبلي، فإنك أرحم الراحمين، ثم كبّر عليها أربعًا، ثم أدخلوها القبر هو والعباس وأبو بكر الصديق رضي الله عنهم."

ہمیں سفیان ثوری نے حدیث بیان کی، انھوں نے (عن کے ساتھ) عاصم الاحول سے، انھوں نے انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے، انھوں نے فرمایا:

جب علی کی والدہ: فاطمہ بنت اسد بن ہاشم (رضی اللہ عنہا) فوت ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے پھر آپ اُن کے سر کی طرف بیٹھ گئے تو فرمایا: اے میری ماں! اللہ تجھ پر رحم کرے، میری (حقیقی) ماں کے بعد تُو میری ماں تھی، تُو خود بھوکی رہتی اور مجھے خوب کھلاتی، تو کپڑے (چادر) کے بغیر سوتی اور مجھے کپڑا پہناتی، تو خود بہترین کھانا نہ کھاتی اور مجھے کھلاتی تھی، تمھارا مقصد اس (عمل) سے اللہ کی رضامندی اور آخرت کا گھر تھا۔

پھر آپ نے حکم دیا کہ انھیں تین، تین دفعہ غسل دیا جائے، پھر جب اس پانی کا وقت آیا جس میں کافور (ملائی جاتی) ہے تو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے اُن پر پانی بہایا پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص اُتار کر اُنھیں پہنا دی اور اسی پر انھیں کفن دیا گیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید، ابوایوب الانصاری، عمر بن الخطاب اور ایک کالے غلام کو بلایا تا کہ قبر تیار کریں پھر انھوں نے قبر کھودی، جب لحد تک پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے کھودا اور اپنے ہاتھ سے مٹی باہر نکالی پھر جب فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ اس قبر میں داخل ہو کر لیٹ گئے اور فرمایا:

اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ زندہ جاوید ہے کبھی نہیں مرے گا۔

(اے اللہ!) میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس کی دلیل انھیں سمجھا دے، اپنے نبی اور مجھ سے پہلے نبیوں کے (وسیلے) سے ان کی قبر کو وسیع کر دے، بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔

پھر آپ نے ان پر چار تکبیریں کہیں، پھر آپ (ﷺ)، عباس اور ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہما (تینوں) نے اسے قبر میں اتار دیا۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ۱/۱۵۲۔۱۵۳ ح ۱۹۱، وقال: ''تفرد بہ روح بن صلاح'' وعنہ ابونعیم الاصبہانی فی حلیۃ الاولیاء ۱۲۱/۳، وعندہ: یرحمک اللہ... الحمد للہ الذی یحیی....، وعنہ ابن الجوزی فی العلل المتناہیہ ۱/۲۶۸۔۲۶۹ ح ۴۳۳)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

اول: اس کا راوی روح بن صلاح جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح ہے۔

ابن عدی نے کہا: ''و في بعض حديثه نكرة ''

اوراس کی بعض حدیثوں میں منکر روایات ہیں۔ (الکامل ۱۰۰۶/۳، دوسرانسخہ ۶۳/۴)

ابن یونس المصری نے کہا: '' روت عنه مناكير ''اس سے منکر روایتیں مروی ہیں۔

(تاریخ الغرباء بحوالہ لسان المیزان ۴۶۶/۲، دوسرانسخہ ۱۱۰/۳)

امام دارقطنی نے کہا: '' كان ضعيفًا فى الحديث ، سكن مصر ''

وہ حدیث میں ضعیف تھا، مصر میں رہتا تھا۔ (المؤتلف والمختلف ۱۳۷۷/۳)

ابن ماکولا نے کہا: '' ضعفوه فى الحديث ''انھوں نے اُسے حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے۔ (الاکمال ۱۵/۵، باب شابہ وشبانہ وسیابہ)

حافظ ذہبی نے کہا: '' له مناكير ''اس کی منکر روایتیں ہیں۔ (تاریخ الاسلام ۱۶۰/۱۷)

ابن الجوزی نے روح بن صلاح کو اپنی کتاب المجروحین (۲۸۷/۱) میں ذکر کیا اور اس کی بیان کردہ حدیثِ مذکور کو '' الأحاديث الواهية ''یعنی ضعیف احادیث میں ذکر کیا۔

(دیکھئے العلل المتناہیہ: ۴۳۳)

احمد بن محمد بن زکریا بن ابی عتاب ابوبکر الحافظ البغدادی، اَخو میمون (متوفی ۲۹۶ھ) نے کہا: ہمارا اس پر اتفاق ہوا کہ مصر میں علی بن الحسن السامی، روح بن صلاح اور عبدالمنعم بن بشیر تینوں کی حدیثیں نہ لکھیں۔

(لسان المیزان ۲۱۳/۴۔۲۱۴، سوالات البرقانی الصغیر: ۲۰، بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ وسندہ صحیح)

ابن عدی، ابن یونس، دارقطنی، ابن ماکولا، ذہبی، ابن جوزی اور احمد بن محمد بن زکریا البغدادی (سات محدثین) کے مقابلے میں حافظ ابن حبان نے روح بن صلاح کو کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۲۴۴/۸)

حاکم نے کہا: '' ثقه مأمون، من أهل الشام '' (سوالات مسعود بن علی السجزی: ۶۸، ص ۹۸)

اور یعقوب بن سفیان الفارسی نے اس سے روایت لی۔

(موضح اوہام الجمع والتفریق للخطیب ۹۶/۲، وفیہ علی بن احمد بن ابراہیم البصری شیخ الخطیب)

مختصر یہ کہ جمہور علماء کی جرح کے مقابلے میں تین کی توثیق مردود ہے۔

دوم: روح بن صلاح (ضعیف) اگر بفرضِ محال ثقہ بھی ہوتا تو یہ سند سفیان ثوری (مدلس) کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

سفیان ثوری کے بارے میں محمد عباس رضوی بریلوی نے کہا:

"یعنی سفیان مدلس ہے اور روایت انہوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے جیسا کہ آگے انشاء اللہ بیان ہوگا۔"

(مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹)

سفیان ثوری کی تدلیس کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۱۱-۳۲

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ سوال میں روایتِ مذکورہ غیر ثابت ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

نیز دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی (۳۲/۱-۳۴ ح ۲۳ وقال: ضعیف)

وما علینا إلا البلاغ (۲/جنوری ۲۰۱۰ء)

اُمّ کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نکاح

سوال کیا یہ ثابت ہے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح کیا تھا؟

اہلِ سنت اور شیعہ دونوں فریقوں کی کتابوں سے تحقیق کر کے ثبوت پیش کریں۔

(ایک سائل)

الجواب جی ہاں! یہ نکاح ثابت ہے اور اس کے مستند حوالے فریقین کی کتابوں سے پیشِ خدمت ہیں:

۱: ثعلبہ بن ابی مالک (القرظی) رحمہ اللہ ورضی عنہ سے روایت ہے کہ

''عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی خواتین میں کچھ چادریں تقسیم کیں۔ ایک نئی چادر بچ گئی تو بعض حضرات نے جو آپ کے پاس ہی تھے کہا: یا امیر المومنین! یہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کو دے دیجئے، جو آپ کے گھر میں ہیں۔ ان کی مراد (آپ کی بیوی) ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے تھی لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ام سلیط رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ مستحق ہیں۔'' الخ

(صحیح بخاری: ۲۸۸۱، ترجمہ محمد داود راز، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ۲۱۲/۴)

صحیح بخاری کے اس حوالے سے ثابت ہوا کہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔

۲: نافع مولیٰ ابن عمر سے روایت ہے کہ'' وضعت جنازة أم كلثوم بنت علي امرأة عمر بن الخطاب و ابن لها يقال له زيد ... ''

اور عمر بن خطاب کی بیوی ام کلثوم بنت علی کا جنازہ رکھا گیا اور اس کے بیٹے کا جنازہ رکھا گیا جسے زید (بن عمر بن الخطاب) کہتے تھے۔

(سنن النسائی ۷۱/۴۔۷۲ ح ۱۹۸۰، وسندہ صحیح وصححہ ابن الجارود بروایتہ: ۵۴۵ وحسنہ النووی فی المجموع ۲۲۴/۵ و قال ابن حجر فی التلخیص الحبیر ۱۴۶/۲ ح ۸۰۷: '' و إسناده صحيح '')

نیز دیکھئے میری کتاب: نور العینین (ص ۱۱۳)

۳: مشہور ثقہ تابعی امام الشعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ

'' عن ابن عمر أنه صلّى على أخيه و أمه أم كلثوم بنت علي ... ''

ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بھائی (زید بن عمر) اور اُس کی والدہ ام کلثوم بنت علی (رحمہما اللہ) کا جنازہ پڑھا... (مسند علی بن الجعد: ۵۹۳ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۵۷۴)

امام شعبی سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے ام کلثوم بنت علی اور ان کے بیٹے زید (یعنی اپنے بھائی) کا جنازہ پڑھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۱۵/۳ ح ۱۱۵۷۴، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۱۱۶۹۰)

۴: عبداللہ البہی رحمہ اللہ (تابعی صدوق) سے روایت ہے کہ'' شهدت ابن عمر صلّى

علی أم كلثوم و زيد بن عمر بن الخطاب .. ''میں نے دیکھا کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے ام کلثوم اور زید بن عمر بن الخطاب کا جنازہ پڑھا... (طبقات ابن سعد ۸/۴۶۴ وسندہ حسن)

اس جنازے کے بارے میں عمار بن ابی عمار (ثقہ وصدوق) نے کہا کہ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ (طبقات بن سعد ۸/۴۶۵ وسندہ صحیح)

۵: درج بالا چار صحیح روایات کی تائید میں ائمہ اہلِ بیت اور علمائے کرام کے کچھ اقوال اور مزید حوالے پیشِ خدمت ہیں:

امام علی بن الحسین: زین العابدین رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ'' أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه خطب إلى علي رضي الله عنه أم كلثوم فقال: انكحنيها ، فقال علي: إني أرصدها لابن أخي عبدالله بن جعفر فقال عمر: انكحنيها فوالله ما من الناس أحد يرصد من أمرها ما أرصده ، فأنكحه علي فأتى عمر المهاجرين فقال: ألا تهنوني؟ فقالوا: بمن يا أمير المؤمنين ؟ فقال: بأم كلثوم بنت علي و ابنة فاطمة بنت رسول الله ﷺ ... ''

بے شک عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم کا رشتہ مانگا، کہا: اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیں۔ تو علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں اسے اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) کے لئے تیار کر رہا ہوں۔ پھر عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: اس کا نکاح میرے ساتھ کر دیں کیونکہ اللہ کی قسم! جتنی مجھے اُس کی طلب ہے لوگوں میں سے کسی کو اتنی طلب نہیں ہے۔ (یا مجھ سے زیادہ اس کے لائق دوسرا کوئی نہیں ہے۔)

پھر علی (رضی اللہ عنہ) نے اسے (ام کلثوم کو) اُن (عمر) کے نکاح میں دے دیا۔ پھر عمر (رضی اللہ عنہ) مہاجرین کے پاس آئے تو کہا: کیا تم مجھے مبارکباد نہیں دیتے؟

انھوں نے پوچھا: اے امیر المومنین! کس چیز کی مبارکباد؟

تو انھوں نے فرمایا: فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ام کلثوم بنت علی (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ شادی کی مبارکباد... (المستدرک للحاکم ۳/۱۴۲ ح ۴۶۸۴ وسندہ حسن، وقال الحاکم: ''صحیح الاسناد'' وقال

الذہبی: ''منقطع'' السیرۃ لابن اسحاق ص ۲۷۵۔۲۷۶ وسندہ صحیح)

علی بن الحسین بن ابی طالب رحمہ اللہ تک سند حسن لذاتہ ہے، جو کہ ائمہ اہلِ بیت میں سے تھے اور اُن کی یہ روایت سابقہ احادیثِ صحیحہ کی تائید میں ہے۔

۶: امام محمد بن علی بن الحسین الباقر ابو جعفر رحمہ اللہ نے فرمایا:

عمر نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اُن کی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ مانگا تو علی نے فرمایا: میں نے اپنی بیٹیاں بنو جعفر (جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد) کے لئے روک رکھی ہیں تو انھوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے کہا: آپ میرے ساتھ ان (ام کلثوم) کا نکاح کر دیں کیونکہ اللہ کی قسم! روئے زمین پر میرے علاوہ دوسرا کوئی بھی اُن کی حسنِ معاشرت کا طلبگار نہیں ہے۔

پھر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' قد أنكحتكها '' میں نے اُس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا... الخ

(سنن سعید بن منصور ۱/۱۴۶ ح ۵۲۰ وسندہ صحیح، طبقات ابن سعد ۸/۴۶۳)

۷: عاصم بن عمر بن قتادہ المدنی (ثقہ عالم بالمغازی) رحمہ اللہ نے فرمایا: عمر بن خطاب نے علی بن ابی طالب سے اُن کی لڑکی ام کلثوم کا رشتہ مانگا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ کی بیٹی تھیں... '' فزوّجها إياه '' پھر انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے اس (ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کا نکاح اُن (عمر رضی اللہ عنہ) سے کر دیا۔ (السیرۃ لابن اسحاق ص ۲۷۵ وسندہ حسن)

۸: محمد بن اسحاق بن یسار امام المغازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' وتزوّج أمّ كلثوم ابنة علي من فاطمة ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر بن الخطاب فولدت له زيد بن عمر و امرأة معه فمات عمر عنها . ''

علی اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ام کلثوم کا نکاح عمر بن الخطاب سے ہوا تو ان کا بیٹا زید بن عمر (بن الخطاب) اور ایک لڑکی پیدا ہوئے پھر عمر (رضی اللہ عنہ) فوت ہو گئے اور وہ آپ کے نکاح میں تھیں۔ (السیرۃ لابن اسحاق ص ۲۷۵)

۹: عطاء الخراسانی رحمہ اللہ نے کہا:

عمر (رضی اللہ عنہ) نے ام کلثوم بنت علی کو چالیس ہزار کا مہر دیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ۸/۴۶۳۔۴۶۶)

اس روایت کی سند عطاء الخراسانی تک حسن ہے۔

۱۰: امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا:

" و أما أمّ كلثوم بنت علي فتزوّجها عمر بن الخطاب فولدت له زيد بن عمر .. "اور ام کلثوم بنت علی سے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہما) نے شادی کی تو اُن کا بیٹا زید بن عمر پیدا ہوا... (تاریخ دمشق لابن عساکر ۳۴۲/۲۱ وسندہ حسن)

ان کے علاوہ اہلِ سنت کی کتابوں میں اور بھی بہت سے حوالے ہیں جن سے ہمارے عنوان کا ثبوت ملتا ہے اور متعدد کبار علماء نے اس کی صراحت کر رکھی ہے کہ ام کلثوم بنت علی کا نکاح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ مثلاً دیکھئے

۱: التاریخ الاوسط للبخاری (۶۷۲/۱ ح ۳۷۹، ص ۶۷۴ ح ۳۸۰، ۳۸۱)

۲: کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم (۵۶۸/۳)

۳: طبقات ابن سعد (۲۶۵/۳)

۴: کتاب الثقات لابن حبان (۲۱۶/۲)

اہلِ سنت کے درمیان اس مسئلے پر کوئی اختلاف نہیں بلکہ اجماع ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم سے نکاح کیا تھا۔

اب شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کی کتابوں سے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱: ابو جعفر الکلینی نے کہا:

" حميد بن زياد عن ابن سماعة عن محمد بن زياد عن عبدالله بن سنان و معاوية بن عمار عن أبي عبد الله عليه السلام قال : ... إن علياً لما توفي عمر أتى أمّ كلثوم فانطلق بها إلى بيته . "

ابو عبد اللہ (جعفر الصادق) علیہ السلام سے روایت ہے کہ... جب عمر فوت ہوئے تو علی آئے اور ام کلثوم کو اپنے گھر لے گئے۔ (الفروع من الکافی ۱۱۵/۶)

اس روایت کی سند شیعہ کے اصول سے صحیح ہے۔ اس کے تمام راویوں مثلاً حمید بن

زیاد، حسن بن محمد بن سماعہ اور محمد بن زیاد عرف ابن ابی عمیر کے حالات مامقانی (شیعہ) کی کتاب: تنقیح المقال میں موجود ہیں۔

۲: ابوجعفر الکلینی نے کہا: ''علي بن إبراهيم عن أبيه عن ابن أبي عمير عن هشام بن سالم و حماد عن زرارة عن أبي عبدالله عليه السلام في تزويج أم كلثوم فقال: إن ذلك فرج غصبناه''

ابوعبداللہ علیہ السلام (جعفر صادق رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے ام کلثوم کی شادی کے بارے میں کہا: یہ شرمگاہ ہم سے چھین لی گئی تھی۔ (الفروع من الکافی ۳۴۶/۵)

اس روایت کی سند بھی شیعہ اصول سے صحیح ہے۔ اس کے راویوں علی بن ابراہیم بن ہاشم القمی وغیرہ کے حالات تنقیح المقال میں مع توثیق موجود ہیں۔

تنبیہ: اہلِ سنت کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ اس سے بری ہیں۔

۳: ابوعبداللہ جعفر الصادق رحمہ سے روایت ہے کہ جب عمر فوت ہو گئے تو علی نے آ کر کلثوم کا ہاتھ پکڑا اور انھیں اپنے گھر لے گئے۔ (الفروع من الکافی ۱۱۵/۶۔۱۱۶)

۴: ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی نے ''الحسين بن سعيد عن النضر بن سويد عن هشام بن سالم عن سليمان بن خالد'' کی سند کے ساتھ نقل کیا کہ ابوعبداللہ علیہ السلام (جعفر الصادق رحمہ اللہ) نے فرمایا: جب عمر فوت ہوئے تو علی علیہ السلام نے آ کر اُم کلثوم کا ہاتھ پکڑا پھر انھیں اپنے گھر لے گئے۔ (الاستبصار فیما اختلف من الاخبار ۴۷۲/۳ ح ۱۲۵۸)

اس روایت کی سند بھی شیعہ اسماء الرجال کی رُو سے صحیح ہے۔

۵: ان کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم کے نکاح کا ذکر موجود ہے: تہذیب الاحکام ۱۶۱/۸، ۲۶۲/۹

۶: الشافی للسید المرتضیٰ علم الہدیٰ (ص ۱۱۶)

۷: مناقب آل ابی طالب لابن شہر آشوب (۱۶۲/۳)

۸: کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ للأربلی (ص۱۰)

۹: مجالس المؤمنین للنور اللہ الشوستری (ص۷٦)

۱۰: حدیقۃ الشیعہ للاردبیلی (ص۲۷۷)

نیز دیکھئے علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی عظیم کتاب: الشیعہ واھل البیت (ص۱۰۵۔۱۱۰)

خلاصہ یہ کہ اہل سنت اور شیعہ (روافض) دونوں کی مستند کتابوں اور مستند حوالوں سے یہ ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے نکاح ہوا تھا اور اُن سے زید بن عمر بن الخطاب رحمہ اللہ بھی پیدا ہوئے تھے۔

آخر میں ایک عبرت انگیز واقعہ پیش خدمت ہے:

وزیر معز الدولہ احمد بن بویہ شیعہ (یعنی رافضی) تھا۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱٦/۱۹۰)

اس کی موت کے وقت ایک عالم اس کے پاس گئے تو صحابہ کرام کے فضائل بیان کئے اور فرمایا: بے شک علی علیہ السلام نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح عمر بن خطاب سے کیا تھا۔

اس (احمد بن بویہ) نے اس بات کو بہت عظیم جانا اور کہا: مجھے اس کا علم نہیں تھا۔

پھر اس نے (توبہ کر کے) اپنا اکثر مال صدقہ کر دیا، اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا، بہت سے مظالم کی تلافی کر دی اور رونے لگا حتیٰ کہ اُس پر غشی طاری ہوگئی۔

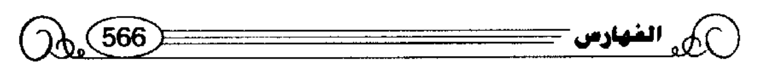
(دیکھئے المنتظم لابن الجوزی ۱۴/۱۸۳ت ۲٦۵۳)

اہلِ تشیع سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اس وزیر کی طرح توبہ کر لیں ورنہ یاد رکھیں کہ رب العالمین کے سامنے اپنے تمام اقوال و افعال کا جواب دہ ہونا پڑے گا اور اس دن اللہ کے عذاب سے چھڑانے والا کوئی نہیں ہے۔

تنبیہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور تمام صحابۂ کرام کے ساتھ علیہ السلام کے بجائے رضی اللہ عنہ یا رضی اللہ عنہا لکھنا چاہئے اور یہی راجح ہے۔ (۳/جنوری ۲۰۱۰ء)



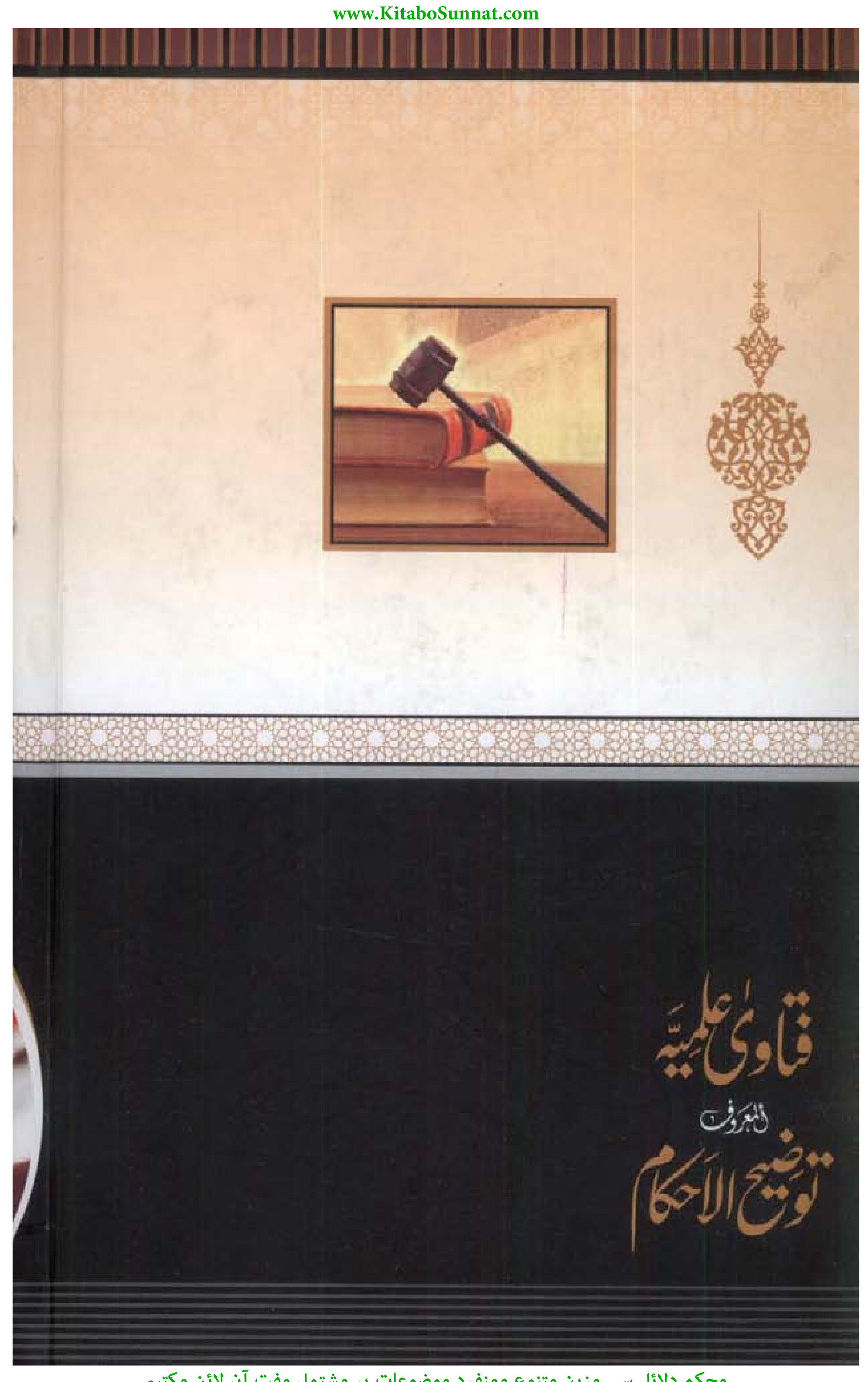
أطراف الآيات والأحاديث والآثار



اسماءالرجال

مختصر اشاریہ




فتاویٰ علمیہ
المعروف
توضیح الاحکام